ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی ﷺ

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ اول

از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات، مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیرۃ و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

تالیف

حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

باہتمام: مولوی مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع چہارم

کوڈ نمبر آر-پی/ڈی ایم پی/آئی — ۱۰۴/۱۷۷۸/۱۶۰۰۰
کاپی رائٹ ایکٹ جاری کردہ ۱۹۶۲ء کے تحت نیشنل بک
فاؤنڈیشن کی ذمہ داری پر کمبائنڈ پرنٹرز ۲-بلال گنج لاہور سے طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبع چہارم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ کو اللہ تعالی نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونون کے لئے بڑی نعمت ہے، جس پر اللہ تعالی کا ہزار ہزار شکر ہے،

نومبر سنہ ۱۹۱۴ء مین مصنف کی وفات کے بعد جب سیرۃ کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا تو اُس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہئے، استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا، اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب مین بھی ڈر جاتا تھا مسودہ کا بیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا، اس لئے اس بیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذون سے مین نے کیا، بلکہ مصنف کی امانت جون کی تون ناظرین کے سپرد کردی، بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشارون کے مطابق بعض چیزون کا اضافہ ہلالین مین کردیا جس کی تصریح دیباچہ مین موجود ہے،

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی، اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہین سمجھی،

لیکن اس اثنا مین کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقامون پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا،

اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودہ کو اصل ماخذون سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے، یہ بڑا مشکل کام تھا بیسیون کتابون کو پھر سے دیکھنا، اور ہزارون صفحون کو الٹنا، متعدد مختلف روایتون کو پرکھنا اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی، مجھے یہ لکھنے مین بڑی خوشی ہے کہ لائق عزیز مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی اس کام مین میرے دست و بازو ثابت ہوئے، واقعات کی تلاش اور جانچ، روایتون کی چھان بین، اصل عبارتون سے مسودہ کی تطبیق اور حدیث اور سیرت کی کتابون کی طرف از سرِ نو مراجعت مین اُن سے بڑی مدد ملی،

کچھ مقام ایسے بھی تھے جہان اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف تھا، اس دفعہ وہان حاشیے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا، کہین کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل یا دفعِ شبہہ کی ضرورت تھی وہان اس ضرورت کو پورا کیا گیا، بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی وہ کی گئی، کہین فروتر ماخذ کا حوالہ تھا اور اثنائے مطالعہ مین اس سے بالاتر ماخذ ملا تو اس کا حوالہ دیدیا گیا،

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام مین عدد کی غلطی جو اردو ہندسون مین اکثر ہو جاتی ہے اصل مبیضہ مین بھی موجود تھی، مراجعت کے وقت اُن کی غلطی معلوم ہوئی اور اب

ان کی تصحیح کردی گئی، مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ مین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپیے چھپ گئی تھی. حالانکہ وہ سوا سو ہے، اسی طرح غزوۂ احزاب مین کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی، حالانکہ وہ بعض روایت مین ۱۲ ہزار لیکن صحیح روایات مین دس ہزار ہے،

مولانا کی زندگی مین اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابین قلمی ملی تھین، جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا اب وہ چھپ گئی ہے، بعض کتابون کی اُن کو تلاش ہی رہی مگر ان کو مل نہ سکی، جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر مصنف نے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہین ملتی، وہ مل جاتی تو ساری مشکلین حل ہو جاتین اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہوگئی مستدرک حاکم اُس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی. غرض ان کتابون کے ہاتھ آجانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے، چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ مین ان سے کام لیا گیا

اس نسخہ کی تیاری مین جن خاص باتون کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہین :-

۱- پوری کتاب کے واقعات کو از سرِ نو حدیث و سیر کی کتابون سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس مین جہان نقص نظر آیا دور کیا گیا ہے،

۲- تصحیح بیان، دفع شبہ، رفع ابہام، اور تشریح کے لیے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہین،

۳- مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اس پر نقد اور تنبیہ کی گئی ہے،

۴- کہین کہین حوالے چھوٹ گئے تھے، اس نسخہ مین ان کو بڑھا دیا گیا ہے، کہین

صرف کتابون کے نام تھے، اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دیئے گئے،

۵- جہان صرف صفحون کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے حوالے بھی دیدیئے گئے

تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو اڈیشن ہو اس مین نکال کر دیکھ لیا جاسکے،

۶- طبع اوّل کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابین چھپی تھین اُن سے استفادہ

کرکے اگر کوئی نئی بات ان مین ملی ہے تو اس کا اضافہ کیا گیا،

۷- اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجہ کا تھا، اور بعد کو اُس سے اعلٰی درجہ کا حوالہ ملا تو اس کو

بڑھایا گیا،

۸- حضور انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے

پورا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لکھنے کا اہتمام کیا گیا، تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے

ناظرین کو محرومی نہ ہو،

غزوۂ بدر کی روایتون کی تنقید کے سلسلہ مین ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے

خطا کار قلم سے حضرت کعبؓ بن مالک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی

تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان مین سوء ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا،

جس پر مجھے شرمندگی ہے، اور اب مین اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلمزد

کرکے صحابی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی برأت کرتا ہون، اور اللہ تعالٰی سے عفو کا خواستگار ہون

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش

عذر بہ درگاہِ خدا آورد

جن لوگون کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہون وہ اپنے نسخہ[1] سے ان سطرون کو کاٹ دین تو بڑی مہربانی ہو، اب یہ موجودہ نسخہ طبع اوّل سے بہت سی باتون مین بہتر ہو گیا ہے، اس موجودہ نسخہ مین انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصیحح کی بھی کوشش کیگئی ہے، تاہم انسان انسان ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے، کسی ناظرِ کتاب کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرماکر ممنونِ کرم کرین،

آخر مین پاک پروردگار کی بارگاہ عالی مین دعا ہے کہ وہ میری خطا و نسیان سے درگذر فرماکر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے، اور مسلمانون کو اس سے بیش از بیش مستفید فرماکر اس گنہگار کے لئے بخشایش کا ذریعہ بنائے، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین،

ہیچمدان

سیّد سُلیمان ندوی

یکم جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۶۴ھ

---

[1] یہ عبارت سیرۃ النبی جلد اوّل طبع اوّل کے صفحہ ۲۵۵ کی سطر ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲، اور طبع مابعد کے صفحہ ۳۲۳ کی سطر ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷ میں ہی،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچۂ طبع دوم

سیرۃ نبویؐ جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے، اس اثنا مین خداوند تبارک وتعالیٰ نے اُس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکساران دار المصنفین کے لئے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانون نے اس کو جان و دل سے خریدا، اور امرا اور والیان ممالک نے اس کی خدمت کو سعادت دارین سمجھا بلکہ خواص اور علما، کے طبقہ نے بھی اس کی قدر شناسی کی،

ہندوستان مین اہلِ علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزانِ نقد مین سیرت کے مضامین وتحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیاتِ قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اس کی حدیثین جانچین، ادیبون نے اس کے عربی اشعار اور ترجمون پر نقد کیا، علماے انساب نے اسما، کی تنقیح کی، منجمون اور حساب دانون نے اس کے زائچون اور تاریخون پر نظرِ ثانی کی، اہلِ تاریخ وسیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہین کہ نہایت خلوص و محبت سے انھون نے اپنے نتائجِ افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے

اُن سے فائدہ اٹھایا،

طبعِ اوّل مین جیسا کہ خاتمہ مین ہم نے اقرار کیا تھا، چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے، اس طبع مین جہان تک امکانِ انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے، اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرۃ پر نقد کرنا چاہتے ہون اُن کو یہی نسخہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے،

طبع اوّل بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی، لوگون کا اصرار تھا کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو تا کہ وہ بہ آسانی ہر وقت استعمال مین آسکے، یہ اُن کی تعمیل ہے، انشاء اللہ ہر جلد کے طبع اوّل کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی،

سید سُلیمان ندوی

۲۸ - ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع اوّل

سیرۃ نبویؐ جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے، آج سال کے بعد اُس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ مین جاتی ہے، مین اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہون، کہ استاد مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ مین جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمدللہ کہ اُس کے ایک حصّہ سے آج سبکدوش ہوتا ہون، ع

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرّت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرت ناک منظر بھی سامنے ہے کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کرسکا، اور حسن عقیدت کے جو پھول سیکڑون چمن کدون سے چن کر اُس کے ہاتھ آئے تھے، اُن کو آستانۂ نبوت پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنف مرحوم کو سیرۃ نبویؐ کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ ۱۳۲۳ھ مین اس کا ایک مختصر سا حصّہ یعنی غزوۂ اُحد تک وہ لکھ بھی چکے تھے[1] کہ بعض مشکلات کی بنا پر رُک گئے، لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا، بالآخر

[1] یہ مسودہ ابتک موجود ہے،

انھون نے سنہ ۱۳۳۲ھ مین اس بار امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کرلیا، چنانچہ پچاس ہزار روپیے کے سرمایہ کے لئے اُنھون نے قوم مین مرافعہ پیش کیا، سیکڑون مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے، ان مین فقراے اُمت بھی تھے اور امراے ملت بھی، لیکن یہ سعادتِ اخروی ازل ہی سے خادمۃ الملۃ النبویۃ مجددمۃ الامۃ المحمدیۃ نواب سلطان جہان بیگم تاج الہند فرمانفرماے بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقائھا ودوام ملکھا کیلئے مقدر تھی، اس لئے وہ سب کے آگے بڑھین اور سوانح نگارِ نبوت کو دوسرے آستانون سے بے نیاز کرکے اس سرمایۂ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ مین شامل کرلیا، فرمانروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیئے ہین آیندہ مورخ غالباً اس کارنامہ کو ان مین سب سے بڑا قرار دیگا، کہ اس کا تعلق اُس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، جو اسلام کی تاریخ مین کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے،

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لئے مسلمانون مین قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمان فرماے بھوپال نے مصنف کے جانشینون کے لئے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا، مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے جن کی مردِ جنبانی سے نسیم سعادت کے یہ جھونکے اس بلغ قدس مین دوبارہ آئے،

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اُس مین اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا، البتہ تین جا مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا، معلوم ہوتا ہے

مکاتیب شبلی جلد اول صفحہ ۱۰۲

کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب رکھکر ہر سنہ کے آخر مین جزئی حالات "واقعاتِ متفرقہ" کے عنوان سے لکھدیئے جائین، چنانچہ بتفصیل پرستہ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو مین نے بقیہ سنین کے آخر مین اسی قسم کے جزئیاتِ متفرقہ کا اضافہ کردیا، حواشی یا حوالے کہین کہین چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈھ کر لکھے، لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنّف کی عبارت مین نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافون کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہی، اس بنا پر لفظ "صلعم" یا جملہ ہاے معترضہ کے سوا جو چند فقرے اور عبارتین قوسین مین ہین وہ اضافہ ہین،

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اوّل کو وفات تک وسعت دی جائے، لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ۰۰۰ صفحہ کو پہنچ جائے گی، اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا، سامانِ طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی، اُس نے مجبور کیا کہ اس کو دو جلدون مین تقسیم کردیا جائے، چنانچہ پہلی جلد سلسلہ جنگ و غزوات پر ختم کردی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم و تنسیق، اشاعتِ اسلام، وفات اور اخلاق کی الگ کردی گئی، خداوند تعالے سے دعا ہو کہ اس کی طبع و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيل،

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے، ان کے مسودات مین اتفاقاً یہ تحریر قلمزدہ مل گئی، اس کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخلِ کتاب کیا جاتا ہے،

جامع
سید سلیمان، ندوی
دارالمصنفین اعظم گڈہ - ۲۰، ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

فہرست مضامین

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول

مقدمہ ۲
(تاریخِ عرب قبل اسلام) ۱۰۴ - ۱۵۹

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
سلسلۂ نسب
۱۶۰ - ۱۶۹

ظہورِ قدسی
۱۷۰ - ۱۹۸

آفتاب رسالت کا طلوع

۱۹۹ - ۲۶۷

سنہ ۳ھ
غزوۂ اُحد
۳۶۹ - ۳۸۷

سنہ ۷ھ
خیبر، ادائے عمرہ
۴۷۵ - ۵۰۴

سنہ ۸ھ
غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین و اوطاس و طائف
۵۰۵ - ۵۴۶

سرنامہ

ایک گدائے بینوا شہنشاہِ کونین کے دربار
میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے،
زچشمِ آستین بردار و گوہر را تماشا کن

"شبلی"

شوال ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وّ آلہ واصحابہ اجمعین

سیرت نبویؐ کی تالیف کی ضرورت

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہو کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کیجائے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائلِ اخلاق، زہد و تقویٰ، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائیں اور پھر تمام عالم میں اُن کی عملی تعلیم رائج کی جائے،

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہو کہ فنِ اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھی جاکر تمام ملک میں پھیلائی جائیں، اور لوگوں کو اُن کی تعلیم دلائی جائے، ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے بہ جبر محاسنِ اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے روکے جائیں،

یہی طریقے ہیں جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جا سکتا، لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائیں

نہ جبر و زور سے کام لیا جائے، بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو، جس کی ہر جنبشِ لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے، اور جس کا ایک ایک اشارہ، اوامرِ سلطانی بنجائے، دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے، سب انہی نفوسِ قدسیہ کا پرتو ہے، دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش و نگار ہیں،

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے، اس نے اس قسم کے نفوسِ قدسیہ جو پیش کئے ہیں، وہ فضائلِ اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتبِ درس میں صرف حلم و تحمل، صلح و عفو، قناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت و فرمانروائی کے لیے جو فضائلِ اخلاق درکار ہیں مسیحی تعلیم کی بیاض میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے، حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراقِ تعلیم میں عفوِ عام کے صفحے خالی ہیں، اس بنا پر ہر ہر قدم پر نئے نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی اور اس لئے عالمِ انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے جامعِ کامل کا محتاج رہا جو صاحب شمشیر و نگین بھی ہو، اور گوشہ نشین بھی، بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدا بھی، فرمانروائے جہاں بھی ہو اور سبحہ گرداں بھی، مفلسِ قانع بھی ہو اور غنیِ دریا دل بھی، یہ برزخِ کامل یہ ہستی جامع

(لہ یہاں پر کتاب کی اس عبارتِ بالا کے مخاطب اہلِ کتاب ہیں جن کے موجودہ صحیفوں میں ان انبیاء کے جو احوال مذکور ہیں وہ اسی صورت میں ہیں، اس لئے مصنف نے ان کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک باکمال اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے،

لیکن چونکہ از روے اسلام ایک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے. جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ (بقرہ) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے:

یہ صحیفۂ یزدانی عالمِ کون کی آخری معراج ہے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ،

عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، اس لئے یہ ہستیِ جامع، دنیا میں اگر ہمیشہ نہیں رہ سکتی،

اس لئے ضرور ہے کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات وسکنات کی ایک

ایک ادا، اس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحلِ زندگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) اس لیے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے، دوسری طرف ارشاد ہے،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ (بقرہ ۔ ۳۳)

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے، مثلاً بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا، اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السّلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے،

حضرات انبیائے کرام علیہم السّلام تمام کمالات نبوت وفضائلِ اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور، تمام انبیاءؑ میں یکساں نہیں ہوا، بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جب زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بمصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا،

حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع ومحل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورت حال ان انبیائے کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا، تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات وفضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر ان کے چھوڑ دینے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں، اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیم و

میں جہاں ضرورت پیش آئے رہنمائی کے کام آئے، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام دعیانِ مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، ان کے کارنامۂ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں، جناب مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں، فارس کے مصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں، ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا، کہ ان کے کارنامے، اور اصولِ تعلیم ابدی نہ تھے، اس لئے نقل و روایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا، قدرت خود ضرورت کی اندازہ داں ہے، اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) عیسیٰؑ کی، اور اے عمر تمہاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے یعنی ایک فریق سے رحم و کرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا، (دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطۂ اختلاف کی طرف اشارہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لئے بضرورت احوال آپؐ کے تمام کمالات نبوت آپؐ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے، اور آپؐ کی نبوت کے آفتاب عالم تاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپؐ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پر نور ہوا صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے، جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسر شان پیدا ہو، کہ اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے،

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معارف محرم و صفر ۱۳۵۹ھ میں مضمون "خلیلؑ کی بشریت"۔

تمام اربابِ مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے، جس قدر دوسرے کو ہے، اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیتِ کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی، لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے، کہ دنیا میں وہ کون شخص گذرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لئے بھی نہ ہو سکا، اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاقِ طبیعت، اندازِ گفتگو، طرزِ زندگی طریقِ معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے،

(محمد عربی فدیتہ بابی و امی)

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصدِ تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم و فنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالاتِ زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہیں، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے، کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے سستاتا ہے، اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی و عمل، جد و جہد، ہمت و غیرت

کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی میں موجود ہیں، بعینہ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے،

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو شخص کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں وہ کس وسعت اور استقصا و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں، تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور اُن کے پیچ و خم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آجائیں، لیکن اگر خوش قسمتی سے فردِ کامل، اور استقصاے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں، تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہو،

وجوہِ مذکورۂ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے، کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانحمری کی ضرورت ہو، جس کا نامِ مبارک "محمد" رسول اللہ ہو، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلوٰۃً کَثِیْراً کَثِیْراً، یہ ضرورت، صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہو، ایک تمدنی ضرورت ہو، ایک ادبی ضرورت ہو، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریاتِ دینی و دنیوی ہے،

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرضِ اولیں یہی تھا، کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرۃ نبویؐ کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں،

علم کلام کی حیثیت سے سیرۃ کی ضرورت

اگلے زمانہ میں سیرۃ کی ضرورت، صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضین حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہیں تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرار نبوّت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟

یورپ کے مورخین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کردیا ہے، اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبر اسلامؐ کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں، اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہانتک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو پیغمبرؐ کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے جس نے اگر مجمعِ انسانی میں کوئی اصلاح کردی تو اس کا فرض ادا ہوگیا، اس بات سے اُس کے منصب نبوّت میں فرق نہیں آتا کہ اُس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں۔

یہ واقعات تھے جنھوں نے مجکو بالآخر مجبور کیا، اور میں نے سیرۃ نبویؐ پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کرلیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند

فنون کا کام تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہو سکتی،

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ خاص سیرتؐ پر آج تک کوئی ایسی کتاب

۱؎ اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے، جو آجکل کی قلتِ علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سیرت فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات سے متعلق ہیں، تو یہ سیرت بن گئی، اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں، مثلاً صحیح بخاری اسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کیساتھ نہیں لکھی گئی؟ اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں،

(۱) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور اربابِ رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں، اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہیں، فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے، فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا، چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہیں، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اُموی وغیرہ، ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں، البتہ زمانۂ مابعد میں مغازی کے سوا، اور اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ بہت کچھ

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فنِ حدیث سے ایک الگ چیز ہے، یہاں تک کہ بعض موقعوں پر اربابِ سیر اور محدثین، دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اربابِ سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری ومسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام اربابِ سیر کے خلاف ہے، لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابلِ ترجیح ہے ہم

نہیں لکھی گئی، جس میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبوی میں لکھتے ہیں،

ولیعلم الطالب انّ السِّیَرَا تَجْمَعُ ما صحّ وما قد اُنْکِرَا

یعنی طالبِ فن کو جاننا چاہئے کہ سیرۃ میں ہر قسم کی روایتیں نقل کیجاتی ہیں، صحیح بھی اور قابلِ انکار بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸) اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں،

غزوات میں ایک غزوہ ذوقرد کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے، اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے،

لا یختلف اهل السیر ان غزوة ذی قرد کانت قبل الحدیبیة فیکون ما وقع فی حدیث سلمة من وهم بعض الرواة،

اہل سیر میں سے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد، حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا،

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوۂ ذی قرد) میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں،

فعلی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد اصح مما ذکره اهل السیر،

تو اس بنا پر صحیح مسلم میں غزوۂ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفینِ سیرت نے بیان کی ہے،

دمیاطی ایک مشہور محدث ہیں، انھوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے، جو آج بھی موجود ہے، اس میں انھوں نے اکثر موقعوں پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہی لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے اس لئے نہ کر سکے،

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:-

ودل هذا علی انه کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیه اهل السیر وخالف الاحادیث الصحیحة وان ذلک کان به

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انھوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے، ان سے رجوع کر

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہو گئیں
اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں، اور پھر نہایت
تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصا کے
ساتھ دیکھنا اور اُن سے معلومات کا اقتباس کرنا، ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) قبل تضلعه منها وخروج نسخ كتابه وانتشارها لم يتمكن من تغييرها۔
(زرقانی بر مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۱)

اور یہ کہ یہ امر اُن سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے،

۲- ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا، لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

واما شيخه الدمياطي فادعى غلط الحديث الصحيح وان جميع اهل السير على خلافه،
(فتح الباری جزء ہفتم صفحہ ۳۲۲)

باقی اُن کے شیخ دمیاطی تو انھوں نے حدیث صحیح کی نسبت غلطی کا دعویٰ کیا ہے، اور یہ کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں،

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا رد بھی کیا ہے،

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے، اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے، اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے، یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے،

۳- مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں، وہ فن حدیث کے اعلیٰ بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں، اس لئے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے، اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا،

۴- جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اس طرح سیرۃ کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا، آج بیسیوں کتابیں قدماء سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی حلبی مواہب لدنیہ، کسی میں یہ التزام نہیں۔

ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے، میں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا، اس لیے ایک مجمعِ تصنیف کی ضرورت تھی، جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبرؐ کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے، اور نہ آیندہ توقع کی جا سکتی ہے، اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپؐ کے دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلمبند کیے گئے اور اس زمانہ میں کیے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا، طبقاتِ ابن سعد، کتاب الصحابۃ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الازرق، کتاب الدولابی، کتاب البغویؒ، طبقات ابن ماکولا[1]، اسد الغابۃ، استیعاب، اصابہ فی احوال الصحابۃ، صرف انہی بزرگوں کے حالات میں ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) تفصیل مذکورۂ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ "سیرت میں آج تک کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی" اس کا کیا مطلب ہے، اور کہاں تک صحیح ہے،

[1] ان کتابوں کا ذکر، استیعاب کے دیباچہ میں ہے

کیا دنیا میں کسی شخص کے رفقا میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکے ہیں؟

سیرۃ نبویؐ کے متعلق قدما نے جو ذخیرہ مہیّا کیا، اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کر دیتے ہیں کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لئے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے؟ اور کہاں تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہے؟

فنِ سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ

عام طور پر یہ خیال ہے کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اور اسلام میں تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ میں) ہوا، اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا زبانی تھا، تحریری نہ تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج (گو کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم زمانہ میں حمیری اور نباتی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیّا ہو گئے ہیں، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے،

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں اکثر افسانہ ہیں، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ اوّل اوّل جن لوگوں نے عربی خط ایجاد کیا، ان کے یہ نام تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قرشیات (یہی نام ہیں

۱؎ یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات، اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں، جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں، تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب نہیں ہے، یہاں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، احادیث کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں،

جن کو ہم آج ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت کہتے ہیں) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدمؑ نے ایجاد کئے تھے، ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلۂ بولان (قبیلۂ طے کی ایک شاخ) کے تھے، جو انبار میں آباد تھے، ان کے نام مرامر بن مرة، اسلم بن سدرة، عامر بن جدرة تھے ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد بن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالبًا یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبدالمطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حق عبد المطلب بن ہاشم من اہلِ مکۃ	یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ
علی فلان ابن فلان الحمیری من اہلِ وزل	فلاں شخص پر ہے، جو صنعا کا رہنے والا ہے، یہ چاندی
صنعا علیہ الف درہم فضۃ کیلاً بالحدیدۃ	کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا جائے گا وہ ادا
ومتی دعاہ بہا اجابہٗ شہد اللہ والملکان	کریگا، خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں،

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے، خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی بھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

لہ ابن ندیم ص۸ طبع مصر ۱ ص

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے[1]

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں، ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابوعبیدہؓ، طلحہؓ، زیدؓ، ابوحذیفہؓ، ابوسفیانؓ، شفاؓ بنت عبداللہ وغیرہ،

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی، اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے اُن سے فدیہ لیا گیا، لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر اُن کو لکھنا سکھا دے چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو کاتبِ وحی ہیں، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،[2]

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلمبند ہوئی تھیں یا نہیں، اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہیں بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں، تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا، مسلم کے یہ الفاظ ہیں،

(لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہ،	مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اسکو مٹا ڈالنا چاہیے،

[1] فتوح البلدان ذکر خط صفحہ ۴۷۱ مطبوعہ یورپ [2] طبقات ابن سعد غزوۂ بدر صفحہ ۱۴

آنحضرت کے زمانہ کی تحریریں

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے، کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ "صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں محفوظ نہیں، البتہ عبد اللہ بن عمروؓ مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے، اور میں لکھتا نہ تھا"

ایک اور روایت میں ہے کہ "حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی عادت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے اُن کو منع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی میں، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبد اللہ ابن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے[1]" خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں عبد اللہؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیثیں قلمبند کر لیا کرتے تھے، صادقہ[2] تھا

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں، اُن کے نام قلمبند کئے جائیں، چنانچہ پندرہ سو صحابہؓ کے نام دفتر میں درج کئے گئے[3]۔

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ "جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثوں کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے، تو وہ ایک جنگ نکال لاتے

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۷۷، [2] جامع بیان العلم للقاضی ابن عبد البر، مطبوعۂ مصر صفحہ ۳۳، میں صادقہ کا ذکر ہے [3] صحیح بخاری باب الجہاد

تھے، کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُن کر لکھ لی تھیں۔

متعدد قبائل کو آپؐ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے،[1] اور کتبِ احادیث میں بعینہا منقول ہیں، اسی طرح سلاطین کو دعوتِ اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے، وہ بھی تحریری تھے،

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) میں ہے کہ فتحِ مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھکو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے وہ خطبہ قلمبند کرا دیا جائے،

غرض اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسبِ ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا

(۱) جو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ وغیرہ نے قلمبند کیں[2]

(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل کے نام بھیجے[3]

(۳) خطوط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطینؑ اور امراؑ کے نام ارسال فرمائے،

(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے نام،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنو العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر لیکے

---

[1] بخاری جلد (۱) صفحہ ۲۱ و ۲۲ صحیفہ علی و کتابۃ جل من الیمن [2] سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۳۰ و ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۵ و ۱۵۶ [3] بخاری جلد (۱) صفحہ و ایضاً ص ۱۵ [4] بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵،

کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[۱]،

مغازی | عرب میں علوم و فنون نہ تھے، صرف خاندانی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور افعال و اقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ نے زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اقوال و افعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا، اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے ذکر میں سائب بن یزید سے یہ روایت نقل کی ہے،

صحبت عبدالرحمٰن بن عوف وطلحۃ بن عبیداللہ والمقداد وسعدًا فما سمعت احدًا منهم یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا انی سمعت طلحۃ یحدث عن یوم احد	میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہ بن عُبیداللہ اور مقدادؓ اور سعدؓ کی صحبت میں رہا لیکن میں نے اُن کو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث بیان کرتے نہیں سنا، بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوۂ اُحد کا واقعہ بیان کرتے تھے،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اور طلحہؓ و مقدادؓ و سعدؓ وقاص، اکابر صحابہؓ میں ہیں، اور ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اس لئے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگ اُحد کے واقعات

[۱] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، تذکرہ امام زہری،

بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علما میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنا لیا تھا وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوتے تھے خواص میں اُس قدر مستند نہیں خیال کئے جاتے تھے، اس فن کے اساطین اور ارکان ابن اسحاق اور واقدی ہیں واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں، ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے، لیکن اُسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے، تفصیل آگے آئے گی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثۃ کتب لیس لہا اصول المغازی والملاحم والتفسیر[1]	تین قسم کی کتابیں ہیں، جن کی کوئی اصل نہیں مغازی اور ملاحم اور تفسیر،

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد اُن خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں، پھر لکھا ہے،

اما کتب التفسیر فمن اشہرہا کتابا الکلبی و مقاتل بن سلیمان وقد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اولہ الی آخرہ کذب	باقی تفسیر کی کتابیں، تو ان میں سے کلبی، اور مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں امام احمد بن حنبل نے کہا ہو کہ کلبی کی تفسیر اوّل سے آخر تک جھوٹ ہے۔

پھر لکھتے ہیں،

واما المغازی فمن اشہرہا کتاب محمد بن اسحاق وکان یاخذ من اہل الکتاب	باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے، اور وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے روایت

[1] موضوعات ملا علی قاری مطبع مجتبائی، صفحہ ۵۵،

وقد قال الشافعی کتب الواقدی کذب کرتے تھے اور امام شافعی نے کہا ہو کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا، اس لئے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہاں تک خوب محفوظ ہوتے تھے روایت کرتے تھے

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی — صحابہؓ اور خلفاے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنو امیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ہولاء الامراء، — ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ امرا نے ہم کو مجبور کیا،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریۃ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہے[1]،

امیر معاویہؓ کے بعد عبد الملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ہر فن میں علما سے تصنیفیں لکھوائیں، سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے، ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے اُن ہی کی تفسیر ہے، عطاء کو خزانۂ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا[2]،

[1] مطبوعۂ مصر، صفحہ ۳۰۱۔ [1] فہرست ابن الندیم صفحہ ۸۹۔ [2] میزان الاعتدال ترجمۂ عطاء بن دینار۔

حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیجدیا کہ احادیثِ نبویؐ مدوّن اور قلمبند کی جائیں، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے، اُن سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے، اور تمام ممالکِ مقبوضہ میں بھیجے، علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:

عن سعد بن ابراھیم قال امرنا عمر بن عبد العزیز بجمع السنن فکتبناھا دفترًا دفترًا فبعث الی کل ارض له علیھا سلطان دفترًا۔	سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمرؓ بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمرؓ نے جہاں جہاں اُن کی حکومت تھی ایک دفتر بھیج دیا۔

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بڑے محدث امام زہری کے استاد اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا[1]

حضرت عائشہؓ کی روایتیں

حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی اُن سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں جو عقائد یا فقہ کے مُہمات مسائل ہیں، اس لئے عمرؓ بن عبدالعزیز نے انکی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ایک خاتون تھیں، ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت میں پالا تھا، وہ بہت بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں، تمام علما کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا اُن سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، عمرؓ بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیجدیں[3]

---

[1] مطبوعۂ مصر صفحہ ۷۶ [2] طبقات ابن سعد جزو ثانی قسم ثانی صفحہ ۱۳۴ [3] تہذیب التہذیب، ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بنت عبدالرحمٰن وطبقات ابن سعد جزو دوم حصہ دوم صفحہ ۱۳۴،

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتنا نہیں کیا گیا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے، ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں[1]،

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم علما تھے، فقہ اور حدیث میں اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں، انھوں نے حدیث و روایت کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے، جوان، بڈھے، عورت مرد جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں سے جا کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے، ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا ۸۰ھ میں عبد الملک بن مروان کے دربار میں گئے، اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبد العزیز کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص میں داخل تھے، ہشام بن عبد الملک نے اپنے بچوں کی تعلیم اُنکے سپرد کی تھی ۱۲۴ھ میں وفات پائی، امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا، ان کے حلقۂ درس سے

امام زہری کے تلامذہ

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)،

اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے، ان میں سے یعقوب بن ابراہیم محمد ابن صالح تمار، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز، فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف "صاحب المغازی" لکھا جاتا ہے،

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی وہ شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، **موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق**

موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا، فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں، امام مالک اُن کے نہایت مداح تھے، اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے، کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، ان کے مغازی کے جو خصوصیات ہیں یہ ہیں:-

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے، انھوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا،

(۲) عام مصنفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آجاتی تھیں، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتیں یعنی جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقۂ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سنکر لوگوں سے روایت

کرتے تھے، لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبرسن میں اس فن کو سیکھا تھا[1]، ۱۴۱ھ میں وفات پائی،

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں، لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں،

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں، شہرت عام میں اگرچہ **واقدی** اُن سے کم نہیں لیکن واقدی کی دروغ بیانی مسلّمۂ عام ہے اور اس لئے ان کی شہرت، بدنامی کی شہرت ہے، محمد بن اسحاق تابعی ہیں، ایک صحابی (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا، علم حدیث میں کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں، اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے، امام مالک اُن کے سخت مخالف ہیں، لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ **مغازی** اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں، امام بخاری نے صحیح بخاری میں اُن کی روایت نہیں لی لیکن جزء القراۃ میں اُن سے روایت کی ہے، تاریخ میں تو اکثر واقعات ان ہی سے لیتے ہیں

فن مغازی کو انھوں نے اس قدر ترقی دی، اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا

[1] تہذیب التہذیب ترجمۂ موسیٰ بن عقبہ

چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف اُن کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیوں سے دریافت کرکے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سُنے ہوں گے، اس لئے اُن پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق، یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے، اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے، سنہ ۱۵۱ھ میں وفات پائی،

علامہ تہذیب التہذیب

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا، اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گذرا ہے،

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کئے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے، چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے، وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے،

ابن ہشام

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مؤرخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے، اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہے، انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں، اُن کی تفسیر بھی لکھی،

۲۳۰؁ یا ۲۱۵؁ میں وفات پائی،

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳؁ وعبد العزیز بن احمد المعروف بہ سعدویری المتوفی فی حدود ۶۰۰؁ وابو اسحاق انصاری تلمسانی، وفتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳؁ نے منظوم کیا، اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں، اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرۃ الحبیب ہے،

ابن سعد

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں، لیکن اُن کے تلامذۂ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا،

ابن سعد مشہور محدث ہیں، محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو اُن کے اُستاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں، لیکن وہ خود قابلِ سند ہیں، خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنف کتابا کبیرًا فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن[1]،

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، انہی کے شاگرد ہیں، ۲۳۰؁ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی،

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدوں میں ہے دو جلدیں خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں ہیں اور یہ حصہ در اصل سیرۃ نبوی ہے، باقی جلدیں صحابہؓ

[1] تہذیب التہذیب، ترجمہ محمد بن سعد،

(و تابعین) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر آتا ہے، اس لئے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے،

یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی، یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا، شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا، چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیئے، اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزا فراہم کر کے لائیں پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں، یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ بہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپکر شائع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے، لیکن چونکہ تمام روایتیں بہ سند مذکور ہیں، اس لئے واقدی کی روایتیں بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہیں،

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے نام مذکور ہیں، لیکن چونکہ نام کے سوا اُن کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں، نہ اُن کا آج وجود ہے، اس لئے ہم اُن کے نام نظر انداز کرتے ہیں،

تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ، تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں، یعنی جن میں روایتیں بہ سند مذکور ہیں، اُن میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی در اصل سیرت نبویؐ ہے ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں، لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں، تاریخ صغیر

چھپ گئی ہے، اس میں سیرت نبوی کا حصّہ کتاب کا دسواں حصّہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں، اور اُن میں بھی کوئی ترتیب نہیں، کبیر البتہ بڑی ہے، میں نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ میں دیکھا تھا، لیکن سوانحِ نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں

امام طبری

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین اُن کے فضل، کمال، وثوق اور وسعتِ علم کے معترف ہیں، اُن کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے، محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں میں کسی کو اُن سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا، ۳۱۰ھ میں وفات پائی،

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ شیعوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے" لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے،

هٰذا رجمٌ بالظنِّ الکاذب بل ابن جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین، یہ جھوٹی بدگمانی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں،

علامہ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہے کہ "ان میں فی الجملہ تشیع تھا، لیکن مضر نہیں"

تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابو الفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں یہ کتاب بھی نایاب تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی،

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں، ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں۔[1]

[1] ان مصنفین کی تصنیفات اکثر نایاب ہیں، یہ فہرست تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہے، ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آج جو تصنیفیں ملتی ہیں ان میں اگر ان کے حوالے آئیں تو ان راویوں کی محنت و عدم محنت، ثقاہت و ضعف کے فیصلہ کرنے کا موقع حاصل ہو۔

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	سنہ ۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے حضرت عائشہؓ کے آغوش تربیت میں پلے تھے، سیرت و مغازی میں کثرت سے اُن کی روایتیں ہیں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے متعلق لکھا ہی کان عالما بالسیرۃ. صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب ان ہی نے تدوین کی،
شعبی	سنہ ۱۰۹ھ	مشہور محدث ہیں، اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے، خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بنکر قسطنطنیہ گئے تھے، فن مغازی و سیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ گو میں اُن غزوات میں بذات خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں؛
وہب بن منبہ	سنہ ۱۱۰ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثیں سُنی تھیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں.
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	سنہ ۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں، حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں، مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات

نام	سنہ	کیفیت
		تھے. خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے.
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	سنہ ١٢٤ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے.
یعقوب بن عتبہ	سنہ ١٢٥ھ	نہایت ثقہ تھے، عمال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے. فقہاے مدینہ میں ان کا شمار تھا، سیرت نبوی کے عالم تھے'
مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی		ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا.
موسیٰ بن عقبہ الاسدی	سنہ ١٤١ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
ہشام بن عروہ ابن زبیرؓ	سنہ ١٤٦ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں، علماے مدینہ میں ان کا شمار ہے. بغداد میں جو روایتیں انھوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے' سیرت کے ذخیرۂ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے' جن کو وہ اپنے باپ کے واسطے سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں. فن سیرت میں اُن کے متعدد نامور تلامذہ ہیں.
محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	سنہ ١٥٠ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے،
معمر بن راشد الازدی	سنہ ١٥٢ھ	امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے' اساطین علم حدیث میں تھے، مغازی میں ایک کتاب لکھی

		تصنیف ہے جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے،
عبد الرحمن بن عبد العزیز الاوسی.	سنہ ۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں، فن سیرت کے عالم تھے ابن سعد نے اُن کے متعلق لکھا ہے، کان عالماً بالسیرة وغیرھا
محمد بن صالح بن دینار التمار،	سنہ ۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے، ابو الزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو
ابو معشر نجیح المدنی	سنہ ۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری، اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایت حدیث میں اُن کی تضعیف کی ہے، لیکن سیرت و مغازی میں اُن کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہے، امام ابن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحبِ نظر ہیں، ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے کتبِ سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے.
عبد اللہ بن جعفر بن عبد الرحمن المخرمی	سنہ ۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے، فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبوی کے اکابر علما میں تھے، ابن سعد نے اُن کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں: "من رجال اھل المدینة

		علمائے مغازی:-
عبدالملک بن محمد بن ابی بکر ابن عمرو بن حزم الانصاری	۱۷۶ھ	فن حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہیں جنھوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی، ان کے رشتہ کی دادی عمرہ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھیں، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے، اس فن میں انکی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے.
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ میں تھے، امام ابن حنبل نے ان سے روایت کی ہے، مغازی کے جامع اور مصنف ہیں، لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں
زیاد بن عبداللہ ابن الطفیل البکائی	۱۸۳ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونوں بزرگواروں کے واسطۃ العقد یہی ہیں، سیرت کے عشق میں گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے، اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے، محدثین کی بارگاہ میں گو ان کا اعزاز کم ہے، لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں
سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری،	۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد، اور ان کی سیرت کے راوی ہیں، رے

		کے قاضی تھے، اہلِ نقد کے نزدیک قابلِ احتجاج نہیں لیکن ابن معین جو اسمائے رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں اُن کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرِ نبوی کہتے ہیں، طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں،
ابو محمد یحییٰ بن سعید ابن آبان الاموی	سنہ ۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہیں لیکن ثقہ ہیں، صاحبِ کشف الظنون نے مصنفینِ مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے،
ولید بن مسلم القرشی	سنہ ۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام میں ان کے زمانہ میں اُن سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے، کتاب الفہرست میں اسکا ذکر موجود ہے،
یونس بن بکیر	سنہ ۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہیں، فنِ روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، علامۂ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے، انھوں نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہے، (زرقانی مواہب جلد ۳ صفحہ ۱۰)

محمد بن عمر الواقدی الاسلمی.	سنہ ۲۰۷ھ	سیرتِ نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے، کتبِ سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہیں، ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ "اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے، تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں"۔
یعقوب بن ابراہیم الزہری	سنہ ۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اولاد میں سے تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں، مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقدِ رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری،	سنہ ۲۱۱ھ	ثقاتِ محدثین میں ان کا شمار ہے مزاج میں کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایتِ حدیث ترک نہیں کر سکتے، آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، اس لئے اس زمانہ کی حدیثیں ناقابلِ سند ہیں، فنِ مغازی میں اُن کی ایک تالیف ہے،
عبدالملک بن ہشام الحمیری	سنہ ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے،
علی بن محمد المدائنی	سنہ ۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح اور سلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ وانساب

نام	سنہ وفات	کیفیت
		عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین میں ان کا شمار نہیں، لیکن مورخین کے امام ہیں، اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں، تاریخ و انساب میں اُن کی کثرت سے تصنیفات ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کیے ہیں۔
عمر بن شبۃ البصری	٢٦٢ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری اور نحو کے امام ہیں، مکۂ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخیں لکھی ہیں، علم سیر میں نہایت بلند پایہ تھے، حدیث میں ابن ماجہ، اور تاریخ میں بلاذری، اور ابو نعیم اُن کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسیٰ ترمذی	٢٧٩ھ	مشہور محدث ہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے، سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات و عادات و اخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں، اس رسالہ پر متعدد علما نے شروح و حواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم	٢٨٥ھ	محدثین کبار میں شمار ہے، مسند صحابہؓ ان کی تالیف ہے، جس کے

		آخر میں کتاب المغازی شامل ہے،
ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی	سنہ ۲۹۹ھ	حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے، جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے،
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں،

یہ قدماء کی تصنیفات تھیں، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے، جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں، ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہیں، اور ان میں جس قدر ذخیرۂ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں،

روض الانف، سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبدالرحمن سہیلی ہے، جنھوں نے سنہ ۵۸۱ھ میں وفات پائی، یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفینِ مابعد سیرتِ نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق اُن کے خوشہ چیں ہیں، مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے،

سیرت دمیاطی، حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی سنہ ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر

کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہے، قریباً سو صفحوں میں ہے، پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

سیرتِ خلاطی، علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے، ۷۰۸ھ میں وفات پائی،

سیرتِ گازرونی، شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہے[1]

سیرتِ ابن ابی طے، مصنف کا نام یحیٰی بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے،

سیرتِ مغلطائی[2]، مشہور کتاب ہے، اور مصر میں چھپ گئی ہے، علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے جس کا نام کشف اللثام ہے،

شرف المصطفیٰ، حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہے، آٹھ جلدوں میں ہے، حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں، ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے،

شرف المصطفیٰ، للحافظ ابن الجوزی،

الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثۃ، حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں،

---

(1) بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے) (2) ان تمام کتابوں کا ذکر کشف الظنون باب سیر کے عنوان میں ہے،

سیرتِ ابن عبد البر ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہیں، اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں،

عیون الاثر ابن سید الناس کی تصنیف ہے ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں، ۷۳۴ھ میں وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے، سند بھی نقل کی ہے، اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے،

نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس عیون الاثر کی شرح ہے مصنف کا نام ابراہیم ابن محمد ہے، یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے، اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے، دو ضخیم جلدوں میں ہے، اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے،

سیرتِ منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم میں لکھی ہے، لیکن دیباچہ میں خود لکھدیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے،

مواہب لدنیہ. مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں، حافظ ابن حجر کے ہم رتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے، لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں،

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، اور مصر میں چھپ گئی ہے،

سیرتِ حلبی مشہور اور متداول ہے،

صحتِ ماخذ

سیرتِ نبوی کے واقعات جو قلمبند کئے گئے، وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلمبند ہوئے، اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں،

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے، یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کرلیجاتی ہیں، جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا، ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہیں، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بنجاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصل فن روایت

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے؟ یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سیکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کردیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے معلومات

اسماء الرجال کی تدوین

بہم پہنچائے، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے، ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کئے، ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا، جس کی بدولت آج کم از کم لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہوسکتے ہیں، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر[1] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہ کی، بادشاہوں سے لیکر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں، اور ایک ایک کی پردہ دری کی،

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں، جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے،

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح و تعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ "میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا" ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں، جن میں [illegible] ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہیں،

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگوں کے حال میں ہے

[1] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی داں فاضل ہیں، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں کام کیا، اصابہ کا نسخہ ان ہی کی تصحیح سے کلکتہ میں چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ "نہ کوئی قوم دنیا میں ایسی گذری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے"

نام مصنف	کیفیت
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے،
رجال امام عبد الرحمان بن حاتم الرازی المتوفی سنہ ۳۲۶ھ	بہت ضخیم کتاب ہے،
رجال امام دارقطنی،	مشہور محدث ہیں، یہ کتاب خاص ضعیف الرواۃ اشخاص کے حال میں ہے،
کامل ابن عدی	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،

یہ کتابیں قریباً آج ناپید ہیں، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہیں آج بھی موجود ہیں، اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہے، جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے، جنھوں نے سنہ ۷۴۲ھ میں وفات پائی، علاؤ الدین مغلطائی المتوفی سنہ ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا، علامہ ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب تہذیب التہذیب لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے اور آجکل حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں، اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب میزان الاعتدال ہے، جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا۔

جس کا نام لسان المیزان ہے،

اسماء الرجال کی جو ہمارے پیش

اسماء الرجال کی کتابوں میں سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان، تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی، تہذیب الاسماء، ہماری نظر سے گذری ہیں،

اس اصول تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کر دی تھی،

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ (حجرات - ۱)

مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لو،

حدیث ذیل بھی اسی کی مؤید ہے،

کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ

آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سنے روایت کر دے

دوسرا اصول درایت

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

درایت کی ابتداء

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا، حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہؓ تک مغالطہ میں آ گئے، چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے، اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی، قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ (نور) جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں'

تفسیر جلالین میں مِنْکُمْ کی تفسیر حسب ذیل کی ہے،

جَمَاعَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِين، یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے،

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہؓ کی برارت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں

ان میں سے ایک یہ ہے،

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہدیا کہ ہم کو ایسی

أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ بات بولنا مناسب نہیں، سبحان اللہ یہ بڑا بہتان ہے،

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت

کئے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں؟ پھر اُن کی شہادت لی جاتی،

لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہدیا کہ یہ بہتان ہے،

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلافِ قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے

قطعاً سمجھ لینا چاہئیے کہ غلط ہے،

اس طرزِ تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی،

فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو

ٹوٹ جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس

مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا، تو عبداللہ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح

ہو تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو، حضرت عبداللہ

ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے، لیکن چونکہ ان کے نزدیک

یہ روایت درایت کے خلاف تھی، اس لئے انہوں نے تسلیم نہیں کی، اور یہ خیال کیا کہ ابھی میں

صحیح ترمذی باب الوضوء

غلطی ہو گئی ہو گی،

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کئے جن میں سے بعض یہ ہیں،

قال[1] ابن الجوزي وكل حديث رأيته يخالف العقول او يناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا يتكلف اعتباره اى لا تعتبر رواته ولا تنظر في جرحهم او يكون مما يدفعه الحس والمشاهدة او مباينا النص الكتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعي حيث لا يقبل شيء من ذلك التاويل او يتضمن الافراط بالوعيد الشديد على الامر اليسير او بالوعد العظيم على الفعل اليسير وهذا الاخير كثير موجود في حديث القصاص والطرقية

ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلّمہ کے خلاف ہو تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے، اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو، اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو، یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو، (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہیں) یا وہ حدیث جس میں نوعیت پائی جائے، مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ، اس لئے بعض محدثین نے نوعیت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔

---

[1] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۱۰، افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے، اس لئے بعض عبارتیں ہم نے اسی نسخہ کے موافق غلط نقل کی ہیں، یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں، بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

ومن ركة المعنى لا تأكلوا القرعة حتى تذبحوها ولذا جعل بعضهم ذلك دليلا على كذب راويه وكل هذا من القرائن في المروي وقد تكون في الراوي كقصة غياث مع المهدي ...... او انفراده عمن لم يدرك بما لم يوجد عند غيرهما او انفراده بشيء مع كونه مما يلزم المكلفين علمه وقطع العذر فيه كما قرره الخطيب في اول الكفاية او بامر جسيم يتوفر الدواعي على نقله كحصر العدو الحاج عن البيت

یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں، اور کبھی قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں، مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ، یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو، اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے اس سے ملاقات نہ ہو، یا حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا، جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے یا وہ روایت جس میں کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے، مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہو گی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں؛

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو،

۲۔ جو روایت اصولِ مسلّمہ کے خلاف ہو،

۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

۴- قرآن مجید یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو اور اس مین تاویل کی کچھ گنجایش نہو،

۵- جس حدیث مین معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶- معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷- وہ روایت رکیک المعنی ہو مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ،

۸- جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہین کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹- جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو، باایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو،

۱۰- جس روایت مین ایسا قابلِ اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو، کہ اگر وقوع مین آتا تو سیکڑون آدمی اس کو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی ہو،

ملا علی قاری نے موضوعات[1] کے خاتمہ مین حدیثون کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہین اور انکی مثالین نقل کی ہین، ہم اُسکا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہین،

۱- جس حدیث مین فضول باتین ہون جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے نہین نکل سکتین، مثلاً یہ کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانین ہوتی ہین، ہر زبان مین ستر ہزار لغت ہوتے ہین الخ"

۲- وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے

---

[1] نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۹۲ تا خاتمۂ کتاب،

۳- وہ حدیث جو صریح حدیثون کے مخالف ہو،

۴- جو حدیث واقع کے خلاف ہو، مثلاً یہ کہ "دھوپ مین رکھے ہوے پانی سے غسل نہین کرنا چاہئے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے"،

۵- وہ حدیث جو انبیاء علیہم السّلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزین نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب روان، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"،

۶- وہ حدیثین جن مین آیندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہو، مثلاً یہ کہ فلان سنہ اور فلان تاریخ مین یہ واقعہ پیش آئے گا،

۷- وہ حدیثین جو طبیبون کے کلام سے مشابہ ہین، مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے"، یا یہ کہ مسلمان شیرین ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے،

۸- وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہین، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹- وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے مین اس قدر دیر ہے، حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہین،

۱۰- وہ حدیثین جو خضر علیہ السّلام کے متعلق ہین،

۱۱- جس حدیث کے الفاظ رکیک ہون،

۱۲- وہ حدیثین جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتون کے فضائل مین وارد ہین،

حالانکہ یہ حدیثین تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ مین منقول ہین،

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بنا پر بہت سی روایتین رد کردین،

مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ سے معاف کر دیا تھا، اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی"۔ ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہین کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے،

۱- اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوۂ خندق میں وفات پاچکے تھے،

۲- دستاویز مین کاتب کا نام معاویہ ہے، حالانکہ وہ فتح مکہ مین اسلام لائے،

۳- اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہین آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید مین جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے،

۴- دستاویز مین تحریر ہے کہ "یہودیون سے بیگار نہین لی جائے گی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵- خیبر والون نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیون معاف کیا جاتا،

۶- عرب کے دور دراز حصّون مین جب جزیہ معاف نہین ہوا، حالانکہ ان لوگون نے چندان مخالفت اور دشمنی نہین کی تھی، تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے،

۷- اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہین، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیئے گئے"

تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی، اب ہم اس پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا چاہتے ہین،

۱۔ سیرت پر اگرچہ آج بھی سیکڑون تصنیفین موجود ہین، لیکن سب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابون پر منتہی ہوتا ہے، سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابین ہین وہ ان سے متأخر ہین، اور ان مین جو واقعات مذکور ہین، زیادہ تر انہی کتابون سے لئے گئے ہین، (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے اُس سے اس مقام پر بحث نہین) اس بنا پر ہم کو مذکورۂ بالا کتابون پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہئے،

ان مین سے **واقدی** تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے، محدثین بالاتفاق لکھتے ہین کہ وہ خود اپنے جی سے روایتین گھڑتا ہے، اور حقیقت مین واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگون اور دلچسپ تفصیلین وہ بیان کرتا ہے، آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہین کر سکتا،

واقدی کے سوا، باقی اور تینون مصنفین، اعتبار کے قابل ہین، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے، تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ جزء القراءۃ مین اُنکی سند سے روایتین نقل کرتے ہین، اور ان کو صحیح سمجھتے ہین ابن سعد اور

طبری مین کسی کو کلام نہین، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگون کا مستند ہونا، اُن کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چندان اثر نہین ڈالتا، یہ لوگ خود شریکِ واقعہ نہین، اس لئے جو کچھ بیان کرتے ہین اور اور راویون کے ذریعہ سے بیان کرتے ہین، لیکن اُن کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہین؛ اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان مین) موجود نہین، ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت مین بدل دیا وہی آج موجود ہے، لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، **بکائی** اگرچہ رتبہ کے شخص ہین تاہم محدثین کے اعلی معیار سے فروتر ہین، ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہین کہ "وہ ضعیف ہے، اور مین نے اس کو ترک کردیا" ابوحاتم کہتے ہین "وہ استناد کے قابل نہین" نسائی کہتے ہین "وہ ضعیف ہے"

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتین، واقدی کے ذریعہ سے ہین، اس لیے ان روایتون کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتون کا ہے، باقی رُواۃ مین سے بعض ثقہ ہین، اور بعض غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمۃ ابرش، ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہین،

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرۃ کا ذخیرہ، کتبِ حدیث کا ہم پلہ نہین؛ البتہ ان مین سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اُتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے،

کتبِ حدیث وسیرۃ مین فرقِ مراتب

سیرت کی کتابون کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہے، کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کردی گئی، یعنی وہ روایتین تنقید کی زیادہ محتاج ہین جن سے شرعی احکام

ثابت ہوتے ہین، باقی جو روایتین سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہین ان مین تشدد اور احتیاط کی چندان حاجت نہین، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہین، سیرتِ منظوم کے دیباچہ مین لکھتے ہین،

وَلیعلمِ الطالبُ انَّ السِیَرا	طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت مین سبھی طرح
تجمع ما صحّ وما قد اُنکرا	کی روایتین ہوتی ہین صحیح بھی اور غلط بھی

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائلِ اعمال مین کثرت سے ضعیف روایتین شائع ہو گئین اور بڑے بڑے علما نے اپنی کتابون مین ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل مین لکھتے ہین،

قد رواہ من صنف فی عمل یوم و	اس حدیث کو ان لوگون نے روایت کیا ہو جنھون
لیلۃ کابن السنی وابی نعیم و فی	نے رات دن کے اعمال مین کتابین تصنیف کی ہین
مثل ہذہ الکتب احادیث کثیرۃ	مثلاً ابن السنی اور ابو نعیم، اور اس قسم کی کتابون مین
موضوعۃ لا یجوز الاعتماد علیہا	کثرت سے جھوٹی حدیثین موجود ہین، جن پر اعتماد کرنا
فی الشریعۃ باتفاق العلماء،	ناجائز ہے، اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے،

حاکم نے مستدرک مین یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انھون نے کہا "اے خدا! مین تجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیتا ہون کہ میری خطا معاف کردے" خدا نے کہا "تم نے محمدؐ کو کیونکر جانا، حضرت آدمؑ نے کہا "مین نے سر اٹھا کر عرش کے پایون پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوے دیکھے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ؔمطبوعہ مطبع المنار صفحہ ۹۹،

اس سے مین نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھکو محبوب ترین خلق ہوگا۔" خدا نے کہا "آدم! تم نے سچ کہا، اور محمد نہ ہوتے تو مین تم کو پیدا بھی نہ کرتا۔" حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہین:۔

وامّا تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث[1] وامثاله فهذا مما انکره علیه ائمة العلم بالحدیث وقالوا ان الحاکم یُصحح احادیث وهی موضوعة مکذوبة عند اهل المعرفة بالحدیث.... وکذالك احادیث کثیرة فی مستدرکه یُصححها وهی عند ائمة اهل العلم بالحدیث موضوعة

حاکم کا اس قسم کی حدیثون کو صحیح کہنا ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثون کو صحیح کہتے ہین، اسی طرح حاکم کی مستدرک مین بہت سی حدیثین ہین اجن کو حاکم نے صحیح کہا ہے، حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہین،

علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابو الشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہین (صـ ۱۰۵ و ۱۰۶)

وفیها احادیث کثیرة قویة صحیحة و حسنة واحادیث کثیرة ضعیفة موضوعة واهیة وکذلك ما یرویه خیثمة بن سلیمان فی فضائل الصحابة وما یرویه ابو نعیم الاصبهانی فی فضائل الخلفاء

اور اس میں بہت سی حدیثین ہین جو قوی ہین اور حسن ہین اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہین اور اسی طرح وہ حدیثین جو خیثمہ بن سلیمان صحابہ کے فضائل مین روایت کرتے ہین، اور وہ حدیثین جو ابو نعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب مین خلفا کے فضائل

[1] کتاب التوسل مطبوعہ المنار صفحہ ۱۰۱، (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ حاکم)

فی کتاب مفرد، وفی اوّل حلیۃ الاولیاء...	میں روایت کی ہیں اور اسی طرح وہ روایتیں
وممایرویہ ابوبکر الخطیب و ابوالفضل	جو ابوبکر خطیب اور ابو الفضل اور ابو موسیٰ مدینی
بن ناصر و ابو موسیٰ المدینی وابوالقاسم	اور ابن عساکر اور حافظ عبد الغنی وغیرہ اور
بن عساکر والحافظ عبد الغنی وامثالھم	ان کے پایہ کے لوگ، روایت کرتے
ممن لہ معرفۃ بالحدیث،	ہیں،

غور کرو، ابو نعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبد الغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء، اور صحابہؓ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال و حرام کی حدیثوں میں احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتوں میں سلسلۂ سند نقل کر دینا کافی ہے، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں،

موضوعاتِ ملا علی قاری میں لکھا ہے کہ بغداد میں ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ قیامت میں خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا"امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہیں" اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیواریں ڈھک گئیں[1]،

[1] موضوعات علی قاری ص ۱۳۰ مطبوعہ دہلی

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتین بیہقی، ابو نعیم، بزار، طبرانی وغیرہ مین پائی جاتی ہین، بخاری اور مسلم مین ان کا پتہ نہین لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثین جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ مین پائی جاتی ہین، صحیحین مین وہ بھی مذکور نہین اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے، مبالغہ آمیز روایتین گھٹتی جاتی ہین، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود مین آئے تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بحیرۂ طبریہ خشک ہو گیا، بیہقی، ابو نعیم، خرائطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے، لیکن صحیح بخاری اور مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب مین اس کا پتہ نہین،

سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابون (طبرانی بیہقی، ابو نعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہین، اس لئے ان مین کثرت سے کمزور روایتین درج ہو گئین، اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر مین ہر قسم کی روایتین ہوتی ہین۔

محدثین نے جو اصول قرار دیئے تھے، سیرت کی روایتون مین لوگون نے اکثر نظر انداز کر دیئے۔ محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتین مذکور ہین، اکثر منقطع ہین، صحابہؓ مین سے کوئی شخص ایسا نہین جس کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو، سب سے معمر حضرت ابوبکرؓ ہین وہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو برس کم تھے، اسی بنا پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتین ہین اُن مین سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتین پھیل گئین، مثلاً ابو نعیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوے تو بہت سے پرندآ کر مکان مین بھر گئے جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے، پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لے گیا، اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤن کی سیر کراو، کہ سب لوگ پہچان لین[1]

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے، لیکن ان کی اکثر روایتین، جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ مین مذکور ہین منقطع ہین،

تصانیف سیرت مین کتب احادیث کی طرف سے بے اعتنائی،

۲- نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اُس مین اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابون سے کام نہین لیا، بعض واقعات نہایت اہم ہین، اُن کے متعلق حدیث کی کتابون مین ایسے مفید معلومات موجود ہین جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے، لیکن سیرت اور تاریخ مین ان معلومات کا ذکر نہین، مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس کی طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے، تمام ارباب سیر اور مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کی، لیکن سنن ابی داؤد مین صاف اور صریح حدیث

[1] مواہب لدنیہ مین یہ روایت نقل کی ہے اس مین بے انتہا مبالغہ آمیز باتین ہین مین نے معمولی ذکر نقل کر دیا ہے،

موجود ہے کہ جنگِ بدر سے پہلے کفارِ مکہ نے عبداللہ بن اُبی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمدؐ کو اپنے شہر مین پناہ دی ہے ان کو نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمہارا، اور محمدؐ دونون کا استیصال کر دین گے[1]" سیرت اور تاریخ کی کتابون مین یہ واقعہ سرے سے منقول نہین؛

مصنفینِ سیرت مین سے بعض لوگون نے اس نکتہ کو سمجھا، اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو اُن کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابون مین بہت سی روایتین صحیح حدیثون کے خلاف درج ہو گئی ہین، لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی، اس لیے اس کی اصلاح نہ ہو سکی، حافظ ابن حجر ایک موقع پر دمیاطی کا ایک قول نقل کرکے لکھتے ہین

ودلّ ھذا علی انہ کان یعتقد الرجوع	یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اکثر واقعات جنمین
عن کثیر ممّا وافق فیہ اھل السیر وخالف	دمیاطی نے اہلِ سیر کی موافقت، اور صحیح حدیثون کی
الاحادیث الصحیحۃ وانّ ذٰلک کان	مخالفت کی تھی، اپنی راے سے رجوع کیا، لیکن
منہ قبل تضلّعہ منھا وخروج نُسخ	چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے، اس لئے
کتابہ وانتشارہ لم یتمکّن من تغیرہٖ	اس کی اصلاح نہ کرسکے،

۳- سیرت مین اگلون نے جو کتابین لکھین، ان سے، مابعد کے لوگون نے جو روایتین نقل کین انہی کے نام سے کین، ان کے مستند ہونے کی بنا پر، لوگون نے ان تمام روایتون کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابین ہر شخص کو ہاتھ نہین آسکتی تھین اس لیے لوگ راویون کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتین تمام کتابون مین داخل ہو گئین، اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتین واقدی کی کتاب مین مذکور ہین، ان کو لوگ عموماً

[1] غزوۂ بدر کے موقع پر ہم اسی حدیث کے اصل الفاظ نقل کرینگے۔ ۲ زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱۔

مصنفین سیرت کی تدلیس

غلط سمجھتے ہین لیکن نہین روایتون کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کر دیا جاتا ہے، تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہین، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہاتھ آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتین واقدی ہی سے لی ہین،

اصول روایت سے ہر جگہ کام نہین لیا گیا

۴- روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہؓ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعون پر کام نہین لیا گیا، مثلاً اصولِ روایت کی رو سے رُواۃ کے مختلف مدارج ہین، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے، کسی مین یہ اوصاف کم ہوتے ہین، کسی مین اور بھی کم ہوتے ہین، یہ فرقِ مراتب جس طرح فطرۃً عام راویون مین پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہین، حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدین کین اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کین،

اختلافِ مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دُو روایتون مین تعارض پیش آجائے تو اس بحث کے فیصلہ مین صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویون کا دوسری روایت کے راویون سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے (گو دونون راوی ثقہ ہین) اور یہ اُس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا، لیکن صحابہؓ مین اگر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے، فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ سے مروی ہے، اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے جس نے عمر بھر مین صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونون روایتون

کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے، علامہ مازری مشہور محدث ہین، علامہ نووی شرح صحیح مسلم مین اکثر اُن سے استناد کرتے ہین، انھون نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰و۱۱) مین ان کا یہ قول نقل کیا ہے،

لسنا نعنی بقولنا الصحابۃ عدول کل من رآہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما ما او زارہ لماما او اجتمع بہ لغرض وانصرف عن کتب وانما نعنی بہ الذین لازموہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون،	یہ مقولہ کہ صحابہ سب عادل ہین، ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد نہین لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کے لئے ملا اور پھر فوراً واپس چلا گیا بلکہ ہم ان لوگون کو مراد لیتے ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین با التزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، یہی لوگ کامیاب ہین

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً معتبرین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے بیجا نہین لیکن اس مین کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتین، ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہین ہو سکتین خصوصاً اُن واقعات کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہین،

واقعات مین سلسلۂ علت و معلول نہین قائم کیا گیا،

۵- ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہین کرتے، نہ اُنکی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ اس باب مین یورپ

کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے، اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلۂ معلولات پیدا کرتا ہے، اس مین بہت کچھ اُس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنالیتا ہے، تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہین، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف، اور خالص بے طرفداری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے، اس کو اس سے کچھ غرض نہین ہوتی کہ واقعات کا اثر اُس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑیگا، اس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کردیتا ہے،

لیکن اس مین حد سے زیادہ تفریط ہو گئی، اس بات سے بچنے کے لئے کہ واقعات راے سے مخلوط نہ ہو جائین، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہین ڈالتا، اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیون کو اس طرح شروع کرتے ہین، کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلان قبیلہ پر فلان وقت فوجین بھیجدین، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہین کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے، اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لئے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہین، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہین! اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہین کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجین گئین وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانون پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے،

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہین قائم کیا گیا،

۶- یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہان تک بدل جاتی ہے. مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آسکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائے گی، لیکن فرض کرو، وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربہ عام کے خلاف ہے، گرد وپیش کے واقعات سے مناسبت نہین رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاج ثبوت ہے، اس لئے اب راوی کا معمولی درجۂ وثوق کافی نہین ہوسکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیے

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لئے کسی عمر کی قید ہے یا نہین؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کرسکتا ہے، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کی روایت کی، تو قابل اعتبار ہو گی، محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن الربیعؓ ایک صحابیؓ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر اُن کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو انھون نے جوان ہو کر لوگون سے بیان کیا، اور سب نے یہ روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہوسکتی ہے[1]،

[1] یہ پوری بحث فتح المغیث صفحہ ۱۶۹ تا صفحہ ۱۷۰ مین ہے،

اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے کہ کمسن کی روایت قابل حجت نہین (فتح المغیث مین ہے)

ولكن قد منع قوم القبول هنا اى	(لیکن ایک جماعت یہان قبولِ روایت سے منع
فى مسئلة الصبى خاصة فلم يقبلوا	کرتی ہی خصوصاً بچون کی روایت کے مسئلہ مین بلوغ
من تحمل قبل البلوغ لان الصبى	سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو، اس کو وہ
مظنة عدم الضبط وهو وجه	قبول نہین کرتی، شوافع کی یہی رائے ہے، اسی
للشافعية ... وكذا كان ابن المبارك	طرح عبد اللہ بن مبارک بھی بچہ کی روایت
يتوقف فى تحديث الصبى (كتاب مذکور ص۱۲۶)	حدیث کرنے مین توقف کرتے ہین)

لیکن اثبات ونفی، دونون پہلو بحث طلب ہین، بے شبہہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ مین نے فلان شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھ کو گود یون مین کھلایا تھا، تو اس روایت مین شبہہ کرنے کی وجہ نہین، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے کہ فلان شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا، تو شبہہ ہو گا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہین ؟

فقہا نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، فتح المغیث مین شرح مہذب سے نقل کیا ہے :

قبول اخبار الصبى المميز فيما طريقه	باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق
المشاهدة بخلاف ما طريقه النقل	مقبول ہی جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہون، لیکن جو
كالافتاء ورواية الاخبار ونحوه	باتین نقلیات مین داخل ہین مثلاً فتوی یا حدیث
(نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ص۱۲۶)	کی روایت ان مین اُن کی روایت مقبول نہین

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہین کیا گیا، فتح المغیث مین ہے،

ثم الضبط نوعان ظاهر و باطن فالظاهر
ضبط معناه من حيث اللغة، و
الباطن ضبط معناه من حيث تعلق
الحكم الشرعي به وهو الفقه ومطلق
الضبط الذي هو شرط في الراوي
هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه
يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه تهمة
تبديل المعنى بروايته قبل
الحفظ او قبل العلم حين سمع ولهذا
المعنى قلت الرواية عن اكثر الصحابة
لتعذر هذا المعنى قال وهذا الشرط
وان كان على ما بينا فان اصحاب
الحديث قل ما يعتبرونه في حق
الطفل دون المغفل فانه متى صح
عندهم سماع الطفل او حضوره
اجازوا روايته، (ص ۱۳۱)

پھر ضبط[1] کی دو قسمین ہین، ظاہری اور باطنی ظاہری
کے معنی ہین کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے
باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہے
اس کا لحاظ رکھا جائے، اس کو فقہ کہتے ہین؛ لیکن
مطلقاً جو ضبط راوی کے لئے مشروط ہے اکثرون کے
نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے، کیونکہ
ان لوگون کے نزدیک، روایت بالمعنی جائز ہے
اسی بنا پر سننے وقت قلت حفظ، یا قلت علم کے
سبب سے روایت کے ادا کرنے مین راوی پر
مفہوم کے بدل دینے کا شبہہ ہو سکتا ہے، یہ وجہ
ہے کہ اکثر صحابہؓ نے بہت کم حدیثین روایت
کین، کیونکہ مفہوم کا بعینہ روایت مین قائم رکھنا
مشکل ہے، لیکن محدثین، بچہ کے حق مین (نہ بے عقل
کے حق مین نہین) اس کا اعتبار نہین کرتے،
بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس مین
شریک ہونے کے قابل ہوگیا تو اسکی روایت کو جائز سمجھا

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہے جسکے معنی ہین کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا

ایک یہ بحث ہو کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے، اُن کی روایت اگر قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہو گی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم، امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہین،

ووجہ قول الامام فخر الاسلام ان النقل بالمعنی شائع وقلما یوجد النقل باللفظ فان حادثۃ واحدۃ قد رویت بعباراتٍ مختلفۃ ثم ان تلک العبارات لیست مترادفۃ بل قد روی ذٰلک المعنی بعبارات مجازیۃ فاذا کان الراوی غیر فقیہ احتمل الخطاء فی فھم المعنی المرادی الشرعی ۔ ۔ ۔ ولا یلزم منہ نسبۃ الکذب متعمدا الی اصحابہ بمعاذ اللہ عن ذالک ۔ (شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۲۳)

امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہو کہ روایت بالمعنی عام طور پر شائع ہو اور ایسا بہت کم ہوتا ہو کہ روایت باللفظ کیجائے کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہو اور یہ الفاظ باہم مرادف بھی نہین، بلکہ اکثر مجازی عبارتون مین مطالب ادا کئے گئے ہین، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا تو احتمال ہوگا کہ اس نے مطلب مقصود شرعی کے سمجھنے مین غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہین آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے:

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اُسی درجہ کی اہم ہونی چاہئے" بے خبر نہ تھے، امام بیہقی کتاب المدخل مین ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہین،

اذا روینا عن النبیؐ فی الحلال و الحرام والاحکام شددنا فی الاسانید

جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہین تو سند

واتسقد نا فی الرجال واذا ردینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)	مین نہایت تشدد کرتے ہین اور راویون کو پرکھ لیتے ہین، لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثین آتی ہین توہم سندون مین سہل انگاری کرتے اور راویون کے متعلق چشم پوشی کرتے ہین

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ابن اسحاق رجل تکتب عنه هذه الاحادیث یعنی المغازی ونحوها واذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما هکذا وقبض اصابع یدیه الاربع۔ (فتح المغیث صفحہ ۱۲۰)	ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہین کہ مغازی وغیرہ کی حدیثین ان سے روایت کی جاسکتی ہین، لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئین توہم کو ایسے لوگ درکار ہین، یہ کہہ کر انھون نے چار انگلیان بند کر کے دبالین،

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، اسی بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ "حلال و حرام مین ان کی شہادت معتبر نہین، لیکن مغازی مین ان کا اعتبار ہے" یہ وہی اصول ہو کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اُسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے، اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے، لیکن واقعہ کی اہمیت، احکام فقہیہ کیساتھ مخصوص نہین، نوعیتِ واقعہ کی اہمیت کا خیال، فقہاے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا پر ان کا مذہب ہو کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ راوی

فقیہ اور مجتہد بھی ہے، یا نہیں امتیاز مین ہے،

والراوی ان عرف بالفقہ والتقدم	یعنی اگر تفقہ اور اجتہاد مین مشہور ہے جیسے کہ
فی الاجتھاد کالخلفاء الراشدین	خلفاے راشدینؓ یا عبادلہؓ تھے تو اس کی حدیث
والعبادلۃ کان حدیثہ حجۃ یترک	حجت ہو گی اور اس کے مقابلہ مین قیاس چھوڑ
بہ القیاس خلافا لمالک وان	دیا جائے گا، (بخلاف امام مالک) اور اگر راوی
عرف بالعدالۃ والضبط دون	ثقہ اور عادل ہو لیکن فقیہ نہیں جیسے کہ حضرت
الفقہ کانس وابی ھریرۃ ان وافق	انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ہین تو اگر وہ روایت
حدیثہ القیاس عمل بہ وان	قیاس کے موافق ہو گی تو اس پر عمل ہو گا ورنہ
خالفہ لم یترک الا بالضرورۃ،	قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا،

(نور الانوار ص ۱۷۷ و ۱۷۸)

حضرت ابو ہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابلِ بحث ہے کیونکہ اکثر علما کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے، لیکن یہ جزوی بحث ہے، گفتگو اصل مسئلہ مین ہے،

روایت میں قیاس کا کس قدر حصہ شامل ہے؟

۷۔ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابلِ بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس مین کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے، تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اُس کا قیاس ہے، واقعہ نہیں، اس کی بہت سی مثالین سیرت مین موجود ہین، یہان ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہین،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے

تھے، تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی مین آئے، یہان لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہین مین نے طلاق نہین دی،

یہ حدیث بخاری مین کئی جگہ بہ اختلافِ الفاظ مذکور ہے، کتاب النکاح مین جو روایت ہے اس کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وان الاخبار التی تشاع ولو کثرنا قلوها ان لم یکن مرجعها الی امر حسی من مشاهدة او سماع لا تستلزم الصدق فان جزم الانصاری فی روایته بوقوع التطلیق وکذا جزم الناس الذی رآهم عمر عند المنبر بذلک محمول علی انه شاع بینهم ذلک من شخص بناه علی التوهم الذی توهم من اعتزال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نساءه فظن لکونه لم تجر عادته بذلک انه طلقهن فاشاع انه طلقهن فشاع ذلک	جو خبرین شائع ہو جاتی ہین گو اُن کے راوی کثرت سے ہون لیکن اگر اُن خبرون کی بنیاد امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو ان کا سچا ہونا ضرور نہین، چنانچہ انصاری نے اور اُن صحابہؓ نے جن کو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس دیکھا تھا، طلاق کا جو یقین کرلیا وہ یون ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ نے ازواج مطہراتؓ سے علیحدگی اختیار کرلی ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہ تھی، اس لیے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی، اس نے یہ خبر پھیلا دی اور

ملہ صحیح مسلم باب فی الایلاء،

فتحدث الناس به واخلق بهذا الذی ابتداء باشاعة ذلك ان یکون من المنافقین کما تقدم (فتح الباری شرح بخاری)

ترجمہ [illegible]

ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس یہ ہے کہ اوّل جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا،

غور کرو مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ جمع ہین اور سب بیان کر رہے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طلاق دیدی، صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہین، اور اُن کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہین بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اوّل منافقین مین سے ہوگا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتون مین مذکور ہین جن مین سے ایک واقعۂ افک ہی، ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے جو حافظ ابن حجر نے یہان ظاہر کیا یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیے ہون گے، پھر تمام مسلمانون مین پھیل گئے،

فن تاریخ پر خارجی اسباب کا اثر،

۸ - فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہین، ان مین سب سے بڑا اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانون کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہیگا کہ ان کا قلم تلوار سے نہین دبا، حدیثون کی تدوین بنوامیہ کے زمانہ مین ہوئی جنھون نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیاے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع مین آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ مین سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا، سیکڑون ہزارون حدیثین امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل مین بنوائین، عباسیون کے زمانہ مین ایک ایک

خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیان حدیثوں مین داخل ہوئین لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اُسی زمانہ مین محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتین ہین، آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اُسی مقام پر نظر آتے ہین جہان ان کو ہونا چاہئے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار مین قصیدہ پڑھا کہ امیرالمومنین! اگر تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا اسرے سے نہ پیدا ہوتا، دونون فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے" وہین سرِ دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیرالمومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیون کے مورثِ اعلیٰ ہین) وہان موجود تھا، اس کو کس نے پوچھا"؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی،

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہین رہ سکتا تھا، اس لئے مغازی مین اس کے نشانات پائے جاتے ہین، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارنامون کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم ونسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے، یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ اُن پر نگاہ نہین پڑتی تھی اسلام مین جب تالیف و تصنیف کی ابتداء ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا، جس طرح سلاطین کی تاریخین جنگنامہ و شاہنامہ کے نام سے لکھی جاتی ہین، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً

سیرتِ موسیٰ بن عقبہ اور سیرتِ ابنِ اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین، ان کتابون کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح، سنین کو عنوان بناتے ہین، اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہین، یہ حالات تمامتر جنگی معرکے ہوتے ہین، اور غزوات ہی کے عنوان سے داستانین شروع کی جاتی ہین،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لئے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لئے تو ناموزون ہے، پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہین، اس خاص حالت مین وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ مین نظر آتا ہے، لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہین ہے، پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال، تقدس، نزاہت، حلم وکرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جبکہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے اثر رف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے، کہ سکندر نہین بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے،

یہی وجہ ہے کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابون مین سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے، تمام اربابِ سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ ان کے نخلستان کاٹ ڈالے جائین (قرآن مجید مین بھی اس کا اجمالی ذکر ہے) اربابِ سیر یہ بھی لکھتے ہین، کہ یہودیون نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ "یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے" لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کرکے اس کا جواب نہین دیتے۔ اور یونہی گذر جاتے ہین،

قیاس و درایت

۹- نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل، یا مسلّمات، یا دیگر قرائنِ صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں، کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہو؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو، اس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں، لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیان روایت لکھتے ہین کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا انکار کر دے گا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہی،

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہی، عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہون اور سلسلہ روایت کہین سے منقطع نہ ہو وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا،

(۱) تلک الغرانیق العُلیٰ کی حدیث کو، جس مین بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیئے، جن مین بتون کی تعریف ہو، بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار کہا تھا، اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی،

لَوۡ وَقَعَ لَارۡتَدَّ کَثِیۡرٌ مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَلَمۡ یُنۡقَلۡ ذٰلِكَ،	اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے، حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں،

حافظ ابن حجر فتح الباری مین اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہین،

وجمیع ذلک لا یتمشی علی القواعد فان الطرق اذا کثرت وتباینت مخارجہا دل ذلک علی ان لہا اصلاً[۱]

یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے[۱] اس لئے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور اُن کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہو کہ روایت کی کچھ اصل ہی،

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا کہ "اس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے، اس لئے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں۔" علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کرکے لکھتے ہیں،

فلیس بشیء اذ الحدیث صحیح ثابت و لیس فیہ نسبۃ محض الکذب الی الخلیل وکیف السبیل الی تخطیۃ الراوی مع قولہ انی سقیم و بل فعلہ کبیرہم ہذا وعن سارۃ اختی اذ ظاہر ہذہ الثلاثۃ بلا ریب غیر مراد۔[۲]

امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے، اس لئے کہ حدیث ثابت ہے، اور اس میں محض کذب کی نسبت حضرت خلیلؑ کی طرف نہیں ہے، اور راوی کا تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول موجود ہو، انی سقیم اور بل فعلہ کبیرہم ہذا اور سارۃ اختی، کیونکہ ان تینوں جملوں میں ظاہر لفظ قطعاً مراد نہیں،

اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو

---

۱ فتح الباری، جلد ۸- صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ مصر ۲ قسطلانی، جلد ۵ صفحہ ۳۸۹۔

مثالین نقل کین،

صحابہ مین دوگرد

ان کے مقابلہ مین ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائنِ حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا ہے، اور یہ طریقہ خود صحابہ کرام کے عہد مین شروع ہو گیا تھا، اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ راے عام خیال کے خلاف ہے. اس لئے ہم اس کی متعدد مثالین نقل کرتے ہین،

(۱) حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوئے اُس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے": حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اُس کی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو کرین" حضرت ابوہریرہؓ نے کہا بھتیجے جب تم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتین نہ کہا کرو[۱]"

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کئے گئے، حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے، اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے، کہ

واللہ ما قضی بھذا علیؓ الا ان یکون ضل.	خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لئے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم مین یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک کتاب لائے، جس مین حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ

[۱] ابن ماجہ و ترمذی حدیث الوضوء مما مست النار،

نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹا دی[1]؛ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف اُن فیصلون کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہین ہو سکتے اس بات کی ضرورت نہین سمجھی کہ رُواۃ اور سند کا پتہ لگائین،

(۳) صحیح بخاری (باب صلوۃ النوافل جماعۃ) مین ہے کہ محمود بن ربیعؓ نے ایک جلسہ مین یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ "جو شخص خاصًا خدا کے لئے لا الٰہ الا اللہ کہیگا، خدا اس پر آگ حرام کر دے گا"، اس جلسہ مین حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے، جن کے مکان مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۶ مہینے تک قیام فرمایا تھا حضرت ابو ایوبؓ نے یہ حدیث سُن کر کہا،

واللہ ما اظنّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال ما قُلت قط ،	خدا کی قسم مین کبھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا،

محمود بن الربیعؓ صحابی تھے اور حضرت ابو ایوبؓ کو اُن کے ثقہ ہونے مین کلام نہ تھا تاہم چونکہ یہ حدیث اُن کے نزدیک قراٰن کے خلاف تھی، حضرت ابو ایوبؓ اس پر یقین نہ لا سکے، اور کہا کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا نہ فرمایا ہوگا" اگرچہ صحیح بخاری مین ہے کہ محمود بن الربیعؓ نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی، لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہین پڑتا۔ حضرت ابو ایوبؓ کو جن

[1] نووی شرح صحیح مسلم مین لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب، طومار کی شکل مین لکھی تھی (جس طرح اگلے زمانہ مین خطوط کو لمبان مین جوڑ کر جمع کرتے تھے اور لپیٹ کر رکھتے تھے)

اسباب کی بنا پر محمود بن الربیع کی روایت مین شبہہ پیدا ہوا، عتبانؓ پر بھی وہی شبہہ پیدا ہوسکتا تھا، حضرت ابوایوبؓ خدانخواستہ، محمودؓ کو غلط گو نہین سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے کہ انھون نے روایت کے مفہوم سمجھنے مین غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہوسکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہؓ سے کہا تھا کہ "تم لوگ سچے لوگون سے روایت کرتے ہو، لیکن سامعہ غلطی کرجاتا ہے"۔

(۴) حضرت عمار بن یاسرؓ نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ کو یقین نہین آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم مین ہے، یہ الفاظ کہے اتق اللہ یا عمار، یعنی اے عمار، خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے، حضرت ابوموسیٰؓ نے اس روایت سے استدلال کیا، تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہان، لیکن عمرؓ کو، عمارؓ کی روایت سے تسکین نہین ہوئی[۲]،

(۵) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگون کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو انھون نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل) اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ نہین اٹھائیگا،

(۶) اسی طرح جب اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ مین جو کہتا ہون یہ سنتے ہین، حضرت عائشہؓ نے فرمایا

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الجنائز، [۲] صحیح بخاری، باب التیمم،

کہ ابن عمرؓ نے غلطی کی[1]، اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے، جو مشہور صحابی ہین، لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ اُن کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی،

اکثر محدثین نے ان مباحث مین ثابت کیا ہے، کہ روایت صحیح ہے اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انھون نے روایت سے انکار کیا، صحیح نہین، ہم کو اس سے بحث نہین، اس موقع پر صرف یہ بحث ہے کہ اکابر صحابہؓ مین ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہین کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دیدی جائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہی یا نہین، فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھین جن کو اُن کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، ان کا بیان ہی کہ وہ انحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئین تو آپ نے اُن کو نفقہ اور مکان نہین دلوایا، انھون نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور انحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہین سکتے جس کی نسبت ہم کو معلوم نہین کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس مین فاطمہؓ کی روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریان مارین، کہ تم ایسی حدیث بیان

[1] صحیح مسلم، کتاب الجنائز مین یہ روایتین متعدد طریقون سے مذکور ہین،

کرتے ہو! پھر حضرت عمرؓ کا مذکورۂ بالا قول نقل کیا[1]،

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین مین ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے مین تامل کرتا تھا اگو اُن کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا، اور وفات پائی، وہ شہید ہوا۔ حافظ ابن القیم زاد المعاد مین، اس حدیث کو دلائلِ عقلی سے باطل ثابت کرکے لکھتے ہین:-

فلو کان اسنادُ ھذا الحدیث	اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی
کالشمسِ کان غلطًا ووھمًا[2]	تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی،

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب الفئ مین روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ

اقضِ بینی وبین ھذا الکاذب الآثم	میرے اور اس جھوٹے، مجرم، دھوکہ باز، خائن
الغادرِ الخائن.	کے درمیان فیصلہ کیجیے،

چونکہ حضرت علیؓ کی شان مین یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہین نکل سکتے، اس لئے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے[3]، علامہ مازری، اس حدیث کی نسبت لکھتے ہین

اذا انسدّت طرق تاویلھا نسبنا	جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک
الکذبَ الی رواتھا[4]،	جائین گے تو ہم راویون کو جھوٹا کہین گے،

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق [2] زاد المعاد (جزو ثانی) مطبوعۂ کانپور صفحہ ۵۰ [3] نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور [4] نووی شرح مسلم، کتاب الجہاد، باب الفئ،

(۳) بخاری مین روایت ہو کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو اُن کا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اس کی شرح مین لکھتے ہین،

ویشکل علی ھذا ما یوجد الآن من	اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قومون
آثار الامم السالفة کدیار ثمود،	کے جو آثار اس وقت موجود ہین، مثلاً قوم ثمود
فان مساکنھم تدل علی ان قاماتھم	کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ انکے
لم تکن مفرطة الطول علی حسبما	قد اس قدر بڑے نہ تھے، جیسا کہ ترتیب سابق
یقتضیه الترتیب السابق...	سے ثابت ہوتا ہے..... اور اس وقت
ولم یظھر الی الآن ما یزیل ھذا الاشکال	تک مجھ کو اس اشکال کا جواب نہین معلوم ہوا،

(۴) صحیح بخاری مین روایت ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام خدا سے کہین گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت مین مجھ کو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استشکل الاسماعیلی ھذا	اور اسمٰعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا
الحدیث من اصله وطعن فی صحته	ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے،

اسمٰعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے، لیکن اسمٰعیلی کا درجہ فن حدیث مین حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے، اس لئے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابل لحاظ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہی،

---

[۱] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ بدء الخلق [۲] فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۴۰۴ جلد ۸،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہو کہ مین نے زمانۂ جاہلیت مین ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندرون نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہین، اس بنا پر اس حدیث کی صحت مین تأمل کیا کہ جانور مکلّف نہین؛ اس لئے اُن کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا، نہ اس بنا پر اُن کو سزا دی جا سکتی، حافظ ابن حجر لکھتے ہین،

وقد استنکر ابن عبد البر قصة عمرو ابن میمون ھذہ وقال فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلّف واقامة الحد علی البھائم[1]،	ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس مین غیر مکلّف کی طرف، زنا کی نسبت ہے۔ اور جانورون پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے،

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہین ہو؛ اگر سند صحیح ہے تو غالباً یہ بندر جن رہے ہون گے"۔

(۶) صحیح بخاری مین حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک[2] دفعہ عبد اللہ بن اُبی کے طرفدارون اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہؓ مین جھگڑا ہو گیا، اس پر یہ آیت اُتری

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا، (حجرات - ۱)	اگر مسلمانون کے دو گروہ آپس مین لڑ جائین تو ان مین صلح کرا دو،

روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عبد اللہ بن اُبی اور اُس کا

[1] فتح الباری، مطبوعۂ مصر جلد، صفحہ ۱۲۲ [2] صحیح بخاری کتاب صلح، روایت مین جھگڑے کی تفصیل ہو، ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہو،

گروہ ظاہر مین بھی اسلام نہین لایا تھا، اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیتِ قرآنی، اس واقعہ کے متعلق نہین ہوسکتی اس لئے کہ آیت مین تصریح ہے کہ جب دونون گروہ مومن ہون، اور یہان عبداللہ بن اُبی کا گروہ علانیہ کافر تھا،

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیبًا ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے محدثین سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہین، یا نہین،

روایت بالمعنی

(۱۰) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے، یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے، بعینہٖ وہی ادا کرنے چاہئین، یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے، محدثین اس باب مین مختلف الرّاے ہین، اور اکثرون نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ مین اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت مین فرق نہین پیدا ہوتا، تو الفاظ کی پابندی ضرور نہین، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا، ایک اجتہادی بات ہے، اسی بنا پر بعض محدثین مثلاً عبدالملک بن عمیر، ابوزرعہ، سالم بن جعد، قتادۃ، امام مالک، ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے[۱] لیکن یہ ظاہر ہے کہ سیکڑون راویون مین صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے اور وہ بھی اُس زمانہ مین کہ تحریر کا رواج ہوچکا تھا، عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب

[۱] صحیح ترمذی کتاب العلل مین ان لوگون کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے،

کو اپنے الفاظ مین بیان کرتے تھے، جامع ترمذی، کتاب العلل مین سفیان ثوری کا قول نقل ہی

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی، انما هو المعنی. اگر مین تم سے یہ کہون کہ مین جو سنتا ہون بعینہ وہی ادا کر دیتا ہون تو تم میری بات نہ مانو مین صرف مطلب ادا کرتا ہون،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال، واثلہ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی حسن بصری، امام شعبی وغیرہ سے نقل کئے ہین

جو صحابہؓ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہو جاتی تھی.

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ مین عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ مین عبداللہ بن مسعود کی خدمت مین ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا ہین نے کبھی ان کو یہ کہتے نہین سنا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا" ایک دن اُن کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعۃً سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُن پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہین قمیص کی گھنڈیان کھلی ہین، آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے ہین، گلے کی رگین پھول گئی ہین، اور کہہ رہے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یون کہا، یا یون، یا اس سے کچھ زیادہ، یا اس سے کچھ کم، یا اس کے مشابہ"

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے اور کہتے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تھا، یا یون فرمایا تھا" امام شعبی کہتے ہین کہ

کہ "مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت مین سال بھر حاضر رہا لیکن مین نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہین دیکھا"۔ سائب بن یزید کہتے ہین کہ "مین نے سعد بن مالک کے ساتھ، مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا، لیکن اس تمام راہ مین انھون نے ایک حدیث بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت نہین کی" (حالانکہ وہ صحابی تھے)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا کہ مین نے آپ کو اور صحابہؓ کی طرح حدیث روایت کرتے نہین دیکھا، انھون نے کہا "مین جب سے اسلام لایا مین نے کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہین چھوڑا، لیکن مین نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیئے کہ اپنا گھر آگ مین بنائے"۔[1]

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

ایاکم وکثرۃ الحدیث عنی[2] — خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثین نہ روایت کرو!

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثون کے قبول کرنے مین جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہین، مستند ثقہ راویون کی دروغگوئی کا خیال نہین ہو سکتا، لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلبِ روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے مین غلطی کا ہو جانا ممکن ہے۔ اور ثقات کی روایت سے جب کسی

---

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچہ کتاب مین مذکور ہین، دیکھو صفحہ ۴ و ۵، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ،
[2] ابن ماجہ صفحہ ۵،

موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر انکار کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کے سامنے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی،

اِنَّ المَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ الْحَیِّ — مردون پر نوحہ کیا جائے تو اُن پر عذاب کیا جاتا ہے

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا،

انکم لتحدثون عن غیر کاذبین ولا مکذبین ولکنّ السمع یخطیٔ۔ — تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو، نہ تمہارے راوی جھوٹے ہین، لیکن کان غلطی کرجاتا ہے،

ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا،

اَمَا انّه لم یَکذِب ولکنه نَسِیَ او اَخْطَأ — ہان وہ جھوٹ نہین بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی،

روایت احاد

(۱۱) ایک اور بحث روایتِ احاد کی ہے، روایتِ احاد وہ ہے، جس کے سلسلۂ اسناد مین کہین صرف ایک راوی پر مدارِ روایت ہو، یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہ ہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہلِ فن کا اختلاف ہے، معتزلہ روایاتِ احاد کے تسلیم سے قطعًا منکر ہین، لیکن یہ درحقیقت انکار بداہت ہے، ہم روزمرہ واقعاتِ زندگی مین اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فورًا یقین کرلیتے ہین، ہم سے ایک شخص اگر کہتا ہے کہ "زید تم کو بلاتا ہے"! اور ہم فورًا اٹھکر چلے جاتے ہین، یہ نہین کہتے کہ یہ خبر احاد ہے اور ہم اسے تسلیم نہین کرتے معتزلہ کے مقابل مین اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہین، لیکن یہ درحقیقت تفریط ہے، خود صحابہؓ کا طرزِ عمل اس کے مخالف ہے،

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرؓ کی خدمت مین گئے، اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام مین مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہوکر ان کو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انھون نے کہا "مین نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد اجواب نہ ملے تو واپس جاؤ" حضرت عمرؓ نے کہا "اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ مین تم کو سزا دون گا" حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو غلط گو نہین جانتے تھے، لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہِ نبوت مین برسون رہے تھے، اور انھون نے یہ حدیث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہین سنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے، اس لئے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہین سمجھی،

حضرت ابو بکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابو بکرؓ نے کہا "قرآن مین دادی کی میراث مذکور نہین، اور نہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس باب مین کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے" مغیرہ بن شعبہ نے شہادت دی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان کی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہین سمجھی، اور جب ایک اور صحابی محمد ابن مسلمہ نے شہادت دی اتب حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کی تنہا شہادت کافی نہین سمجھی، اس قسم کی اور بیسیون مثالین ہین،

(اسی بنا پر روایتِ احاد کے متعلق فقہاے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہین، ان سے قطعیت نہین ثابت ہوتی ہے، اصل یہ ہو کہ روایات احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن وقطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد، خود اصل روایت کی اہمیت اور عدمِ اہمیت پر مبنی ہے، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہو کہ "زید نے تم کو بلایا ہے" تو راوی کی ثقاہت واعتبار کے مسلم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہین ہوتا، لیکن اگر یہی شخص یہ کہتا ہے کہ "تم کو بادشاہ نے آج دربار مین بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم مین پس وپیش کرتے ہین، اور اس کے ثبوت کے لئے دوسرون کی شہادت تلاش کرتے ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ آپ ایک بار سپید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے" تو ہم کو اس کی تسلیم مین عذر نہین، لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہی) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لئے کافی نہین سمجھین گے،

نتائج مباحثِ مذکورہ | گذشتہ صفحات مین ہم نے روایت حدیث کے متعلق صحابۂ کبارؓ کا جو طرزِ عمل پیش کیا ہے، اور علماے نقد حدیث کے جن قواعد واصول کی تفصیل کی ہو ذیل مین یہ ترتیب، نتائج کے طور پر ہم اُن کا اعادہ کرتے ہین،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید مین، پھر احادیث صحیحہ مین، پھر عام احادیث مین کرنی چاہیئے، اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے،

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہین، اور اُن کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے،

(۳) سیرت کی روایتین باعتبار پایۂ صحت، احادیث کی روایتون سے فروتر ہین، اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی،

(۴) بصورت اختلاف روایات احادیث، رُواۃ ارباب فقہ وہوش کی روایات کو دوسرون پر ترجیح ہوگی،

(۵) سیرت کے واقعات مین سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے،

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے،

(۷) روایت مین اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی راے وفہم کا کس قدر جز شامل ہے،

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

(۹) جو روایت عام وجوہ عقلی، مشاہدۂ عام، اصول مسلمہ اور قرائن حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی،

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اس کی تسلی کرلینی چاہیے کہ راوی سے اداے مفہوم مین تو غلطی نہین ہوئی ہے،

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ

سے قبول کرنا چاہیے،

ان اصول کے تقرر و تفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے کہ اسلامی فن روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علماے حدیث نے تصحیح روایات کیلئے کتنی محنت، کتنی جانفشانی کتنی دیدہ ریزی، اور کتنی دقت رسی صرف کی ہے، کیا اس اہتمام و اعتنا کا دنیا کی دیگر قومون کے سرمایۂ تاریخ و روایت مین ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبر اسلام مین سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی لائف کے لیے قلم اُٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد و اصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے[1]؟)

---

[1] زیادت، از صفحہ، تا ۹، "س"

—— ـ • ـ • ـ ——

یورپین تصنیفات

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرتِ مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہین، اُن پر پوری بحث تو کسی اور حصہ مین آئے گی جس مین نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ مین اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لے کر جو ۱۱۳۹ء مین موجود تھا، آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ اُن کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیان کیا ہین؟ اُن کے وسائلِ معلومات کس درجہ کے ہین؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہین؟ تعصب اور سوءِ ظن کا کہان تک اثر ہے؟ یہان ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہین، کیونکہ اس حصہ مین بھی ہم کو جابجا ان تصنیفات سے کام لینا، یا اُن سے تعرض کرنا پڑا ہے،

یورپ، ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہین جانتا تھا، جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات مین مبتلا رہا، ایک یورپین مصنف لکھتا ہے:-

"عیسائیت کا سلام کی چند ابتدائی صدیون تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی، لیکن جب قلبِ فرانس مین عرب پہلے پہل روکے گئے،

تو اُن قوموں نے جو اُن کے سامنے سے بھاگ رہی تھیں منہ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ

مویشیوں کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے[1]"

یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری

جس کی تصنیف کا عربی زبان مین ترجمہ ہو گیا ہے، یوں بیان کرتا ہے:-

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ مین رائج تھے،

ہم نہین سمجھتے کہ مسلمان اُن کو سُن کر کیا کہین گے؟ یہ تمام داستانین اور نظمین مسلمانون

کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہین جو غلطیان

اور بدگمانیان اسلام کے متعلق آج تک قائم ہین، اُن کا باعث وہی قدیم معلومات

ہین، ہر مسیحی شاعر مسلمانون کو مشرک اور بُت پرست سمجھتا تھا، اور حسب ترتیبِ

درجات اُن کے تین خدا تسلیم کئے جاتے تھے، ماہوم، یا ماہون، یا ماقومیڈ (یعنی محامڈ)

اور اپلین، اور تیسرا ترگامان، اُن کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد، دعوائے

اُلوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدؐ (وہ محمدؐ جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا)

لوگون کو اپنے طلائی بُت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا،

اسپین مین جب عیسائی مسلمانون پر غالب آئے، اور ان کو سرقوسطہ کی دیوارون

تک ہٹا دیا، تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتون کو انھون نے توڑ ڈالا، اس عہد تک کا

---

[1] محمد اینڈ محمدزم - از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے صفحہ ۶۳ (Bosworth Smith)

(Mohammed & Mohammedanism P. 63)

شاعر کہتا ہے:" اپلین مسلمانون کا دیوتا وہان ایک غار مین تھا۔ اُس پر وہ پل پڑے اور اس کو نہایت سخت سُست کہا اور اُس کو گالیان دین اور اُس کے دونون ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پانون سے روندا اور لاٹھیون سے مار مار کر اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو اُن کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے مین ڈال دیا، اس کو سور اور کتون نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہین ہوئی، اس کے بعد ہی مسلمانون نے اپنے گناہون سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤن سے معافی مانگی، اور از سرِ نو تلف شدہ بتون کو بنایا، اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سرقوسطہ مین داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیون کو حکم دیدیا کہ تمام شہر کا چکر لگائین، وہ مسجدون مین گھس گئے اور لوہے کے ہتھوڑون سے ماہومیڈ اور تمام بتون کو توڑ ڈالا"

ایک دوسرا شاعر ریچر خدا سے دعا کرتا ہے کہ" وہ ماہوم کے بُت کے پجاریون کو شکست نصیب کرے" اس کے بعد وہ امرا کو جنگِ صلیبی کے لئے ان الفاظ مین آمادہ کرتا ہے،" اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرماگان کے بتون کو اوندھا کر دو، اور ان کو آگ مین ڈال دو، اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کرو"[1]

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے (کسی اور حصہ مین ہم اس کو مفصل لکھینگے)

سترھوین اور اٹھارہوین صدی | سترھوین صدی کے مسیحی وسطی یورپ کے عصرِ جدید کا مطلع

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰،

ہے، یورپ کی جدوجہد، سعی وکوشش اور حریت وآزادی کا دور، اسی عہد سے شروع ہوتا ہے

ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور مین پیدا ہوئی، وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے، جن کی کوشش

سے نادر الوجود عربی کتابین ترجمہ اور شائع ہوئین، عربی زبان کے مدارس، علمی وسیاسی

اغراض سے جا بجا ملک مین قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آ گیا کہ یورپ اسلام

کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا،

اس دور کی خصوصیت اوّل یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے

کسی قدر تاریخ اسلام وسیرت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم

کی گئی، گو موقع بموقع معلومات سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہین کیا گیا،

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اس کے

مذہبی اور سیاسی امور، الگ الگ ہو گئے، اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتین

الگ ہو گئین، عوام اور مذہبی اشخاص، اور محقق وغیر متعصب گروہ، اسلام کے متعلق ان

دونون جماعتون نے جو کوششین کین، وہ آج ہمارے سامنے ہین.

اس عہد مین عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو گیا تھا، اس سلسلہ مین سب

سے پہلے اربی نیوس (Erpenius) مارگولیوس (Margoliouth) ایڈورڈ پوکاک

(Pococke) اور ہانیجر (Hottinger) ذکر کے قابل ہین، لیکن یہ عجیب بات

ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی تاریخون کا ترجمہ کیا، وہ اکثر ان مسیحی

مصنفین کی تصنیفات تھین جو قرون ماضیہ مین اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی

سعید بن بطریق او تیکوس المتوفی ۹۳۹ء؁ جو اسکندریہ کا پٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء؁ جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا، اور ابو الفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء؁ مصنف تاریخ الدول،

ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے، ارپی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ، لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا، جو ابتداے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے، یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات مین نہایت کثرت سے آتے ہین

اخیر اٹھارہوین صدی

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی، اسلامی ممالک مین پھیلنی شروع ہو گئی، جس نے "اورنیٹلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی جنھون نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانون کی بنیادین ڈالین، ایشیاٹک سوسائٹیان قائم کین، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کئے، اورنیٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا،

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی مین ۱۷۷۸ء؁ مین ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی اس کی تقلید مین انگریزون نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء؁ مین جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء؁ مین بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء؁ مین فرانس نے مشرقی زندہ زبانون (عربی، فارسی، ترکی) کا دار العلوم قائم کیا، اور آخر کار ان مدارس، اور سوسائٹیون کی تقلید سے تمام ممالک یورپ مین اس قسم کی درسگاہین

اور انجمنین جاری ہو گئین، عام یونیورسٹیون مین عربی زبان کے پروفیسرون اور کتبخانون کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا،

مسلمانون کے ہان عربی زبان مین سیرت ومغازی کی جو کتابین محفوظ تھین وہ ایک ایک کرکے باستثناے چند، اٹھارہوین صدی کے اواخر سے لیکر انیسوین صدی کے اختتام تک یورپ مین چھپ گئین، اور ان مین اکثر کا یورپین زبانون مین ترجمہ ہو گیا، سب سے پہلے ریسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابو الفدا مع ترجمۂ لاطینی وحواشی پانچ جلدون مین شائع کی، ۱۸۰۹ء مین کیپٹن اے متھوس (A. N. Matthews) نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی مین ترجمہ شائع کیا، ۱۸۵۶ء مین وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ مین محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء مین ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی گوٹنگن (Gottingen) سے اشاعت کی، اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء مین ڈاکٹر ویل (G. Weil) نے ابن ہشام کا جرمنی مین ترجمہ کیا، ۱۸۶۱ء مین پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمۂ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن (Wellhausen) نے ۱۸۸۲ء مین واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمدؐ بہ مدینہ" برلن سے شائع کیا، ۱۸۸۳ء مین لیڈن سے ہاوتسما (Houtsma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدون مین چھپی، ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت مین طبری کی مشہور اور نادر الوجود

تاریخ بارتھ (J. Barth) اور نولدکی (Noldeke) وغیرہ نے شائع کی اور سب سے آخر مین مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات، جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبوی مین کوئی تصنیف نہین۔ تقریباً سنہ ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کرکے لیڈن سے شائع ہوتی رہی،

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت، ممالکِ اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات، مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزون نے یورپ مین مصنفینِ تاریخ اسلام اور سوانح نگارانِ پیغمبرِ عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کردیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ مین اعتراف کرتا ہے:۔

"محمدؐ کے سوانح نگارون کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس مین جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے۱"

ہم اس موقع پر صرف اُن تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہین جو بہ تخصیص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات مین، یا اسلام کے اصول عقائد پر لکھی گئین، اور جن مین سے اکثر ہمارے دفترِ تصنیف مین موجود ہین، یا ہم اُن سے متمتع ہو چکے ہین،

۱ مارگولیتھ، محمد، دیباچہ، صفحہ ۱،

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی بی، (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	سنہ ۱۰۱۵ء

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۲	ڈاکٹر وائیٹ پروفیسر واعظ اوکسفورڈ	انگلستان	بیمفٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام	اوائل سنہ ۱۸۰۰ء
۳	گاڈفری ہگنس ایم اے ایف ایس Godfrey Higgins	؍؍	اپالوجی	سنہ ۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر Muller	جرمن	اسلامزم	سنہ ۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی Garcin de Tassy	فرانس	اسلام و قرآن	سنہ ۱۸۳۲ء از سنہ ۱۸۲۱ تا
۶	اڈورڈ لین Edward Lane	انگلستان	انتخابات القرآن	سنہ ۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل Weil	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	سنہ ۱۸۴۳ و سنہ ۱۸۴۶
۸	کارلائل Carlyle	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	سنہ ۱۸۴۰ء
۹	کوسن ڈی پرسوال Caussin de perceval	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن ارونگ Irving	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر Springer	جرمن	سیرت محمد	سنہ ۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر Von Kremer	؍	ترجمہ و تحشیہ واقدی	سنہ ۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ۱۸۵۹ء
۱۴	ڈوزی Dozy	ہولینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین Delane		سیرت محمد	؍؍
۱۷	میور Muir	انگلستان	سیرت محمد	؍؍

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر Hilaire	فرانس	محمد و قرآن	۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی Noldeky	جرمن	مضامین قرآن و اسلام	۱۸۶۹ء
۲۰	دوشیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	"	محمد	۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس Julius Charles	فرانس	تاریخ بانی اسلام	۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپرری ریویو	انگلستان	محمد اور اسلام	۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ Bosworth Smith	"	"	"
۲۵	سیدیو Sedillot	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن wellhausen	جرمن	تبصرہ بر واقدی	۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کرابل؛ Krehl	جرمنی	سیرت محمد	۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر Goldziher	"	مطالعۂ اسلام	۱۸۹۰ء
۲۹	رینان Renan	فرانس	تاریخ مذاہب	۱۸۹۲ء
۳۰	ایچ. گریم Grimme	ہولینڈ	سیرت محمد	۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری Henri de Castri	فرانس	اسلام پر خیالات۔	۱۸۹۶ء
۳۲	ایف بوہل Buhl	ہولینڈ	سیرت محمد	۱۹۰۳ء
۳۳	واسٹن wallaston	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمد کے ساتھ	۱۹۰۵ء

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۳۴	مارگولیتھ margoliouth	انگلینڈ	محمد	۱۹۰۵ء
۳۵	کوئل Koelle	"	محمد اور اسلام	۱۸۹۴ء
۳۶	پرنس کاٹانی F Caetani	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمد و اسلام و سلاطین اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ Leonard	انگلینڈ	اسلام کا روحانی و اخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنفینِ یورپ تین قسمون مین منقسم کئے جاسکتے ہین،

۱- جو عربی زبان اور اصلی ماخذون سے واقف نہین، ان لوگون کا سرمایہ معلومات اورون کی تصنیفات اور تراجم ہین، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب مین ڈھال کر دکھائین تعجب ہوتا ہے کہ ان مین بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الراے اور انصاف پرست ہین کہ راکھ کے ڈھیر مین سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہین، لیکن قلیلٌ ماھم

۲- عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہین، لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہین، ان لوگون نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہین لکھی، لیکن ضمنی موقعون پر عربی دانی کے زعم مین اسلام یا شارع اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہین لکھ جاتے ہین، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے، اس کی وسعت معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ

اُس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے، لیکن اسی دیباچہ مین اسلامی امور کے متعلق ایسی باتین لکھ جاتا ہے، جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ یہ وہی محترم شخص ہو جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلو پیڈیا (جلد ۶) مین قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جابجا نہ صرف اس کے تعصب، بلکہ اس کی جہالت کے رازِ پنہان کی بھی پردہ دری کرتا ہے؛

۳- وہ مستشرقین جنھون نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہو مثلاً پامر صاحب یا مارگوتس صاحب، اُن سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے لیکن باوجود عربی دانی، کثرتِ مطالعہ تفحصِ کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ ع

دیکھتا سب کچھ ہون لیکن سوجھتا کچھ بھی نہین

مارگولیوس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ۶ ضخیم جلدون کا ایک ایک حرف پڑھا ہے، اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہین کہ ہمارے زمانہ مین کسی مسلمان کو بھی اس وصف مین اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہین ہو سکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحعمری پر جو کتاب لکھی ہے دنیا کی تاریخ، اُس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا، اور تاویل و تعصب کی مثال کے لئے پیش نہین کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہو تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس مین برائی کا کوئی پہلو پیدا نہین ہو سکتا، صرف اپنی طباعی کے زور سے بد منظر بنا دیتا ہو،

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہین، کئی سال مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل

رہے، لکھنؤ مین اگر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابۃ فی احوال الصحابہ، اوّل اوّل ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ مین چھپوائی، لیکن جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدون مین لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے،

یورپین مصنفون کی غلط کاریون کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے، لیکن بعض وجوہ اور بھی ہین جن کی بنا پر ہم اُن کو معذور رکھ سکتے ہین،

۱۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایۂ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابین ہین، مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ، اور یہ ظاہر ہو کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحعمری مرتب کرنا چاہیگا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہئے، لیکن واقعہ یہ ہو کہ سیرت کی تصنیفات مین سے ایک بھی نہین جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو، چنانچہ اسکی بحث اوپر گذر چکی مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روائتین زیادہ تر جن لوگون سے مروی ہین، مثلاً سیف، سدّی، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف، روایۃ ہین، اس لئے عام اور معمولی واقعات مین ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے، لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، ان کے لئے یہ سرمایہ بے کار ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہین، جو حدیث کی

لہ یہ کتاب جرمن زبان مین ہو، ہم جرمن نہین جانتے، لیکن اس کے اقوال اکثر اور مصنفین نے نقل کئے ہین، اور وہ ہماری نظر سے گذرے ہین،

کتابوں میں یہ روایات صحیح منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ایک آدہ کوئی ہے، (مثلاً مارگولیس) تو ماوّلاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے،

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیحِ شہادت اور ہمارے اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب، اس کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ اُس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود، قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے، یا نہیں؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائنِ موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہو اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کرلی جائے گی،

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ اسماے رجال کے دفترِ تحقیقات میں اُس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں، اگر نہیں، ہو تو اُن کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا، تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو، اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو، لیکن اس کی روایت قبول کرلی جائے گی

اس اختلافِ اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے، مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہین، جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیان باہم ملتی چلی جاتی ہین، واقعات مین کہین خلا نہین ہوتا، جو چیزین کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہین، سب موجود ہوتی ہین،

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتین اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہین، جو روایتین سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانون پر رہین، اُن مین اس قدر استقصاے جزئیات ممکن نہین، یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہین، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلوماتِ عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کر دیا جائے، لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے محدثین اس سے معذور ہین،

تاہم اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہین ثقات بھی غلطی کر سکتے ہین اور کرتے ہین، اس لئے ضرور ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کئے ہین، اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہین، اُن کی نہایت سختی کیساتھ پابندی کیجائے

یورپین تصنیفات کے اصولِ مشترکہ

یورپین مصنفین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیان کرتے ہین، یا اُن کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیان خود بخود ناظرین کے دل مین پیدا ہوتی ہین، حسب ذیل ہین،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینہ جاکر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے، تو وہ پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے، اور اس کے

جو لوازم ہین، یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی، خود بخود پیدا ہو جاتے ہین،

(۲) کثرتِ ازدواج، اور میل الی النساء،

(۳) مذہب کی اشاعت، جبر اور زور سے،

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت، اور اس پر عمل،

(۵) دنیا دارون کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر، ہماری کتاب کے ناظرین کو، تمام واقعات مین اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیے، کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار مین بھی ٹھیک اتر سکتے ہین، یا نہین ؟

اصول تصنیف اور ترتیب | ہم نے اس کتاب مین جو اصول اختیار کیے ہین اب ان کے بتانے کا وقت آگیا ہے،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور ہے، اُن کو سب پر مقدم رکھا ہے، یہ قطعاً ثابت ہو کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید مین ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہین جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے، لیکن لوگون نے آیاتِ قرآنی پر اچھی طرح نظر نہین ڈالی، اس لیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتین نظر انداز کر دی ہین، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ مین مذکور ہین، ان کے مقابلہ مین سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہین، اربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی

یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتب حدیث مین، ان موقعون پر ڈھونڈتے ہین، جہان عنوان اور مضمون کے لحاظ سے، اُس کو درج ہونا چاہئیے، اور جب ان کو ان موقعون پر کوئی روایت نہین ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتون کو لے لیتے ہین، لیکن کتب حدیث مین ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعون پر روایت مین آجاتے ہین، اس لئے اگر عام استقرا اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات مین خود صحاح ستہ کی روایتین مل جاتی ہین، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابون سے ڈھونڈ کر مہیا کیے، جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے،

(۳) روزمرہ اور عام واقعات مین ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتین کافی خیال کی ہین، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہین، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کدوکاوش کی ہے، اس خاص ضرورت کے لئے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد، اور طبری کے تمام رُواۃ کے نام الگ انتخاب کرلیے، جن کی تعداد سیکڑون سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابون سے اُن کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا، تاکہ جس سلسلۂ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہوجائے،

(۴) جن فروگذاشتون کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، جہان تک ممکن تھا، اُن کی اصلاح اور تلافی کی ہے،

کتاب کے حصے اس کتاب کے پانچ حصے ہین،

پہلے حصہ مین عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی ولادت سے لیکر وفات تک عام حالات اور واقعات و غزوات ہین، اسی حصہ کے دوسرے باب مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے، آل واولاد اور ازواج ومطہرات رض کے حالات بھی اسی باب مین ہین،

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے، نبوت کا فرض تعلیم عقائد، اوامر و نواہی اصلاح اعمال اور اخلاق ہے، اس بنا پر منصب نبوت کے کامون کی تفصیل اس حصہ مین کی گئی ہے، اس حصہ مین فرائض خمسہ اور تمام اوامر ونواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور اُن کے مصالح اور حِکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، اسی حصہ مین نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے، کہ عرب کے عقائد، اور اخلاق وعادات پہلے کیا تھے، اور ان مین کیا کیا اصلاحین عمل مین آئین، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لئے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر وہ تمام عالم کے لئے، اور ہر زمانہ کے لئے کافی ہوسکتا ہے،

تیسرے حصہ مین قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز، اور حقائق و اسرار سے بحث ہے،

چوتھے حصہ مین معجزات کی تفصیل ہے، قدیم سیرت کی کتابون مین معجزات کا الگ باب باندھتے ہین، لیکن آجکل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے، مثلاً معراج، یا تکثیر طعام وغیرہ اُن کو اُس سنہ کے واقعات مین لکھدیا ہے،

پانچوان حصہ خاص یوروپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایہ معلومات کیا ہے؟
تاریخی واقعات مین وہ کیونکر غلطیان کرتے ہین؟ مسائلِ اسلام کے سمجھنے مین اُن سے
کیا کیا غلطیان ہوئین؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام
پر جو نکتہ چینیان کی ہن اُن کے جوابات،

یہ ضرور نہین کہ یہ حصّے اسی ترتیب سے شائع ہون، بلکہ جس حصّہ کی تیاری کے سامان
فراہم ہو جائین گے اور مرتب ہو جائے گا، وہ شائع کر دیا جائے گا،

استناد اور حوالے | تاریخ اور روایت مین، حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے۔ اس لئے
اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دینے ضرور ہین،

(۱) صرف انہی کتابون کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گذری ہین،

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہین، ان کے متعلق صرف صحیح حدیثون یا مستند تاریخی
روایتون کا حوالہ دیا ہے، لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل مین
محدثانہ کدو کاوش نہین کی ہے،

(۳) مطبوعہ کتابون کے حوالہ مین مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابون کے متعلق
تصانیفِ سیرت کی فہرست جو اوپر گذر چکی ہے، اس مین بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال
مین کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

عرب

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائین ہین، اہل لغت کہتے ہین کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہین، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لئے انھون نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قومون کو عجم (ژولیدہ بیان) کہکر پکارا،

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل مین عربۃ تھا، قدیم اشعار مین عرب کے بجائے عربۃ آیا ہے،

ورجّت باحۃ العربات رجّا ترقرق فی مناکبھا الدّماءُ

وعربۃٌ ارض جدّ فی الشرّ اھلُھا کما جدّ فی شرب النقاح ظماءُ

وعربۃٌ ارض ما یحلّ حرامھا من الناس الا اللوذعیُّ الحُلاحِل

عربہ کے معنی سامی زبانون مین دشت اور صحرا کے ہین، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ عرب کے حدود اربعہ یہ ہین

مغرب - بحیرۂ قلزم،

مشرق - خلیج فارس اور بحرِ عمان،

جنوب - بحرِ ہند،

شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں، بعض مملکت حلب، اور فرات تک اُس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں،

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام اَلتِّیہ ہے، اکثر مصنّفینِ عرب و یورپ اس کو مصر مین شمار کرتے ہین لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے،

عرب کی پیمایش باقاعدہ اب تک نہین ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریبًا پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے،

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے، پہاڑون کا جال تمام ملک مین پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السّراۃ ہے، جو جنوب مین یمن سے شروع ہو کر شمال مین شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے، بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہین،

چاندی اور سونے کی کانین کثرت سے ہین، علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" مین ایک ایک کان کا نشان دیا ہے، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر اُن کا مالِ تجارت، چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی ہے[۱]،

قدیم تاریخ کے ماخذ | اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہین:

---

[۱] GOLD MINES OF MEDIAN

(۱) زمانۂ جاہلیہ کی بعض تصنیفات، جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ مین محفوظ تھین اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھین، اور جن کا ذکر علامۂ موصوف نے کتاب التیجان مین کیا ہے،

(۲) زبانی روایتین جو قدیم سے چلی آتی تھین، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا، یہان تک کہ آج اشعارِ جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومین معدوم ہو چکین مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتین محفوظ تھین کہ اُن کے ذریعہ سے مؤرخینِ اسلام، عرب کی تاریخ قدیم پر معتدبہ تصنیفات مرتب کر سکے، مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تبابعۂ یمن، اور دیگر سلاطینِ عرب پر متعدد کتابین لکھین، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ مین کیا ہے،

(۳) اشعارِ جاہلیت جن مین سے اکثر سلاطین اور اقوام، اور عماراتِ عرب کا ذکر ہے، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان مین کثرت سے موجود ہین، انہی قدیم ماخذون سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل" مرتب کی ہے، جس کا آٹھوان باب خاص سلاطینِ حمیر کے آثاماتِ قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات مثلاً مصنفینِ یونان نے ہیرو ڈوٹس (جو حضرت عیسیٰ سے چار سو برس قبل تھا) سے لیکر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہین، اور اُن کی آبادیون کے نام بھی بتائے ہین، رومن مورخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہی گو نہایت مختصر

---

[۱] اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعہ بیروت) مین ہے،

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات، جو قدمائے اسلام نے دریافت کئے تھے، اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کئے ہیں،

عرب کے اقوام و قبائل — مورخین عرب نے اقوام و قبائل عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے،

عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے،

عرب عاربہ بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا،

عرب مستعربہ بنو اسمٰعیل یعنی حضرت اسمٰعیل کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی،

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسمٰعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے، اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی، اس بنا پر در حقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں چونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے،

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں

لہ یہاں سے "عرب کی قدیم حکومتیں" تک زیادت ہے، س

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد، حمیر بھی اسی کی شاخ ہے، جو یمن کے فرمانروا تھے لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں،

(۱) **قبائل قضاعہ؛** عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان مین داخل کرتے ہین، اور ہم بھی یہان ان کی پیروی کرتے ہین ورنہ از روے تحقیق وہ بنو اسمٰعیل ہین، بہرحال ان کی حسب ذیل شاخین ہین:-

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب،

(۲) **کہلان،**

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ،

(۳) ازد، انصار اسی کی شاخ تھے،

اوس، خزرج، خزاعہ، غسان، دوس،

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسب ذیل ہین، قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانون پر منقسم ہین،

۱- خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تیم، ہون،

ان مین سے ہر ایک کے متعدد فروع ہین،

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول،
ہون	قارہ
باب	عدی، تیم، عکل، ثور،
تمیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، بنو کلیب

۲-قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن،

ان مین بعض کے فروع یہ ہین:

غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ،
اعصر	غنی، باہلہ،
ہوازن	سعد، نصر، جشیم، ثقیف، سلول، بنو عامر (عامر کی شاخین بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہین)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ،

بنو قحطان و آلِ اسمٰعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتین قائم کی تھین جن کے جستہ جستہ واقعات کہین کہین ملتے ہین)

عرب کی قدیم حکومتین کتبون اور دیگر مورخین کی تصریحون سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ

اسلام سے پہلے عرب مین پانچ متمدن سلطنتین گذرین،

(۱) معینی — معین مین مین ایک مقام کا نام ہے، جو کسی زمانہ مین سلطنت کا پایہ تخت تھا،

(۲) سبائی — یعنی قوم سبا،

(۳) حضرموتی — حضرموت، یمن کا مشہور مقام ہے،

(۴) قتبانی — قتبان، عدن مین ایک مقام ہے جو آجکل گمنام ہے

(۵) نابتی — حضرت اسمعیل کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے،

معینی سلطنت، جنوبی عربستان مین تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے کتبون سے تقریباً پچیس حکمرانون کا پتہ چلتا ہے، محققین یورپ مین اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتین ہمزمان تھین یا متقدم و متاخر، گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن ہولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہین ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونون ہمعصر ہین،

سبائی دور، جیسا کہ کتبون سے ثابت ہوتا ہے حضرت عیسیٰؑ سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا، اُس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہین، حضرت عیسیٰؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے، اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے، حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایۂ تخت بنا لیا،

قریباً ۱۱۵ قبل مسیح مین حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کر لیا، کتبون سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر مین چھبیس فرمان روا گذرے، حمیر کے بعض کتبون مین سنہ و سال بھی کندہ ہین ان کے عہدِ حکومت مین، رومی سلطنت نے عرب مین مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اے لیس گالس جس نے حضرت عیسیٰ سے ۱۰ برس قبل، عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اُس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا مین لے گئے اور ریگستان مین پہنچکر اس کا سارا لشکر تباہ ہو گیا،[۱]

حمیر نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا، اسی زمانہ کے قریب حبشیون نے عرب کے جنوب مین حکومت قائم کرنی شروع کی، اور ایک زمانہ مین حمیریون کو شکست دیکر اپنی مستقل حکومت قائم کر لی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آجکل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ ہین:

> مورحمان، مسیح، اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارامیس ذبی ان کا نائب الحکومۃ ہے؛

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتین، عرب مین اس قدر متواتر ہین کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہین کیا جا سکتا، اشعار مین بھی کثرت سے واقعات مذکور ہین، عربون کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کر لیے تھے، ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہین، اہلِ عرب کے نزدیک اسی

---

[۱] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اس آرٹکل سے ماخوذ ہے جو بی ذبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے؛ نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مؤلفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۴ سے تا ۲۶،

حمیری خاندان کا فرمان روا تھا، شاہ نامہ مین مذکور ہے، کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا، علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران مین (جو اب یورپ مین چھپ کر شائع ہو گئی ہے،) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران، حمیر کا بادشاہ تھا، اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے، علامۂ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی، اور فردوسی کے بیان کے موافق، سیاوش پر عاشق ہو گئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی، اور اس کا اصلی نام سُعدیٰ تھا، ایرانیون نے اپنے تلفظ مین اس کو سودابہ کر لیا تھا،

یورپ کی تحقیقاتِ حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے، پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے؛

"ولادتِ مسیح سے ہزار سال قبل، جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور جو اپنی بارشِ گرما کے باعث زراعت کے لئے نہایت موزون تھا، تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا، کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذباتِ مدح وستایش کو تحریک ہوتی ہے، اور اہلِ یونان و روم نے اس کو "دولتمند عرب" کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا....

توراۃ مین متعدد عبارتین ہین جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہین، چنانچہ ملکۂ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے، (۱۔ سلاطین ۱۰۔ آیت ۱)

قوم ثمود۔ جن کی عمارات سے ڈاوٹی اور یوٹنگ کی محنتون نے ہم کو روشناس کر دیا ہے، نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً

انھی سے حاصل کی ہے۔"

کتابت کا فن، جو سبائیون نے بہت ابتدائی زمانہ مین شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انھون نے عرب کے اکثر حصون مین ہر طرح کے کاروبار مین جاری کردیا یہانتک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اُس کو پھیلادیا۔[1]

نابتی حکومت، جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف، یا اُن کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ مین لکھتے ہین:-

"ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم مین نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا، بلکہ حجاز و نجد کے صحراہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہان، ایک طرف منافعِ تجارت سے بہرہ اندوز ہونے مین کمال رکھتے تھے، وہان دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطراتِ جنگ کے لئے بالکل مستعد رہتے تھے، فلسطین و شام مین اُن کی غارتگریون، اور خلیجِ عرب مین مصری جہازات پر اُن کی رہزنی نے بارہا تاجدارانِ مقدونیہ کو اُن کی دشمنی پر آمادہ کردیا لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انھین روک نہ سکی، اور روما کی اطاعت بھی انھون نے اسٹرابو کے زمانہ مین بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔"[2]

یہ قدیم سلطنتون کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتین برباد ہوچکی تھین، اُن کے بجائے

---

[1] مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸۔ یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ، تمہیدی آرٹکل نوشتہ پروفیسر نولڈکی صفحہ ۵۔ [2] تاریخی جغرافیہ عرب اندریورنڈ فارسٹر جلد اول از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸۔

یمن مین صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل، یا مقول کہتے تھے، عراق مین آل منذر
کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتین اسی سلسلہ
کی یادگار ہین. شام کے حدود مین غسانی خاندان فرمانروا تھا، جو قیصران روم کا ماتحت تھا،
اور جس کا اخیر فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی تھا،

تہذیب وتمدن | تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے
تھے، مانسیو لیبان[۱] فرنساوی نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے
پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ مین اوج کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصولِ ارتقا کے
رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب تمدن تک نہین پہنچ سکتی،
یہ ایک قیاسی استدلال ہے. تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض
حصے مثلاً یمن کسی زمانہ مین انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے. یورپ کے محققین آثار قدیمہ
جنھون نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے، اور پرانے کتبون کو پڑھا ہے، وہ یمن کی
قدیم تہذیب وتمدن کا اعتراف کرتے ہین،

صنعاء، اور **قلیس** کے ذکر مین، یاقوت حموی نے معجم مین قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا
ہے اور گو اس مین بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہین،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات، جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً حیرۃ جو آل نعمان
کا پایہ تخت تھا اور حوران جو خاندانِ غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب وتمدن سے خالی نہ تھے،
مورخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ مین اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہان کے

[۱] تمدن عرب

سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہین کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

عظیم الشان قلعون اور عمارتون کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہین، اس بات کی قطعی شہادت ہین کہ اس ملک مین کبھی اعلٰی درجہ کا تمدن موجود تھا۔ علامۂ ہمدانی نے اکلیل مین تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب[1] مین لکھتے ہین:

المشهور من محافد اليمن وقصورها	یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر
القديمة التي ذكرتها العرب في	اہل عرب نے اشعار اور امثال مین کیا ہے
الشعر والمثل..... كثيرة الذي	...... کثرت سے ہین، اور ان کے متعلق اشعار
فيها من الشعر بائن واسع وقد	کا ایک ذخیرہ ہے اکلیل کے آٹھوین باب
جمع ذلك كله الكتاب الثامن من	نے ان سب کو جمع کر دیا ہے،

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ مین اس موقع پر صرف اُن کے نام گنا دیتا ہون وہ یہ ہین:

"غمدان، تُلُفُم، ناعط، صِرواح، سلحین، ظفار، هکر، ضهر، شبام، غیمان، بَینون، رِیام، براقش، معین، رُوثان، اریاب، هند، هُنیدہ، عمران، بحیر"

ان مین سے غمدان، اور ناعط کا حال معجم البلدان مین تفصیل سے مذکور ہے اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتین نقل کی ہین جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکہ ہوتا ہے۔ سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس مین تعمیر ہوا، شبام کے حال مین لکھا ہے،

[1] مطبوعہ لیڈن ۱۸۸۴ء صفحہ ۲۰۲

لهم فیہ حصون عجیبۃ ھائلۃ   ان میں اُن کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہیں،

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا، تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات میں جاکر جو تحقیقات کی ہے اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے، انسائیکلوپیڈیا صاحب اپنے آرٹکل میں لکھتے ہیں[۱]:-

"جنوبی عربستان میں جہاں حضرت عیسیٰ سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا، قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں، اور ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے.... یمن اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے ہیں، اور اکثروں پر اب تک کتبے موجود ہیں.... صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں سے ایک قرار دیا ہے (دیگر قلعوں کے لئے دیکھو جنرل جرمن اورنیٹل سوسائٹی جلد، صفحہ ۲۰ سے آگے)

مارب جو قدیم سبائی دارالسلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے اور گلازر نے دیکھا ہے۔

مارب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہیں، اُن کو دیکھ کر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں، اُن کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے دو وہ طویل الذیل کتبے شائع کئے جن میں اُن کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے،

[۱] دیکھو انسائیکلوپیڈیا مضمون عرب۔

یمن مین بمقام حران ایک اور خندق ہے جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ ہے"

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات مین تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزون کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، اُن کے لئے خاص عربی زبان مین الفاظ نہین ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہین، سکہ کے لئے ایک لفظ بھی موجود نہین، درہم اور دینار دونون غیر زبان کے الفاظ ہین، درہم یونانی لفظ درخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی مین ڈرام ہو گیا ہے، چراغ معمولی چیز ہے، تاہم اس کے لئے عربی مین کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لے کر سراج کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح، یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے، کوزہ کے لئے کوئی لفظ نہین، کوزہ کو کوز کر لیا ہے، لوٹے کو ابریق کہتے ہین، جو آب ریز کا معرب ہے، تشت فارسی لفظ تھا اسی کو عربی مین طست کر لیا ہے، پیالہ کو کاس کہتے ہین وہی کاسہ فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی مین قرطق کہتے ہین، یہ بھی فارسی ہے پائجامہ کو سروال کہتے ہین، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے،

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزون کے لئے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لئے کہان سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ مین جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متأثر ہو کر کی تھی، اس لیے جو مقامات اُن ممالک سے دور تھے اُسی اصلی حالت پر رہ گئے

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت

کے سامان بہت کم تھے، مسئلۂ حجاب کے شانِ نزول مین بخاری وغیرہ مین مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھرون مین جاے ضرور نہ تھی، مستورات رفعِ حاجت کے لئے باہر جایا کرتی تھین، ترمذی باب الفقر مین ہے کہ اس وقت تک چھلنیان نہ تھین، بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہ جاتا تھا، وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتون کو گھرون مین چراغ نہین جلتے تھے، ابوداؤد مین ایک صحابی کی روایت ہی کہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مین تھا، لیکن مین نے آپ سے حشرات الارض[1] کا حرام ہونا نہین[2] سنا، اگرچہ اس حدیث کی شرح مین محدثین لکھتے ہین کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہین آتا کہ واقع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہین بیان کی، لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے تاریخ اور ادب مین بہ تصریح موجود ہی کہ عرب کھنکھورا گوہ گرگٹ سبھی ادنیٰ جانورون کا جھرا کھاتے تھے

عرب کے مذاہب

عرب مین اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضون کا خیال تھا کہ جو کچھ ہی زمانہ یا فطرت (قانونِ قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہین، ان ہی لوگون کی نسبت قرآن مجید مین ہی:

وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	اور یہ لوگ کہتے ہین کہ جو کچھ ہی یہی ہماری
نَمُوْتُ وَنَحْيٰ وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ	دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہین
(جاثیہ - ۳)	اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے،

بعض خدا کے قائل تھے، لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، ان کے مقابلہ مین قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے،

[1] حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہین۔
[2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ (۱۶۹) باب فی اکل حشرات الارض،

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ، (یٰسین - ٥) — کہدو کہ (ہڈیون کو) وہی دوبارہ زندہ کریگا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ،

بعض خدا، اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے، لیکن **نبوت** کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت مین ہے ۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان - ١) — اور کہتے ہین کہ یہ کیسا رسول ہو کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار مین چلتا پھرتا ہو،

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل) — کہتے ہین کہ خدا نے آدمی پیغمبر بنا کر بھیجا ہو؟

اُن کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہئے، جو حاجاتِ انسانی سے منزہ ہو،

لیکن عموماً لوگ بُت پرست تھے، وہ بتون کو خدا نہین سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہین[1]،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر - ١) — ہم ان بتون کو صرف اس لئے پوجتے ہین کہ ہم کو خدا سے قریب کردین،

قبیلۂ حمیر جو یمن مین رہتا تھا آفتاب پرست تھا، کنانہ، چاند کو پوجتے تھے، قبیلۂ بنی تمیم ادبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس شعریٰ کی، قبیلۂ اسد، عطارد کی، اور لخم و جذام، مشتری کی پرستش کرتے تھے،

[1] یہ تمام تفصیل "ملل ونحل شہرستانی، مذاہب عرب" کے ذکر مین ہو، [2] طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء صفحہ ۴۳،

مشہور بتون اور اُن کے پوجنے والون کے نام حسب ذیل ہین،

نامِ بُت	مقام	قبیلہ جو اُس بُت کو پوجتا تھا،
لات	طائف	ثقیف،
عُزّٰی	مکّۂ معظمہ	قریش وکنانہ،
منات	مدینۂ منورہ	اَوس، خزرج اور غسّان،
وَدّ	دومۃ الجندل	کلب،
سُواع		ہذیل،
یغوث		مذحج، اور بعض قبائل یمن،
یعوق		ہمدان،

سب سے بڑا بُت ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیون مین اس کی جے پکارتے تھے،

عرب مین بُت پرستی کا بانی ایک شخص عَمرو بن لُحَیّ تھا، اُس کا اصلی نام ربیعہ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلۂ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے، عَمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولّی تھے، عَمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکالدیا، اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر مین گیا، وہان کے لوگون کو بُت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیون پوجتے ہو انھون نے کہا یہ حاجت روا ہین، لڑائیون مین فتح دلاتے ہین، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہین، عَمرو نے چند بُت اُن سے لے لئے اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کئے،

یہ تفصیل ملل و نحل میں ہے، ۱۲

کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لئے تمام قبائل مین بُت پرستی کا رواج ہو گیا، ان مین سب سے قدیم بُت مناۃ تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے، تو احرام یہین اُتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے[1]۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) مین لکھا ہے کہ عرب مین بُت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھرون کو اٹھا لیتے تھے، اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد عرب، گو قریبًا سب کے سب بُت پرست تھے، لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہین گیا کہ اصلی خدا ایک برتر اور چیز ہے، اور وہی تمام عالم کا خالق ہے، اس خالقِ اکبر کو وہ "اللہ" کہتے تھے، قرآن مجید مین ہے،

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اور اگر ان لوگون (کافرون) سے پوچھو کہ آسمان
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	اور زمین کو کس نے پیدا کیا، اور چاند اور سورج
لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ؁	کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اٹھین گے
(سورۂ عنکبوت - ۶)	کہ اللہ، پھر کدھر بہکے جا رہے ہین،
فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ	پھر جب یہ کشتی مین سوار ہوتے ہین تو خدا ہی کو

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان، ذکرِ مناۃ مین ہے،

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ. فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ، (سورۂ عنکبوت - ۷)

خلوص کے ساتھ پکارنے ہیں اپھر جب خدا اُن کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں،

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اسکی تصدیق کرتی ہے، مذاہب واخلاق کی انسائیکلوپیڈیا میں مشہور مستشرق نولدکی کا جو قول نقل کیا ہے اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں :-

"اللہ" جو صفا کے کتبوں میں ھلة لکھا ہوا ہے، نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جز تھا مثلاً "زید اللٰھی".... نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صفا کے کتبات میں ملتا ہے متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے انبائی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے، اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودوں کے لئے استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ زمانۂ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لئے بطور علم کے مخصوص ہوگیا

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے، لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے، علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت

گو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ مین ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی
زبان مین انجیل کو پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے جنھون نے شام مین جا کر تعلیم پائی تھی
حمیر، بنو کنانہ، ابو حرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل یہودی تھے، مدینہ منورہ مین یہود نے
پورا غلبہ پا لیا تھا، اور توراۃ کی تعلیم کے لئے متعدد درسگاہین قائم تھین، جن کو بیت المدراس
کہتے تھے، حدیث کی کتابون مین اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے، قلعۂ خیبر کی تمام آبادی یہودی
تھی، امراء القیس کا ہمعصر مشہور شاعر سموئیل بن عادیا، جس کی وفاداری آج تک عرب
مین ضرب المثل ہے، یہودی تھا،

اہل کتاب کی روایتین مکہ معظمہ مین اس قدر رواج پا چکی تھین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس مین بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار
بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے، خود قرآن مجید مین ہے،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ، (نحل-۱۴)	اور ہم جانتے ہین کہ وہ یہ کہتے ہین کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے ،

قرآن مجید مین اس خیال کا ابطال بھی کر دیا ہے، جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئیگی،
قبیلۂ تمیم مجوسی تھا، زرارہ تمیمی نے، جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بنا پر اپنی بیٹی
سے شادی کر لی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی، اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا[۱]،

مذہب حنیفی | دین ابراہیمی کا اُمّ الاصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے
شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہان تک کہ خود خانۂ خدا مین بتون کی پرستش

[۱] معارف ابن قتیبہ

ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہین ہوسکتا تھا، عرب مین کہین کہین اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحب بصیرت تھے اُن کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا، کہ انسان عاقل، جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتون کے دل مین آیا، لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بُت کے سالانہ میلہ مین ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن حجش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے، ان لوگون کے دل مین دفعۃً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہین جو نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہی، یہ چارون قریش کے خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبداللہ ابن حجش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے، عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے،

زید، دین ابراہیمی کی تلاش مین شام گئے، وہان یہودی اور عیسائی پادریون سے ملے، لیکن کسی سے تسلی نہین ہوئی، اس لئے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "مین ابراہیم کا مذہب قبول کرتا ہون، صحیح بخاری مین (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ "مین نے زید کو اس حالت مین دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگون سے کہتے تھے "اے اہل قریش! تم مین سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہین ہے"

عرب مین لڑکیون کو زندہ دفن کردیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہین جس نے اس

[1] سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۱۱۲

رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اُس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اُسکی پرورش کرتے،

صحیح بخاری مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور اُن سے صحبت رہی تھی، ورقہ اور عبداللہ بن جحش، اور عثمان بت پرستی چھوڑکر عیسائی ہوگئے تھے۔

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا بت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہی کہ امیہ نے زمانۂ جاہلیت مین آسمانی کتابین پڑھی تھین، اور بت پرستی کو چھوڑکر دینِ ابراہیمی اختیار کر لیا تھا،

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہی، اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے تاہم اصلی کلام بھی اس مین پایا جاتا ہے، وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہ کا نانا تھا، امیہ کا ماموں زاد بھائی تھا، امیہ نے اس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پُر درد مرثیہ لکھا، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کر سکا،

شمائل مین ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے، انھون نے امیہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور" انھون نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ "اور" اخیر مین آپ نے فرمایا کہ "امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"

ابن ہشام نے بُت پرستی کی مخالفت کرنے والون مین انہی چار ون کا نام لکھا ہی لیکن اور تاریخی شہادتون سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب مین اور متعدد اہل نظر پیدا ہوگئے

تھے جنھون نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس ابن ساعدۃ الایادی ہے، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ایک شخص قیس بن نُشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہی، کہ جاہلیت کے زمانہ مین خدا پرست ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا،

یہ تحقیق نہین کہ دینِ ابراہیمی کو حنیفی کیون کہتے ہین، قرآن مجید مین یہ لفظ موجود ہی لیکن اس کے معنی مین اختلاف ہی مفسرین لکھتے ہین کہ چونکہ اس دین مین بت پرستی سے انحراف تھا، اس لئے اس کو حنیفی کہتے ہین، کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہین، عبرانی اور سُریانی زبان مین حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہین، ممکن ہے کہ بُت پرستون نے یہ لقب دیا ہو، اور موحدین نے فخریہ قبول کرلیا ہو،

یہ امر اکثر روایتون سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ مین متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، اور ملتِ ابراہیمی کی جستجو مین تھے، یہ اس لئے کہ مجدّدِ ملتِ ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا،

ان چند راہ طلب اور حقیقت جُو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہین کہ مذہبِ صحیح اور توحیدِ خالص کا رواج عام عرب مین اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیون ہنگامہ برپا ہوا؟

۱؎ یہ مارگولیوس کا بیان ہے،

کیا عرب مین ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی،

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب مین تمام مشہور مذاہب موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی، اور عقلی بلند پروازی کی معراج، الحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤن کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہون کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا، جو آدمیون سے کشتی لڑتا تھا۔[1]

بتون پر آدمیون کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت مین ملتی تھی، حقیقی بہنون سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قماربازی شراب خواری، زناکاری کا رواج عام تھا، بیحیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرأالقیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ مین اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزان کیا جاتا ہے،

لڑائیون مین لوگون کو زندہ جلا دینا، مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچون کو تہ تیغ کرنا، عموماً جائز تھا، عیسائیون کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام، تمام مذاہب مین سب سے زیادہ عیسائیت سے متأثر تھا، تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہئے! ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:-

"عیسائیون نے عرب کو پانسو برس، تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی خال خال عیسائی

---

[1] توراۃ، تکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ میں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

نظر آتے تھے، یعنی بنو حارث نجران مین، بنو حنیف یمامہ مین، اور کچھ بنی طے مین عیسائی تھے، باقی خیریت...... بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھئے تو اسکی سطح پر عیسائیون کی ضعیف کوششون کی کچھ خفیف سی موجین لہراتی نظر آتی تھین، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی، لیکن بت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا[1]۔

یہ حالت صرف **عرب** کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا مین یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اسکی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ مین آئے گی) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی مین ایک **آفتاب عالمتاب** کی حاجت نہ تھی؟

---

[1] میور صاحب کی لائف آف محمد جلد ۱) دیباچہ۔

سلسلۂ اسماعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مورخینِ عرب نے عرب کی تین قسمیں کی ہیں،

عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہو گئیں، مثلاً طسم و جدیس وغیرہ،

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں، مثلاً اہلِ یمن اور انصار (اور تیسرا سلسلۂ اسماعیلی)

حضرت اسمٰعیلؑ جب مکہ میں آباد ہوئے، تو حوالیِ مکہ میں بنو جرہم آباد تھے، حضرت اسمٰعیلؑ نے اس خاندان میں شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی وہ عربِ مستعربہ کہلاتی ہے، اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے،

پیغمبرِ اسلامؐ اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے، کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے خاندان سے ہیں، اور جو شریعت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عنایت ہوئی وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید میں ہے،

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (حج) یعنی تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب، اسی نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا (اور اس قرآن میں بھی)

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ مصر سے ان حقائق کے منکر ہیں، یعنی:

حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ عرب میں آئے، نہ انہوں نے کعبہ کی بنیاد ڈالی، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہیں،

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لیے یہ توقع مشکل

[illegible]

ہو کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کر سکین گے کہ استدلال کی بنیاد، یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے

جو واقعات مختلف فیہ ہین بہت ہین لیکن اُصولی امور صرف دو ہین جنمین دونون فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہین آتا، یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہون اس کے فرعی جزئیات بھی اُسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئین، اصولِ مذکورہ حسب ذیل ہین،

۱- حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ عرب مین آکر آباد ہوئے یا نہین ؟

۲- حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیلؑ کو ؟

حضرت اسماعیلؑ کہاں آباد ہوئے ؟

یہود مدعی ہین کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہین، اس بنا پر وہ قربانی گاہ کا موقع شام بتاتے ہین، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت اسحاقؑ نہین، بلکہ حضرت اسماعیلؑ تھے تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتین تسلیم کرنی پڑین گی، اور اس حالت مین تاریخ کی تمام کڑیان متصل ہو جائین گی،

توراۃ مین مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا، حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوے، حضرت اسمٰعیلؑ جب بڑے ہوے تو حضرت سارہؑ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ گستاخی کرتے ہین، حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہؑ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہین:

"تب ابراہیم نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہ

کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی، بیر سبع کے بیابان مین بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈالدیا، اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھی کیونکہ اس نے کہا مین لڑکے کا مرنا نہ دیکھون، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہان وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ مین اس کو ایک بڑی قوم بناؤن گا، پھر خدا نے اس کی آنکھین کھولین، اور اس نے پانی کا ایک کنوان دیکھا، اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا، اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا اور بیابان مین رہا کیا، اور تیرانداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان مین رہا، اور اسکی مان نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی۔" (توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے چنانچہ حضرت ہاجرہؑ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اٹھایا، عربی توراۃ مین صاف یہ الفاظ ہین

حضرت ابراہیمؑ نے مشک اور بچہ دونون کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا۔	واضعًا ایاها علی کتفها والولد

لیکن توراۃ مین یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی[1]، اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کا ختنہ کیا تو حضرت

[1] پیدائش باب ۱۶،

اسمٰعیلؑ کی عمر ۱۳ برس کی، اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے[1] برس کی تھی،[1]

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ، ختنہ کے بعد کا ہوگا

اس لئے اس وقت قطعاً اُن کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی، اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہین

ہوتا کہ ماں اُسے کندھے پر اٹھائے پھرے، اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی

عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو، اور ان کی والدہ کو اصلی مقام سکونت

سے کسی دور مقام پر لاکر آباد کرسکتے تھے،

توراۃ کی عبارتِ مذکورہ مین تصریح ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ فاران مین رہے اور تیراندازی

کرتے رہے، عیسائی کہتے ہین کہ فاران اُس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب مین واقع ہے

اس لئے حضرت اسمٰعیلؑ کا عرب مین آنا خلافِ واقعہ ہے،

جغرافیہ دانانِ عرب عموماً متفق ہین کہ فاران، حجاز کے پہاڑ کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان

مین صاف تصریح ہے، لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہین کرسکتے، اس کا فیصلہ

ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے، جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے

ہم اس کو قلم انداز کرتے ہین، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حد شمالی کسی زمانہ

مین کس حد تک وسیع تھی،

موسیو لیبان، تمدنِ عرب مین لکھتے ہین:-

"اس جزیرے کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہین ہے، یعنی یہ حد اس طرح

پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے، ایک خط

[1] پیدایش باب ۱۷-۲۴ و ۲۵

جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہان سے دمشق اور دمشق سے دریاے فرات تک،
اور دریاے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس مین ملا دیا جائے، پس اس خط
کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہین۔"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران مین محسوب ہونا خلاف قیاس نہین،
توراۃ[1] مین جہان حضرت اسمٰعیلؑ کی جاے سکونت کا بیان ہے، وہان یہ الفاظ ہین:-

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اُس راہ مین ہے جس سے سور کو جاتے
ہین بستے تھے۔

اس تحدید مین مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہوسکتا ہے، نصاری
کی مقدس کتابون مین جس قدر اعتنا ہے بنو اسرائیل کے ساتھ ہے، بنی اسمٰعیل کا ذکر محض ضمنی
طور پر آجاتا ہے، اور اس وجہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کا عرب مین آباد ہونا بہ تصریح نہین ملتا، لیکن
مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب مین آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا
عہد جدید مین جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہین، پولوس کا ایک خط گلتیون کے نام ہے اس
مین یہ عبارت ہے[2]:-

"ابراہیم کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے، دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم
کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی
ہے، اس لئے کہ یہ عورتین دو عہد ہین، ایک تو سینا پہاڑ سے جو جوا وہ نرے غلام جنتی
ہے، یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور اب کے یروشلم کا جواب ہے۔"

[1] سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸،
[2] باب ۴ آیت ۲۴،

اگرچہ معلوم نہین کہ اصلی عبارت کیا تھی، اُردو اور عربی دونون ترجمے نامصاف ہین، تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسیٰ کے سب سے بڑے جانشین ہین، حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہِ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہ عرب مین آباد نہ ہوئی ہوتین تو اُن کو عرب کا کوہِ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چل کر بکہ کے ذکر مین، یہ بحث زیادہ مؤید ہو جائیگی

ذبیح کون ہے؟ | توراۃ اگرچہ یہودیون کی عدم احتیاط، اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہو گئی ہے، اور خصوصًا پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس مین جو تصریحات اور تلمیحات تھین یہود کے دستِ تصرف نے ان کو بالکل برباد کر دیا ہے، تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہین، توراۃ مین گو تصریحًا حضرت اسحٰق کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاوی کلام مین اس بات کے قطعی دلائل موجود ہین کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے، امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

۱- شریعتِ سابقہ کے رو سے، قربانی صرف اُس جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو، اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھون کی قربانی کی تھی وہ پہلوٹے بچے تھے، خدا نے حضرت موسیٰ سے جہان راویون کے متعلق احکام ارشاد فرمائے وہان فرمایا ہے

لی کل بکر فی بنی اسرائیل	کیونکہ بنو اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر
من الناس والبھائم	پہلوٹا بچہ میرے لئے ہے (عدد ۸-۱۷)

۲- پہلوٹے بچہ کی فضیلت کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتی، توراۃ مین ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویان ہون ایک محبوبہ ہو، اور دوسری غیر مرغوبہ، تو فضیلت اُسی اولاد کو

ہوگی جو پہلوٹی ہو، گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو،

فانہ اوّل قدرتہ ولہٗ حقّ	کیونکہ وہ اُس کی پہلی قدرت ہی، اور اُسی کو
البکوریۃ (سفر تثنیہ اصحاح ۲۱، آیت ۱۵ و ۱۷)	اولاد اولین ہونے کا حق ہے،

۳- جو اولاد خدا کو نذر کردی جاتی تھی اُس کو باپ کا ترکہ نہین ملتا تھا، توراۃ مین ہے،

فی ذٰلک الوقت افرز الرب سبط	تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے
لاوی لیحملوا تابوت عہد الرب	مخصوص کرلیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اُٹھائے،
ولکی یقفوا امام الرب لیخدموہ	اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی
ویبارکوا باسمہٖ الی ھذا الیوم لاجل	خدمت کرین اور اس کے نام سے آج تک
ذٰلک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب	برکت لین، یہی وجہ ہی کہ لاویون کو اپنے
مع اخوتہ الرب ھو نصیبہٗ،	بھائیون کیساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہین ملا
(توراۃ، اصحاح ۱۰- آیت ۸ و ۹)	کیونکہ ان کا حصہ خدا ہے،

۴- جو شخص خدا کی نذر کردیا جاتا تھا، وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا، اور معبد کے پاس جاکر منڈاتا تھا جس طرح آج حج مین احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہین توراۃ مین ہے،

فہا انک تحملین وتلدین ابنًا	(توراۃ، قضاۃ، اصحاح ۱۳-۵)	اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی، اور اسکے
ولا یعلو موسی راسہ لان		سر پہ استرا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا
الصبی یکون نذیرًا للّٰہ،		کے لئے نذر کیا جائے گا،

۵- جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا، اس کے لئے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال

کرتے تھے، (توراۃ سفر عدد ۶-۱۶ و ۲۰ و سفر تکوین ۱۷ و تثنیہ ۱۰-۸)

۶- حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس مین قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے جو اکلوتا ہو، اور محبوب ہو (توراۃ، تکوین، اصحاح ۲۲- آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت مین قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا، ایک بات تھی یعنی دونون کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے؛

اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلان معبد مین قربانی چڑھا دو، تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اُس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لئے گھر سے الگ کر دیا جائے، لیکن یہ لفظ جب جانورون کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے، توراۃ مین خدا کی زبان سے مذکور ہے،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل	کیونکہ بنی اسرائیل مین آدمی اور جانور کا
من الناس والبهائم،	ہر پہلونٹا بچہ میرے لئے ہے،

اسی اصحاح مین تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ "خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل مین سے لاویون کو لو، اور اُن کو خدا کے سامنے پیش کرو، کہ خدا کے لئے خاص کر دیئے جائین اور یہ لوگ دو گایون کے سر پر ہاتھ رکھدین جو قربانی کیجائین۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب مین بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اُس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دین، حضرت ابراہیمؑ نے پہلے

اس خواب کو مبنی اور حقیقی سمجھا، اور اس لیے بعینہٖ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد مین ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا۔ اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لئے خاص کر دیا، اور جو شرطین قربانی کی تھین قائم رکھین،

بیانِ مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائلِ ذیل پیشِ نظر رکھنے چاہئین

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہے، اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہین، اور چونکہ قربانی کے لئے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اس لئے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم نہین ہو سکتا تھا؛

(۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ، اور اُن کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہین چڑھایا تھا

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے خاندان مین مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہین منڈاتے تھے، حج مین احرام کے زمانہ تک جو بال نہین منڈاتے، یہ اسی سنتِ اسماعیلی کی یادگار ہے،

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لئے ملتِ ابراہیمی مین استعمال کئے جاتے تھے، وہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے لئے استعمال کئے نہ کہ حضرت اسحاقؑ کے لئے، توراۃ مین ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا،

لَیتَ اسمٰعیل یعیش امامک — کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) انہی معنوں میں ہوا ہے[1]

(۵) حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی محبوب ترین اولاد تھے، توراۃ جو تمام تر حضرت اسحاقؑ کی یکطرفہ داستان ہے۔ اس میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے جو امتیازی خصائص بیان کئے ہیں۔ یہ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں[2]۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ دعوت ابراہیم ہیں، یعنی حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے[3] اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیلؑ رکھا، کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے، سمع اور ایل، "سمع" کے معنی "سننے" کے اور "ایل" کے معنی "خدا" کے ہیں[4]، یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا "سن لی" توراۃ میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ "اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی، حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے حضرت اسحاقؑ کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیلؑ کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس میں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو، اس لئے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ،

۶- حضرت اسحاقؑ کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا، توراۃ میں ہے،

"پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لئے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسحاق

---

[1] توراۃ تکوین ۱۷ - ۱۸ [2] تکوین اصحاح ۱۵ [3] تکوین اصحاح ۱۷، ۱۸ و ۲۱،

رکھیگا، اور مین ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کرون گا" (توراۃ تکوین اصحاح ۱۷ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ توراۃ مین مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے:

"خدا کہتا ہے کہ چونکہ تونے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہین رکھا، مین تجھ کو برکت دونگا اور تیری نسل کو آسمان کے ستارون اور ساحل بحر کی ریتا کی طرح پھیلاؤن گا" (توراۃ تکوین، اصحاح ۲۲- آیت ۱۵)

اب غور کرو کہ خدا نے جب حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہی کے وقت یہ کہدیا تھا کہ مین اس کی نسل قائم رکھون گا، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاقؑ کی اولاد نہین پیدا ہوئی تھی، ان کی قربانی کا حکم ہوتا لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہین، حضرت اسمٰعیلؑ اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے ان کی کثرت نسل کی بشارت نہین دی گئی، توراۃ مین تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا، اس لئے اس بیٹے کی کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا، یعنی یہ کثرت نسل، اسی قربانی کے صلہ مین تھی اس لئے ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہین، کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی تکثیر نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا، جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ مین نہ تھا،

مقام قربانی	۷- توراۃ مین قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے، وہ "مریا" ہے، یہودی کہتے ہین

لہ یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد، حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی (تکوین اصحاح ۲۵ آیت ۱۱)

کہ یہ وہ جگہ ہے جہان حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا، عیسائی کہتے ہین، یہ اس جگہ کا نام ہے جہان حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی،

لیکن یورپ کے محققون نے ان دونون دعوون کی تغلیط کی ہے، سر اسٹانلی لکھتے ہین:-

"حضرت ابراہیمؑ صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے، جہان اُن کو خدا نے حکم دیا تھا، لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہین ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے، نہ عیسائیون کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے، یہ قیاس تو یہودیون کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے، اور اس سے بھی بعید مسلمانون کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفات[1] ہے، غالبًا یہ مقام جریزیم کے پہاڑ پر ہے، اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے"

اس سے تو اتنا ثابت ہوا کہ موریا کے تعین یعنی یہودیون اور عیسائیون کے دعویٰ غلط ہین، باقی یہ امر کہ مسلمانون کا دعویٰ بھی غلط ہے، اس کی تحقیق آگے آتی ہے،

موریا کی تعیین مین جو اختلاف پیدا ہوا، اُس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا، یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے، یا وصفی معنی رکھتا ہے، بہت سے مترجمون نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا، اور اس لئے اس کا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخون مین بلوطات عالیہ اور بعض مین زمین بلند" اور بعض مین مقام الرویا کیا، لیکن زیادہ صائب الرائے لوگون نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اس لئے لفظ کا ترجمہ نہین کیا، بلکہ بحال خود رہنے دیا، لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی مُریا کا مورہ ہو گیا، خصوصًا اس وجہ سے کہ

---

[1] یہ غلط ہے، مسلمان عرفات کو نہین، بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہین،

عبرانی زبان مین دونون لفظون کا املا قریب ہی۔

مورہ کی نسبت توراۃ مین تصریح ہے کہ عرب مین واقع ہے، توراۃ مین ہے،

وکان جیش المدیانیین شمالیھم	اور مدیانیون[1] کی فوج شمال کی جانب
عند تل مورۃ فی الوادی۔	مورہ کی پہاڑی پر وادی مین تھی (مدیان
(قضاۃ - اصحاح - آیت[2])	عرب مین واقع ہے)

تمام واقعات اور قرائن کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا، کہ یہ لفظ مورہ نہین، بلکہ مروہ ہے جو مکہ معظمہ کی پہاڑی ہے، اور جہان اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے؛ عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین، تمام چیزین اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہین کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہین، تفصیل اس کی یہ ہے؛

حدیث مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مروہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیان اور گھاٹیان قربانی گاہ ہین"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین مروہ مین قربانی نہین ہوتی تھی، بلکہ منی مین ہوتی تھی، جو مکہ سے تین میل پر ہے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم نے یہین حضرت اسمعیل کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

---

[1] مدین عرب کی زمین ہی اور عرب کو اکثر مدیانیون کہتے ہین، اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے مین کے شمال تک ہی اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہین جو قطورا سے تھے (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۱۴) [2] موطا امام مالک۔

قرآن مجید مین ہے،

ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (حج - ۴) پھر قربانی کے جانور ان کی جگہ کعبہ ہے

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ، (مائدہ ۱۳) قربانی جو کہ کعبہ مین پہنچے

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل، اور اُس کے قریب ہے، ان آیتون سے ثابت ہوتا ہے

کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے منیٰ نہین، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود

کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی.

قربانی کی یادگار، یہودی حضرت اسحاقؑ کی اولاد ہین، اس لئے اگر حضرت اسحاقؑ ذبیح ہوئے ہوتے

تو اسکی کوئی یادگار ان کے ہان موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان

بلکہ تمام مسلمانون مین جو حضرت اسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد ہین قربانی کی تمام رسمین آج تک موجود ہین

اولاد اسمٰعیل مین قربانی کی تمام یادگارین موجود ہین، اور حج جو کہ ایک بڑا فریضہ

اسلام ہے، تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے، چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا، تو پکارا "اے ابراہیم!

حضرت ابراہیمؑ نے کہا "مین حاضر ہون" [۱]

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہین، یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہین،

جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے "مین حاضر ہون" [۲]

۲- شریعت ابراہیمی مین دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لئے

[۱] توراۃ تکوین - اصحاح ۲۲ - آیت ۱ - [۲] توراۃ لاوین اصحاح ۸ - آیت ۲۷ -

نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربانی گاہ کے پھیرے کرتا تھا،

حج مین صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہین۔ یہ اسی کی یادگار ہے،

۳ - نذر کے فرائض مین ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہین کترواتے تھے، حج مین بھی یہی دستور ہے، جب احرام اتارتے ہین تب بال کترواتے یا منڈاتے ہین، خود قرآن مجید مین اس شعار کا ذکر ہے،

مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ، (فتح - ۴) سرون کو منڈائے ہوے،

۴ - حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے، یہ وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے، اسی بنا پر قرآن مجید مین فرمایا ہے،

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ، (صافات - ۳) اور حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی،

یہ دلائل توراۃ کی تصریحات وکنایات کی بنا پر تھے، قرآن مجید کے رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہود یون ہی کی روایت کی تائید کی ہے، قرآن مجید مین قربانی کا واقعہ ان الفاظ مین مذکور ہے،

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ اور حضرت ابراہیم نے کہا مین اپنے خدا کی طرف

سَيَهْدِيْنِ، رَبِّ هَبْ لِیْ جاؤنگا وہ مجھ کو راستہ دکھائیگا، خدایا مجھ کو وہ اولاد

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَبَشَّرْنٰهُ دے کہ جو نیک چلن ہو، تو ہم نے اس کو ایک

بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ، فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ	اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹے!
اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى	میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح
الخ (صافات - ۳)	کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے، الخ

آیت بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لئے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی، اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا، وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں، اور اسی لئے اُن کا نام اسمٰعیلؑ رکھا گیا، کہ خدا نے اُن کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی درخواست سُنی، اس بنا پر اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں اسحاق نہیں، قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاقؑ کی ولادت کا ذکر ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ حضرت اسحاقؑ نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا، یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید میں ہے

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ	تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اُسی نے
الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ (حج - ۱۰)	پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس قصہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے، یعنی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کرنا چاہا، اور اُن سے کہا کہ مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ تو حضرت اسمٰعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے، اس موقع پر خدا نے

لہ ابھی صفحہ ۱۶۲ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ بعض مفسرین نے قرب لفظ کی وجہ کوئی ... حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہو تا ہے

"اسلما" کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے، اور جس کے معنی "تسلیم" اور "حوالہ کردینے" کے ہیں

فَلَمَّا اَسْلَمَا، (صافات-۳) پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالہ کر دیا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم ورضا ہے، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا، اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعارِ مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مُسلم رکھا۔

قربانی، ایثار، اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحاقؑ قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا اُن کی اُمت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت اُس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے، جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھایا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفینِ اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے،

اکابر صوفیہ[1] نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں، دو قسم

---

[1] اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہو، مصنف نے جیسا کہ لکھا ہو کہ رویا دو قسم کے ہوتے ہیں ایک عینی جس میں صورتِ واقعہ بعینہٖ دکھائی جاتی ہے، اور دوسری تمثیلی جس میں صورتِ واقعہ کسی تمثیلی

کے ہوتے ہین، یعنی اور تمثیلی، یعنی مین بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب مین نظر آتی ہے، تمثیلی مین تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ مین کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اُس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لئے نذر چڑھا دین، یعنی وہ کسی اور شغل مین مصروف نہ ہون، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دیئے جائین، توراۃ مین جابجا قربانی کا لفظ ان معنون مین آیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) صورت مین ظاہر ہوتی ہے، اس کو بہت سے علما نے تسلیم کیا ہے اور بیان کیا ہے، خواب کی اس دوسری قسم مین اصلی مقصود رویا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے مان باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیون کو ستارون کی شکل مین دیکھنا، یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی وبا کو ایک بڑھیا کی شکل مین دیکھنا، اور اُحد مین مسلمان شہدا کو مذبوح گایوں کے رنگ مین دیکھنا،

محدث خطابی معالم السنن مین لکھتے ہین،

وبعض الرؤیا مثل یضرب لیتأول علی الوجہ الذی یجب ان یصرف الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرؤیا لایحتاج الی ذلک بل یاتی کالشاھدۃ،

(فتح الباری جلد ۱۲، صفحہ ۳۰۴)

بعض خواب تمثیل ہوتے ہین جنکو اس مثالی صورت مین اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اسکی تعبیر کی جائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہین ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بنکر سامنے آتے ہین،

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن مین اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رویا کے ضمن مین یون فرماتے ہین، کہ بعض رویا نام کی طرح ہوتے ہین، (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہین) اور بعض مثل کنیتون کے طرح ہوتے ہین، یعنی کسی مناسبت معنوی کے سبب سے وہ کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت مین دکھائے جاتے ہین، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا، (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ مصر)

مصنف سیرت نے اس مقام پر ان ہی بعض علما کی تقلید کرکے حضرت ابراہیم ؑ کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے، اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو جو تمثیلی تھا اپنے

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا، اور بعینہٖ اُس کی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاءؑ سے ہوسکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی، بلکہ خدا اس پر متنبہ کردیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السّلام اس فعل سے روک دیئے گئے، لیکن خدا نے اُن کی حسنِ نیت کی قدر کی اور فرمایا،

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ، (صافات۔۳) — تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) خطائے اجتہادی سے عینی وحقیقی سمجھے، اور اس کی بعینہٖ تعمیل پر آمادہ ہوگئے، لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے ان کی اس اجتہادی خطا پر متنبہ کردیا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی بعینہٖ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی،

بعض اہل جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے اِبا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطائے اجتہادی سے نہیں بلکہ غلبۂ شوقِ اطاعت ومحبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہٖ وبلفظہٖ کرنے پر آمادہ ہوگئے، تاکہ اس ابتلا میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید وتولیت کعبہ کے لئے وقف کردینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں، تا آنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو خود اپنے لفظوں میں واضح فرمادے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی،

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا — ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا،

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ، (صافات۳) — ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں،

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ، (صافات) — اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کی عوض میں دیا،

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ میں واجب ٹھہرائی گئی، یعنی جسمانی اطاعت وقربانی کی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل میں،

یہ تشریح ان بعض علماء کی متابعت میں ہے جو بعض دینی وعلمی اسباب کی بنا پر اس کو رویائے تمثیلی سمجھتے ہیں

بہر حال یہان اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمتِ کعبہ کے لئے نذر چڑھانا تھا، نذر چڑھانے کے لیے شریعتِ سابقہ مین جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا، توراۃ مین یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کے حق مین خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظون مین تھی،

لیت اسمٰعیل یعیش امامک (توراۃ تکوین اصحاح ۱۷ آیت ۱۸) کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا،

اسی خواہش کے مطابق اُن کو خواب مین تمثیلی پیرایہ مین حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کرین، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب مین حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۷) ورنہ جمہور علماء اس رویا کو عینی ہی سمجھتے ہین، لیکن عین اُس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر عمل کر کے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کرکے اپنے کام کو پورا کر چکے تھے اور تعمیل حکم مین ایک لمحہ کی بھی دیر نہین رہی تھی کہ وحی الٰہی نے آواز دی "اے ابراہیم تم نے اپنا کام پورا کر دیا، اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا، اب اس کی ضرورت نہین رہی، اب اس کی جگہ ملت ابراہیم کی یہ سنت عظیم جانور کی قربانی کی شکل مین ظاہر ہوگی"

ظاہر ہے کہ بہر صورت یہ جانور کی قربانی جیسا کہ بعض ائمۂ محققین نے لکھا ہے نفس کی قربانی کی تمثیل ہے، اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید مین قربانی کنندہ کے لئے برکت، احباب کے لئے تحفہ اور فقراء کے لئے سامان دعوت بنا،

مزید تفصیل کے لئے معارف ذیحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون "ذبح عظیم" اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہون، "س"

مکہ معظمہ

حضرت اسمٰعیلؑ کی بحث مسکن مین گذر چکا کہ وہ عرب تھا، مقام ذبح کی تعیین مین یہ ثابت ہو چکا کہ وادی مکہ تھا، اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے،

متعصب عیسائی مورخ لکھتے ہین کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانون کا خاص دعویٰ ہے قدیم تاریخون مین اس کا نشان نہین ملتا، اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین،

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے، **قرآن مجید** مین یہی نام ہے،

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ — پہلا متبرک گھر جو آدمیون کے لئے بنایا گیا،

لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا، (آل عمران - ۱۰) — وہ بکہ مین تھا،

کتاب زبور - ۸۴ - ۶ مین ہے،

"بکہ کی وادی مین گذرتے ہوے، اُسے ایک کنوان بناتے، برکتون سے مورہ[1] کو

---

[1] مرگیولوس اپنی کتاب مین لکھتا ہو" اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانون نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی"۔ مرگیولوس نے اس کے ثبوت مین اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے، اور ہم کو بھی اسکی صحت سے انکار نہین، لیکن اس کل بیان مین مغالطہ ہے جس کو ہم نے اصل کتاب مین ظاہر کر دیا ہے،

ذعا تک یتے، قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہین ؛؛

اس عبارت مین بکہ کا جو لفظ ہی یہ وہی مکہ معظمہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجاے مشتق قرار دین، تو اس کے معنی "رونے" کے ہون گے، اور یہ وہی عربی لفظ بکاء ہی؛ چونکہ یہود ونصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے، اس لئے بہت سے مترجمین نے عبارتِ مذکور مین بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے، لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت مین وادیِ بکا کے کیا معنی ہونگے؟ زبور کی عبارتِ مذکورہ کی اوپر کی آیتون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید مین حضرت داؤدؑ نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربان گاہِ اسمٰعیل کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے، (حضرت داؤد خدا سے کہتے ہین) اے فوجون کے خدا! تیرے مسکن کس قدر شیرین ہین، میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے..... اے خدا! تیرے قربان گاہ، میرے الٰک اور میرے خدا ہین، مبارک ہو ان لوگون کی جو تیرے گھر مین ہمیشہ رہتے ہین، اور تیری تسبیح پڑھتے ہین؛ اس کے بعد بکہ والی آیتین ہین، اب غور کرو حضرت داؤدؑ جس مقام کے پہنچنے کا شوق ظاہر کرتے ہین، وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے جس مین حسب ذیل باتین پائی جائین،

(۱) قربانی گاہ ہو،

(۲) حضرت داؤدؑ کے وطن سے دور ہوا کہ وہان تک سفر کر کے جائین،

(۳) وہ وادیِ بکہ کہلاتا ہو،

(۴) وہان مقام مروہ بھی ہو ان باتون کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائیگا کہ بکہ

وہی مکہ معظمہ اور موروۃ وہی مروۃ ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ. ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف دی بائبل" میں "وادی بکا" پر جو آرٹکل لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"اس لفظ سے اگر کوئی واقعی وادی مراد ہے، تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے،

(۱) ایک وادی ہے جس میں ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں،

(۲) وادی اخور ہے، جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے،

(۳) وادی رفایون ہے، جو سامویل دوم باب ۵ آیات ۱۸-۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے،

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے، اس راستہ کی آخری منزل ہے۔ (دیکھو رینان کی کتاب "حیات عیسیٰ" باب ۲)

لیکن کیا عجیب بات ہے، ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتہ نہیں لگتا، مصرع

ہمان ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ جن جن وادیوں کا نام لیا ہے، ان میں ایک کو بھی بکا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں، یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں، بخلاف اس کے بکا، اور بکہ، بالکل ایک لفظ ہیں، فرق اسی قدر ہے جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے،

جدید انسائیکلوپیڈیا۱ مین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عنوان سے جو مضمون ہی۔ مرگیولوس کا ہے، اس مین مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہے کہ

"قدیم تاریخون مین اس شہر کا نام نہین ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴ - ۶) مین "وادی بکہ" کا لفظ ہے،

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہین،

پروفیسر دوزی جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے۲:

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہین"

لیکن مارگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہین،

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لکھا ہے کہ

"رومن مؤرخ سیسلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ دنیا کے تمام معبدون سے قدیم اور اشرف ہی، اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے۳"

اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے موجود تھا، تو مکہ بھی قریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا، کیونکہ جہان کہین کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گانون آباد ہو جاتا ہی،

یاقوت حموی نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بطلیموس۴ کے جغرافیہ مین حسب ذیل ہے،

---

۱ انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱۷ صفحہ ۳۹۹ - ۲ ازمان آف لیشن ۳ ایضاً ۴ بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیون کے زمانہ مین ہوگیا تھا مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیئے ہین،

"طول ۷۵ درجہ ۶ عرض ۲۳ درجہ"

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے، اگر اس نے اپنے جغرافیہ مین مکہ کا ذکر کیا ہے، تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے،

مارگیولوس نے جس بنا پر مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ "اغانی مین تصریح ہے کہ مکہ مین سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید بن، یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی" لیکن مارگیولوس کو یہ معلوم نہین کہ مورخین نے جا بجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اس لئے عمارتین نہین بنوائین، بلکہ خیمون اور شامیانون مین رہتے تھے، اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیمون کا ایک وسیع شہر تھا،

خانۂ کعبہ کی تعمیر | دنیا مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ مین عالمگیر اندھیرا تھا، قبول حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک مین گز بھر زمین نہین ملتی تھی جہان کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان مین یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلون سے کام پڑا، مصر آئے، تا ہم کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہ پوچھی، خدا کا جہان نام لیتے تھے تو شرک اور بت پرستی کے غلغلہ مین آواز دب دب کر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے نقش ہائے باطل سے ڈھک چکے تھے، اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش و نگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن

اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہین ہوا تھا،

حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو عرب مین لائے اور ان کو یہین آباد کیا

حضرت سارہ نے (جیسا کہ توراۃ مین ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیمؑ مکہ مین

چلے آئے، حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہو چکے تھے، اعلان حق مین ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونون

نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی[1]

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ	اور جبکہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ خدا کی
مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ (بقرہ-۱۵)	دیوارین اٹھا رہے تھے،

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ	ہمارے گھر کو طواف کرنے والون (نماز مین
وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ	قیام کرنے والون) رکوع کرنے والون
بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ	اور سجدہ کرنے والون کے لئے پاک کر
ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ	اور تمام لوگون کو پکار دے کہ حج کو آئین
(سورۂ حج-۴)	پیدل بھی اور دبلی اونٹنیون پر بھی، جو دور دراز راستون سے آئینگی

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہین تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسون

تک پتہ نہ تھا، ابراہیمؑ کی آواز حدود حرم سے باہر نہین جا سکتی تھی، لیکن وہی معمولی آواز

(لہ) محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بنائی تھی، مزید توضیح کے لئے سیرۃ النبی جلد پنجم باب حج عنوان کعبہ (دیکھئے) ص

کمان کمان پہونچی، مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک؛
علامۂ ازرقی نے تاریخِ مکہ مین لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اس کا عرض
طول حسب ذیل تھا،

بلندی،	زمین سے چھت تک،	۹ گز
طول،	حجر اسود سے رُکنِ شامی تک،	۳۲ گز،
عرض،	رُکن شامی سے غربی تک،	۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ ایسے
مقام پر لگا دون جہان سے طواف شروع کیا جائے۔ تاریخِ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام
مین ہے،

فقال ابراهيم لاسمٰعيل	پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے
عليهما الصلوٰة والسلام يا اسمٰعيل	کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ مین ایسی جگہ
ايتني بحجر اضعه حتى يكون علما	نصب کرون جہان سے لوگ طواف
للناس يبتدؤن منه الطواف	شروع کرین،

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ بازو تھے؛
جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھون نے قدیم عمارت گرا کر نئے
سرے تعمیر کی، اور کھجور کے تختون کی چھت پاٹی؛

لہ، اعلام بحوالہ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی،

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ اس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا، اس قبیلہ مین مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیل نے اُن کی لڑکی سے شادی کی، اُن سے بارہ اولاد ہوئی، جن کے نام توراۃ مین مذکور ہین، ان مین سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد مین ہین، حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے کے بعد اُن کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا، اور کعبہ کی تولیت خاندان اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان مین آگئی لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعۃ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا، اور مدت تک اسی خاندان مین یہ منصب رہا، حضرت اسمٰعیلؑ کا خاندان موجود تھا، لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہین کی قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھون نے اپنا آبائی حق حاصل کیا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن مین خاص قسم کی چادرین بنی جاتی ہین جن کو بُردیمانی کہتے ہین، یہ پردہ انھی چادرون سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا، علامۂ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا، لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے[1]،

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین قُباطی کا پردہ چڑھایا تھا، جو مصر مین بنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت مین پردہ چڑھاتا تھا، بنوامیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردہ چڑھاتا تھا۔ حج کے زمانہ مین دیبائے احمر کا، رجب مین قباطی کا، عید الفطر مین دیبائے سفید کا، مصر مین جب سلطان صالح بن سلطان قلاوان بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گانون پردہ کے مصارف کے لئے وقف کر دیئے، جب ترکی خاندان

خدا کا گھر، سیم و زر کی نقش آرائیون کا محتاج نہ تھا، لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہین اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھون نے کعبہ کے ستودن پر سونے کے پتر چڑھائے، عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین ۳۶ ہزار اشرفیان اس کام کے لئے بھیجین، امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیان نذر کین کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوا دی جائے، اعلام (تاریخ مکہ) مین عہد بہ عہد کی طلا کاریون کی تفصیل لکھی ہے لیکن یہ واقعات عہدِ نبوت کے بعد کے ہین، جو ہماری کتاب کا موضوع نہین۔ اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضرور بھی نہین۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولیت اور خدمت کیلئے کوئی نفسِ قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے، اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت مین قربانی سے تعبیر کرتے تھے، توراۃ مین یہ محاورہ بہ کثرت آتا ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، انبیاء علیہم السّلام پر جو وحی آتی ہے، اس کے مختلف انواع ہین جن مین سے ایک خواب بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی۔ یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے، جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستارون کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہر حال حضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۶) قسطنطنیہ مین حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند کنگورن اور اضافہ کر دیئے، (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانۂ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ مین ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے،

ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہین انھون نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیم کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہین؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا

يٰبُنَيَّ إِنِّيٓ أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّيٓ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى،	بیٹا! مین خواب مین دیکھتا ہون کہ مین تجھ کو ذبح کر رہا ہون، تو بتا تیری کیا رائے ہے

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

يٰٓأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صفت - ۳)	ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہو وہ کر گذریئے خدا نے چاہا تو مین ثابت قدم رہون گا،

اب ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعاہاے سحر کے بعد، خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لئے اس کی آستینین چڑھ چکی ہین۔ اور ہاتھ مین چھری ہے،

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے، جس نے بچپن سے آج تک، باپ کی محبت آمیز نگاہون کی گود مین پرورش پائی ہے، اور اب باپ ہی کا خنجر بردار ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے، ملائکہ قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہین اور انگشت بدندان ہین کہ دفعۃً عالم قدس سے آواز آتی ہے،

يٰٓإِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا	ابراہیم! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا،

اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔ (صٰفّٰت - ۳) | ہم نیک بندون کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہین،

طفلان ناز ہیں کہ جگر گوشۂ خلیل | در زیرِ تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم، اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا مین اس کی یادگار رہ جاے،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب ابن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبی) مین یہین تک ہے لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ مین عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہین، یعنی عدنان بن عدد بن المقوم بن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ،

سلسلۂ نسب

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، جن کا ذکر توراۃ مین بھی ہے، ان مین سے قیدار کی اولاد حجاز مین آباد ہوئی اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد مین عدنان ہین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہی کے خاندان سے ہین، عرب کے نسب دان تمام پشتون کو محفوظ نہین رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب نامون مین عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتین بیان کی ہین، لیکن یہ صحیح نہین، عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک اگر صرف نو دس پشتین ہون تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ بالکل تاریخی شہادتون کے خلاف ہے، علامۂ سہیلی روض الانف (ص ۸) مین لکھتے ہین

ویستحیل فی العادة ان یکون	اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونون مین ۴ یا
بینهما اربعة آباء او سبعة کما	۷ پشتون کا فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحاق
ذکر ابن اسحاق او عشرة او	نے ذکر کیا یا ۱۰-۲۰ پشتین ہون، کیونکہ
عشرون فان المدة اطول من ذلک	زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے،

علامۂ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالون اور شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتون کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخون کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیمؑ سے ہین[1]،

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیون کے نام پر اکتفا کرتے تھے، اور بیچ کی پڑھیون کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لئے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اور یہ کے

---

[1] سر ولیم صاحب نے سر نیاہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے، ان کے الفاظ یہ ہین: "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیلؑ کی اولاد سے خیال کیا جائے، اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیلؑ کی نسل مین سے ثابت کئے جائین، ان کی عین حیات مین پیدا ہوئی تھی، اور اس طرح پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیل اور بنی اسرائیل کے بیشمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ مین ڈھالے گئے تھے؛" لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہہ ہے، دوسری طرف بیسیون یورپین اور یہودی مورخین ہین جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہین،
(دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیۂ تاریخی عرب)

اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے؛ اس لیے چند مشہور آدمیون کا نام لیکر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب مین ایسے محققین بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ مین لکھا ہے کہ مجھ سے بعض نسب دانون نے بیان کیا، کہ مین نے عرب مین ایسے علما دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک ۴۰ پشتون کے نام لیتے تھے اور اس شہادت مین عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ مین نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتون کی تعداد برابر تھی. البتہ نامون مین فرق تھا[1]، اسی مورخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہو کہ "شہر تدمر مین ایک یہودی تھا، جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہو گیا تھا، اس کا بیان تھا کہ "ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے[2]، اس شجرے مین بھی عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیل تک چالیس نام ہین" بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہین،

خاندانِ قریش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ ابا عن جد معزز[3] اور ممتاز چلا آتا تھا، لیکن جب

---

[1] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۰۸ [2] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۱۴ [3] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، لیکن مارگولس نے نہایت کوشش کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے، ان کے الفاظ یہ ہین "یہ بالکل ظاہر ہو کہ محمد ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھا" اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کئے ہین: (۱) قرآن مجید مین ہو کہ قریش کو حیرت تھی کہ اللہ نے ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ مین قریش نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہو (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے

شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے، بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا، اور انہی کی اولاد قریشی ہے، حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فہر　　　　جماعها والاکثرون النضر[1]

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا، اس زمانہ میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے، قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا، قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا، جس کا نام دارالندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) دن آپ نے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں، وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا، عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں، قرآن میں عظیم کا لفظ ہے، اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت سے نہیں بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا، دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے، کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ، جادو زدہ، شاعر، سب کچھ کہا، ان میں سے کونسی بات صحیح ہے جو یہ شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے انکار کیا، لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے کہ آپ نے فرمایا مجھ کو سید اور مولیٰ نہ کہو، مولیٰ اور سید خدا ہے، قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولیٰ کہا ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے، خیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہے؟ کہ شرفائے مکہ سے یہاں مراد جبارین و متکبرین مکہ ہیں) مارگولیس صاحب نے یہ دلائل نولدیکی سے نقل کئے ہیں، جو مشہور جرمنی مستشرق ہے، ع این خانہ ہمہ آفتاب است

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۹۔

مین کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہین سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہین ادا ہوتے،

قصی نے بڑے بڑے نمایان کام کئے، جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ[1] اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، انہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑون ہزارون کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہین، ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ مین حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے، جن مین ایام حج مین پانی بھر دیا جاتا تھا، کہ حجاج کے کام آئے، مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج مین چراغ جلاتے تھے چنانچہ عقد الفرید مین تصریح کی ہے قصی نے اس قدر شہرت، اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگون کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا[2]، چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید مین بھی لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا،

---

[1] سقایہ یعنی حاجیون کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا،

[2] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن سنہ ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۶ سے لیکر ۴۲ تک ہے، قریش کی وجہ تسمیہ مین اختلاف ہے، بعض کہتے ہین کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، قصی نے لوگون کو ایک رشتہ مین منسلک کیا، اس لئے قریش کہلائے، بعض کہتے ہین کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیون کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے صرّاف تھے، اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے، لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائل عرب جانورون کے نام پر رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ، مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانورون کی پرستش کرتے تھے، اور انہی جانورون کے نام مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخون مین اس کا پتہ نہین چلتا،

اس لئے ان کو قریش کہتے ہین، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، اسی بنا پر اُن کو مُجمع بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے،

قصیٌ ابو کم من یسمی مُجمعًا　　به جمع اللہ القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی، عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ، قصی نے مرتے وقت حرمِ محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیئے، اگرچہ وہ سب بھائیون مین ناقابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی، اور انہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے، عبد مناف کے چھ بیٹے تھے، ان مین سے ہاشم نہایت صاحبِ صولت اور باا ثر تھے، انھون نے بھائیون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دیئے گئے، واپس لے لئے جائین، وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہین، عبد الدار کے خاندان نے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریان شروع کین، بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبد الدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا،

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک مین اسبابِ تجارت لیکر جائین تو اُن سے کوئی ٹکس نہ لیا جائے"، حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا، چنانچہ اہلِ عرب جاڑون مین یمن اور گرمیون مین شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، اس زمانہ مین انگوریہ (انقرہ)

[1] طبقات ابن سعد جلد اصفحہ ۴۲

جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا، تجارِ قریش، انگوریہ مین جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب مین راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل مین دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ "قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائین گے، جس کے صلہ مین کاروانِ قریش ان قبائل مین اُن کی ضرورت کی چیزین خود لے کر جائیگا، اور اُن سے خرید و فروخت کریگا"؛ یہ سبب تھا کہ عرب مین باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا[1]،

ایک دفعہ مکہ مین قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط مین شوربہ مین روٹیان چورا کر کے لوگون کو کھلائین، اُس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی زبان مین چورہ کرنے کو ہشم کہتے ہین جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستہ مین مدینہ مین ٹھہرے، وہان سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار مین گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، اور اس نے قبول کرلی، غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے، اور غزہ مین جا کر انتقال کیا، سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اُس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ مین پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم

[1] امالی ابو علی قالی [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ (ج ۳ ق ۱)

ہوے تو فوراً مدینہ روانہ ہوے، وہان پہنچکر بھتیجے کی جستجو کی، سلمٰی نے اُن کے آنے کا حال سنا، تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوے، اُن کی عمر ۸ برس کی تھی، یہان آکر ان کا نام عبد المطلب پڑ گیا،

تسمیہ

عبد المطلب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہین، اس لئے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ مین بہت سے اقوال نقل کئے ہین جن مین صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے، اس لئے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور ہو گئے[1]،

عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہِ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر گم ہو گیا تھا، انھون نے اس کا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سر سے درست کرا دیا،

انھون نے منت مانی تھی کہ دس بیٹون کو اپنے سامنے جوان دیکھ لین گے تو ایک کو خدا کی راہ مین قربان کر دین گے، خدا نے یہ آرزو پوری کی، دسون بیٹون کو لیکر کعبہ مین آئے، اور پجاری سے کہا کہ ان دسون پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے، اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا، یہ اُن کو لے کر قربان گاہ کو چلے، عبد اللہ کی بہنین جو ساتھ تھین رونے لگین، اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے، ان کو چھوڑ دیجئے، عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹون پر قرعہ ڈالو، اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا، عبد المطلب نے اب دس کے بجاے بیس اونٹ کر دیئے، یہان تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹون پر قرعہ آیا، عبد المطلب نے سو اونٹ

---

[1] دیکھو زرقانی جلد اول ص ۷۰،

قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے، یہ واقدی کی روایت ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹون کے معاوضہ کی تدبیر رؤسائے قریش نے تجویز کی تھی،

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹون مین سے پانچ شخصون نے اسلام یا کفر کی حیثیت کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی، یعنی ابولہب، ابوطالب، عبداللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، عام طور پر مشہور ہے، کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہؓ نے دیا، لیکن یہ غلطی ہے، ابن سعد نے طبقات مین تصریح کی کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا، اور عرب مین گورے چہرے کو شعلۂ آتش کہتے ہین، فارسی مین بھی آتشین رخسار ہے،

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو اُن کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلۂ زہرہ مین وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانون مین ممتاز تھین[1]، وہ اُس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھین، عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے، اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا، انھون نے منظور کیا، اور عقد ہوگیا، اسی موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہؓ انھی ہالہ کے بطن سے ہین، ہالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی تھین اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہین،

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال مین رہتا تھا، عبداللہ تین دن

[1] سیرۃ ابن ہشام (بر حاشیۂ زاد المعاد مصر ج اصفحہ ۵۰) "س"

سسرال مین رہے، اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت ان کی عمر تقریبًا سترہ برس[1] سے کچھ زیادہ تھی،

عبداللہ تجارت کے لئے شام کو گئے، واپس آتے ہوئے مدینہ مین ٹھہرے اور بیمار ہو کر

یہین رہ گئے، عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لئے

بھیجا، وہ مدینہ مین پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا، چونکہ یہ خاندان مین سب سے زیادہ محبوب

تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا،

عبداللہ نے ترکہ مین اونٹ، بکریان اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام اُمِ ایمن

تھا، یہ سب چیزین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترکہ مین ملین[2]، اُمِ ایمن کا اصلی نام برکۃ تھا،

---

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۱۲۲ سطر ۱، [2] طبقات ابن سعد (جزء اول قسم اول ص ۶۲) "س"

ظہور قدسی

چمنستانِ دہر مین بارہا روح پرور بہارین آچکی ہین، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم
اہل سروسامان سے سجائی کہ نگاہین خیرہ ہو کر رہ گئی ہین،

ولادت

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار مین پیر کہن سال دہر نے کرورون بزم
صرف کر دیے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق مین ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن
مدتہاے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹین بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا
و قدر کی بزم آرائیان، عناصر کی جدت طرازیان، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیان، ابر و باد کی
تردستیان، عالم قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ،
جان نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہاے گران ارز شاہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے دربار مین کام آئین گے،

آج کی صبح وہی صبحِ جان نواز، وہی ساعتِ ہمایون، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ
سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان مین لکھتے ہین کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے،
آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریاے ساوہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہین بلکہ
شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصرہاے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہین بلکہ
جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانون مین خاک اڑنے لگی، بتکدے
خاک مین مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزان دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف پھیل گئین، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا،

یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرمان روائے عالم، شہنشاہِ کونین

شمسہ نُہ مسندِ ہفت اختران ‏ ‏ ختمِ رُسُل خاتمِ پیغمبران

احمدِ مرسل کہ خِرد خاکِ اوست ‏ ‏ ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست

اُمّی و گویا بہ زبانِ فصیح ‏ ‏ از الفِ آدم و میمِ مسیح

رسم ترنج است کہ در روزگار ‏ ‏ پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلِّمْ،

تاریخِ ولادت

تاریخِ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس مین انھون نے دلائلِ ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی[1]،

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحون مین آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:-
(۱) صحیح بخاری مین ہے کہ ابراہیمؑ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا، اور ۱۰ھ تھا، (اور اس وقت آپ کی عمر کا ترسٹھوان سال تھا)
(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۰ھ کا) گرہن، جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،
(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹین تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء تھا جس مین ازروئے قواعدِ ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی،

آپ کا نام "محمد" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبد المطلب نے یہ نام رکھا تھا،

رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے

ثوبیہ

بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا، (جو ابولہب کی لونڈی تھی)[۱]

حلیمہ سعدیہ

ثوبیہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ مین دستور تھا کہ شہر کے رؤسا، اور شرفا، شیرخوار بچون کو اطراف کے قصبات اور دیہات مین بھیج دیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤن مین پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے[۲] اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھین،

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہان تک کہ بنو امیہ نے دمشق مین پائے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان و شوکت مین کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی، تاہم اُن کے بچے صحراؤن مین بدوون کے گھر مین پلتے تھے، ولید بن عبد الملک خاص اسباب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) (۴) تاریخ ولادت مین اختلاف ہے، لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لیکر ۱۲ تک مین منحصر ہے،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخون مین دوشنبہ کا دن نوین تاریخ کو پڑتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی،

(۱) بخاری باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب (۲) امام سہیلی نے بتفصیل یہ واقعات لکھے ہین اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مین اس لیے فصیح ہون کہ قبیلۂ بنی سعد مین پلا ہون (الروض الانف ج اول ص ۱۰۹) سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد مین لکھتے ہین کہ محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی ان کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد مین بسر کرنا تھا، اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی؛

نہ جاسکا اور حرم شاہی مین پلا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنی اُمیّہ مین صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہین بول سکتا تھا[1]،

غرض دستور مذکور کی بناپر سال مین دو مرتبہ دیہات سے شہر مین عورتین آیا کرتی تھین اور شرفاے شہر اپنے شیرخوار بچون کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے، اس دستور کے موافق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتین بچون کی تلاش مین آئین، اُن مین حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھین[2]، اتفاق سے اُن کو کوئی بچہ ہات نہین آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو اُن کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کرون گی لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جاسکتی تھین، اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئین، اُن کی ایک صاحبزادی تھین جن کا نام شیما تھا، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت اُنس تھا، وہی آپ کو کھلایا کرتی تھین، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ مین لائین، اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا، لیکن چونکہ اس زمانہ مین مکہ مین وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ دوبارہ گھر مین لائین، اس مین اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہؓ کے یہان کے برس تک رہے، ابن

---

[1] (ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۹ طبع لیڈن) [2] سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب مین دودھ پلانا، اور اسکی اجرت لینا شریفانہ کام نہین خیال کیا جاتا تھا، اسی بناپر عرب مین مثل ہو الحرۃ لا تاکل بثدیہا، اس بناپر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا، اس لئے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی، لیکن تمام تاریخون مین ہے کہ مکہ مین ہر سال باہر سے عورتین اس کام کے لئے آیا کرتی تھین، ہمارا خیال ہے، کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا، یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا،

اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۲ برس لکھا ہی

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت مین مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات مین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مین تم سب مین فصیح تر ہون، کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے[1]، بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہین،

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت مین جب وہ آپ کے پاس آئین تو آپ "میری ماں، میری ماں" کہکر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئین گے،

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئین، لیکن یہ صحیح نہین ہے، ابن ابی خیثمہ نے تاریخ مین، ابن جوزی نے حدائق مین منذری نے مختصر سنن ابی داؤد مین، ابن حجر نے اصابہ مین ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس کا نام "التحفۃ الجسیمۃ فی اسلام حلیمہؓ" ہے،

حضرت حلیمہ کے شوہر یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رضاعی باپ کا نام حارث ابن عبد العزی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مین آئے اور اسلام لائے[2]، حارث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور کہا کہ "تم کیا کہتے ہو؟" آپ نے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۶۸ [2] زرقانی جلد ۱ ص ۱۴۶ [3] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۱ ص ۲۸۳،

فرمایا ہان وہ دن آے گا کہ مین آپ کو دکھاؤن گا کہ مین سچ کہتا تھا، حارث مسلمان ہو گئے

رضاعی بھائی بہن

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہین، عبد اللہ، انیسہ، حذیفہ، اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھین، ان مین سے عبد اللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیون کا حال معلوم نہین،

مدینہ کا سفر

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لیکر مدینہ گئین، چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دادا کی ننہال خاندان نجار مین تھی، وہین ٹھہرین، اس سفر مین ام ایمنؓ بھی ساتھ تھین جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دایہ تھین، مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئین لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا، قیاس مین نہین آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھین جو مدینہ مین مدفون تھے، بہر حال ایک مہینہ تک مدینہ مین مقیم رہین، واپس آتے ہوے جب مقام ابوا[1] مین پہنچین تو اُن کا انتقال ہو گیا، اور یہین مدفون ہوئین، ام ایمنؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر مکہ مین آئین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتین یاد رہ گئی تھین، جب آپؐ قیام مدینہ کے زمانہ مین ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا کہ اسی مکان مین میری والدہ ٹھہری تھین، یہی وہ تالاب ہے جس مین مین نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان

[1] ایک گاؤن کا نام ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے۔

مین مین انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا[1]،

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت مین لیا، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے[2]،

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر مین وفات پائی اور حجون مین مدفون ہوے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعۃً گھٹا دیا، اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آگیا، عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصب ریاست

---

[1] طبقات ابن سعد جلد اصفحہ ۷۳، [2] عبدالمطلب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے، لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہیں فرماتے ہین کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی آخر زندگی مین ان کے چچا حمزہ نے نشہ کی حالت مین محمد کو طعنہ دیا، تیرے باپ کا غلام کہا تھا۔ (لائف آف محمد از مارگولیس صفحہ ۴۸ و ۴۹) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے، مارگولیس خود تسلیم کرتے ہین کہ وہ نشہ کی حالت تھی، اسکی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر و خمس) مین ہے کہ بدر کے مال غنیمت سے حضرت علیؓ کو دو اونٹ ملے تھے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی، حضرت حمزہؓ شراب مین مخمور ادھر سے گذرے، اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے اور اُن کو ملامت کی، حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے، اس حالت مین وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے، کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت مین پیش کیا جا سکتا ہے؟

مین سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ مین رہا جو عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے،

ابو طالب کی کفالت

ابو طالب کی کفالت | عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لئے عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت مین دیا. ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ مین اپنے بچون کی پروا نہین کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے، اور باہر جاتے تو ساتھ لیکر جاتے۔[1]

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریان چرائین. فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے اس لئے اُن سے بکریان چرانے کا کام لیتے تھے" لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب مین بکریان چرانا معیوب کام نہ تھا. بڑے بڑے شرفا، اور امرا کے بچے بکریان چراتے تھے، خود قرآن مجید مین ہے وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا. زمانۂ رسالت مین آپ اس سادہ اور پُر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے. ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ جنگل مین تشریف لے گئے، صحابہ رض جھڑبیریان توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہین زیادہ مزے کے ہوتے ہین، یہ میرا اُس زمانہ کا تجربہ ہے جب مین بچپن مین یہان بکریان چرایا کرتا تھا۔[2]

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۷۵ جلد اول [2] بخاری نے کتاب الاجارۃ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے

شام کا سفر

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا، سال مین ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہین لیجانا چاہتے تھے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ اُن سے لپٹ گئے، ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا، عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے، کہ جب ابو طالب بصریٰ مین پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اترے جس کا نام بحیرا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہین" لوگون نے پوچھا تم نے کیونکر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اُترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لئے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایون مین بیان کیگئی ہے، تعجب یہ ہے کہ اس روایت کو جس قدر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) "کہ مین قراریط پر مکہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی مین اختلاف ہے، ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے، اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے، اس بنا پر اُن کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر لوگون کی بکریان چراتے تھے، اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ مین نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے، ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی، علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی جلد ۶ صفحہ ۶۳) نور النبراس مین یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے

عام مسلمانون کو شغف ہی اس سے زیادہ عیسائیون کو ہے، سر ولیم میور، ڈریپر، مارگیولوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہین، اور اس بات کے مدعی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق واسرار اسی راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اس نے بتا دیئے تھے انہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتون کے شروح اور حواشی ہین[1]۔

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہین تو اس طرح ماننا چاہیئے جس طرح روایت مین مذکور ہے، اس مین بحیرا کی تعلیم کا کہین ذکر نہین، قیاس مین بھی نہین آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائین، اور اگر یہ کوئی خرقِ عادت تھا، تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے ہین سب مرسل ہین یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور راس راوی کا

---

[1] ڈریپر صاحب معرکۂ علم و مذہب مین لکھتے ہین: "بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ مین محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی۔۔۔۔۔۔ آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا۔۔۔۔۔ بعد مین آپ کے طرزِ عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہی کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہی) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہان تک قابو پالیا تھا، سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جو بالکل جدا تھا کہ آپ نے قائم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے، (لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارعِ اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ مین پیدا ہو سکتا، جو قرآن کے ہر صفحہ مین نظر آتا ہی)

نام نہین بیان کرتا جو شریکِ واقعہ تھا،

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی مین مذکور ہے، اس کے متعلق تین باتین قابلِ لحاظ ہین .

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے، کہ "حسن اور غریب ہے، اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہین جانتے" حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے، اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے،

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمان بن غزوان ہے، اس کو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے، لیکن اکثر اہلِ فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے، علامۂ ذہبی، میزان الاعتدال مین لکھتے ہین، کہ "عبدالرحمان منکر حدیثین بیان کرتا ہے، جن مین سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس مین بحیرا کا واقعہ مذکور ہے"۔

(۳) حاکم نے مستدرک مین اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے" علامۂ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "مین اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہون"

(۴) اس روایت مین مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر مین شریک تھے، حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے ،

لہ نبراس فی شرح عیون الاثر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرۂ عبدالرحمان ابن غزوان) (مستدرک حاکم مع تلخیص ج ۲ ص ۶۱۵) س

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابو موسیٰ اشعریؓ ہین، وہ شریکِ واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہین بتاتے، ترمذی کے علاوہ، طبقات ابن سعد مین جو سلسلۂ سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے اس مین تابعی جو ظاہر ہے کہ شریکِ واقعہ نہین ہے کسی صحابی کا نام نہین لیتا ہے، اور جو روایت معضل ہے اس مین راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہین دونون کا نام نہین لیتا ہے)

(۶) حافظ ابن حجر رواة پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہین، لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتہً غلط ہے، اس لیے مجبورًا اقرار کرتے ہین کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت مین شامل ہو گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہین کہ اس روایت کے تمام رواة قابلِ سند ہین، عبد الرحمان بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب مین لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے مالیک کی روایت نقل کی ہے:" مالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہین"

حربِ فجار کی شرکت عرب مین اسلام کے آغاز تک لڑائیون کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان مین یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی؛

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ مین ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانون نے اس معرکہ

(۱ جزء اوّل قسم اوّل ص۷۸) (س ۔ ح (جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرة النبی جلد سوم باب "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" مین کی ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے) "س"

مین اپنی اپنی الگ فوجین قائم کی تھین آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے، اور اسی صف مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اول قیس پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا، اس لڑائی مین قریش کا رئیس اور سپہ لار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابو سفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا،

چونکہ قریش اس جنگ مین برسر حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی، لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے آپ نے کسی پر ہاتھ نہین اٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہین کی، ان کے الفاظ یہ ہین،

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ	اور آپنے اس لڑائی مین جنگ نہین کی،
علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد	حالانکہ آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اسکی
بلغ سن القتال لانھا کانت حرب	وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام مین پیش آئی تھی
فجار وکانوا ایضا کلھم کفارا	نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانون
ولم یاذن اللہ لمومن ان	کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدا نے دیا ہے
یقاتل الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا	کہ خدا کا بول بالا ہو،

اس لڑائی کو فجار اس لئے کہتے ہین کہ ایام الحرام مین یعنی اُن مہینون مین پیش آئی تھی جن مین لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول | لڑائیون کے متواتر سلسلہ نے سیکڑون گھرانے برباد کر دیئے تھے اور

قتل وسفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتون مین اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگِ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندانِ ہاشم، زہرہ اور تیم عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم مین سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور کوئی ظالم مکہ مین نہ رہنے پائے گا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ مین شریک تھے، اور عہدِ نبوت مین فرمایا کرتے تھے، کہ معاہدہ کے مقابلہ مین اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو مین نہ بدلتا، اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لئے کوئی بلائے تو مین حاضر ہون۔"

اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لئے کہتے ہین کہ اوّل اوّل اس معاہدہ کا خیال جن لوگون کو آیا ان کے نام مین لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا[3] یعنی فضیل بن حرث، فضیل ابن وداعہ اور مفضل، یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بے کار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی، تاہم بانیِ اوّل کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے،

تعمیر کعبہ | کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی اور دیوارون پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک مین عیدگاہین ہوتی ہین، چونکہ عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین

---

[1] طبقات ج ۱ ص ۸۲ و مستدرک ج ۲ ص ۲۲۰ اس کے لیکن امام بیہقی نے معرفتہ مین اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ مین یہ الفاظ تھے "اتردُّ الفضول علی اھلھا"

شہر کا پانی حرم میں آتا تھا، اس کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا، لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سر سے زیادہ مستحکم بنائی جائے، حسنِ اتفاق یہ کہ جدہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا، قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لئے، جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا، اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی، مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے، لیکن جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا، ہر شخص چاہتا تھا، کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے، نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں،

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے داروں نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا، پانچویں دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے، سب نے یہ رائے تسلیم کی، دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے، کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمالِ جہانتاب چہرۂ محمدی تھا، لیکن رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں، آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجرِ اسود کو

اس مین رکھدیا، اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چارون کونے تھام لین اور اوپر کو اٹھائین جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپؐ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا، (یہ گویا اشارہ تھا کہ دینِ الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی ہاتھون سے نصب[۱] ہوگا)

اس طرح ایک سخت لڑائی آپؐ کے حسنِ تدبیر سے رُک گئی، کعبہ کی عمارت اب مسقّف کردی گئی، لیکن چونکہ سامانِ تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصّہ چھوڑ کر بنیادین قائم کی گئین اور اس حصّہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لین گے، یہی حصّہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہین، اور جس کی نسبت آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعد نبوّت ارادہ فرمایا تھا، کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہین، دیوارِ کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہو جائینگے[۲]

شغلِ تجارت (عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل، ظہورِ اسلام کے ہزارون برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدِّ اعلیٰ ہاشم نے قبائلِ عرب سے تجارتی معاہدے کرکے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کردیا تھا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے، اس بنا پر سنِ رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم

[۱] (مسند طیالسی جلد اوّل صفحہ ۱ و مستدرک حاکم جلد اوّل صفحہ ۴۵۸) (س) [۲] یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہی جس مین آپنے فرمایا ہی کہ "مین نبوّت کی عمارت کا آخری پتھر ہون" یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہون) (س)

[۳] یہ واقعات ابن ہشام، طبقات، طبری مین منفرد اور زرقانی جلد اوّل صفحہ ۲۳۶ تا ۲۴۰ مین مجتمعاً مذکور ہین، آخر کا واقعہ صحیح بخاری مین بھی ہی، بخاری مین یہ بھی ہی کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی شریک تھے اور دوشِ مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے، یہان تک کہ شانے چھل گئے تھے[۴] اضافہ و زیادۃ شہ توراۃ کو مین تعمیر یوسف ہو،

کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن مین بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے، جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، اور آپ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ مین دے کر اس کے منافع مین شرکت کر لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکاے تجارت کی شہادتون سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابون مین مذکور ہین ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسنِ اخلاق مین سب سے زیادہ نادر مثال ایفاے عہد اور تمامِ وعدہ کی ہو سکتی ہے، لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امین ؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن ابی الحمسا، ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ بعثت سے پہلے مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، مین نے وعدہ کیا کہ پھر آؤن گا، اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی جگہ منتظر پایا، لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، صرف اس قدر فرمایا کہ "تم نے مجھے زحمت دی، مین اسی مقام پر تین دن سے موجود ہون"[1]

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۶ (مطبع مجتبائی) کتاب الادب باب فی الوعد،

کاروبارِ تجارت مین ہمیشہ آپؐ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے بھی جن لوگون سے تجارت مین آپؐ کا سابقہ تھا، وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے، سائبؓ نام ایک صحابی جب مسلمان ہوکر خدمتِ اقدس مین حاضر ہوے، تو لوگون نے انکی تعریف کی، آپؐ نے فرمایا "مین ان کو تم سے زیادہ جانتا ہون"۔ سائبؓ نے کہا، آپؐ پر میرے مان باپ قربان، آپؐ میرے شریکِ تجارت تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا، فکنت لا تداری ولا تماری[1]، قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپؐ کے شریک تجارت تھے، وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہین[2]

تجارت کی غرض سے شام دبصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپؐ نے کئے تھے؛

تزویج خدیجہ حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھین، ان کا سلسلۂ نسب پانچوین پشت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے، اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چچیری بہن تھین، اُن کی دو شادیان پہلے ہوچکی تھین اب وہ بیوہ تھین، چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھین، جاہلیت مین لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے، نہایت دولتمند تھین، طبقاتِ ابن سعد مین لکھا ہے کہ جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا اُن کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہوچکی تھی، متعدد

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ [2] اصابہ ج ۵ ص ۲۵۳ ترجمہ حضرت قیس بن سائب،

قومی کامون مین آپ شریک ہو چکے تھے، تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگون کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے، اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی یہانتک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دیدیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ "آپ میرا مال تجارت لیکر شام کو جائین جو معاوضہ مین اورون کو دیتی ہون آپ کو اس کا مضاعف دون گی"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپکے پاس شادی کا پیغام بھیجا، اُن کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب مین عورتون کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھین اور اس مین بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کئے، تاریخ معین پر ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان جن مین حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے، ابوطالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا،

بعض روایتون مین ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے، اور ان کی موجودگی مین نکاح ہوا لیکن شراب مین مخمور تھے، جب ہوش مین آئے تو نکاح کا حال سُن کے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہین،

لیکن یہ روایت صحیح نہین، امام سہیلی نے بہ تصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگِ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے.

حضرت خدیجہؓ جس مکان مین رہتی تھین، وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا،

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہرون سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھین، ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئین گے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، ان کے حالات آگے تفصیل سے آئین گے،

جستہ جستہ واقعات یہ واقعات تھے جن مین تاریخی ترتیب معلوم ہے، اس لئے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخین غیر معلوم ہین، اس لئے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا،

متعدد سفر اہلِ مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کئے، شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مقامات تجارت مین بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے، عرب مین مختلف مقامات مین جو بازار قائم تھے ان مین سے جباشہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے، حضرت خدیجہؓ نے جہان جہان آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان مین جرش بھی ہے، جو یمن مین ہے، حاکم نے مستدرک مین لکھا ہے، اور علامہ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے،

۱؎ حضرت خدیجہؓ کے متعلق یہ واقعات ابن ہشام، ابن سعد و طبری مین باختلافات اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہین، ہم نے قرائن کے بموجب روایت زیادہ قابل اعتبار پائی نقل کی ہے، بجاے تمام حالات دیکھنے ہون تو زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۲ سے ۲۳۹ تک دیکھنا چاہئے، حضرت خدیجہؓ کے مکان کا ذکر صرف طبری کے یہان ہے، ابن حنبل (مسند ابن عباس) مین بھی یہ واقعات مذکور ہین،

۱۲

کہ جرش میں آپ دو دفعہ تشریف لے گئے، اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔[1]

نبوت کے بعد جس سال آپ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے، ان میں جب بحرین سے عبدالقیس کا وفد آیا، تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا "میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے"۔[2] مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں، اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے" مورخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے، اور ڈیڈ سی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہے۔[3]

---

[1] نور النبراس فی شرح ابن سید الناس [2] مسند امام احمد بن حنبل (جلد ۴) صفحہ ۲۰۶ [3] مارگولیس صفحہ ۵۵ (یورپین مورخین جنکی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے، اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے مذاق کی مضحکہ انگیز روایت ہے، بحری سفر آپ نے یقیناً نہیں کیا، لیکن اگر بحرین تشریف لیجانے کی روایت صحیح ہو تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا، بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب شام کے درمیان میں ہے جہاں سے آپ کئی بار تجارت کیساتھ گذرے ہوں گے) س"

مراسمِ شرک سے اجتناب یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے، مراسمِ شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا، جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپ نے کھانے سے انکار کیا[1]

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہدِ نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرزِ عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہلِ شہر کا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادہ کا نام عبدالعزّیٰ[2] رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخِ صغیر میں موجود ہے، لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے،

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بُت پرست تھیں، انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک منصبِ ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے، اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہٖ بھی ثابت نہیں، اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخِ صغیر میں روایت کیا ہے، اس کا پہلا راوی اسمٰعیل

---

[1] صحیح بخاری باب المناقب ذکر زید بن عمرو بن نفیل، یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے، اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے، مسند ابن امام حنبل (جلد اوّل ص۱۸۹) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو اس کے کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا، لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا، اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے۔ [2] عزّیٰ ایک بُت کا نام تھا،

جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے۔ اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے، لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے:

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں'
یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے۔
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے،
نضر بن سلمہ مروزی	وہ کذّاب ہی،
دارقطنی	مین اس کو صحیح روایت کے لئے پسند نہین کرتا،
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثین بناتا ہے،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنا لیتا تھا

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی، اور جن لوگون پر آپ کو اعتماد تھا، اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔[1] (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زید بن حارثہ "س")

[1] مسٹر مارگولیس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت مین دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ دونون سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف موصوف نے اس کی سند مین امام حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہین:۔

حدثنی جار لخدیجة بنت خویلد انه سمع۔ مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ

موحدین کی ملاقات | اس میں شبہہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فیضِ الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہو گئی تھیں، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ ابن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا[1]، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے، اس لئے قیاس ہوتا ہے کہ آپ اُن سے بھی ملے ہوں گے، بعض روایتوں میں ہے کہ اُن سے

(الیعمانہ شیرہ ۱) النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزیٰ واللہ لا اعبد ابدا قال فتقول خدیجۃ خل اللات خل العزیٰ قال کانت صنمھم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون،

میں نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا میں کبھی لات اور عزیٰ کی پرستش نہ کروں گا، خدیجہؓ کہتی تھیں کہ لات کو جانے دیجئے، عزیٰ کو جانے دیجئے، (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے) اس نے کہا لات و عزیٰ وہ بت تھے جنکی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کیا کرتے تھے،

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہو کہ عبارت مذکور میں کانوا کا لفظ ہو جس کے معنی یہ ہیں کہ اہلِ عرب لات و عزیٰ کی پرستش کیا کرتے تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات و عزیٰ کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت انکار کرنا مذکور ہو.

مارگولیس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی، لیکن صاحب موصوف نے اسکی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہو (دیکھو مارگولیس کی کتاب صفحہ ۰۸ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن (اولاً) تو اس موضوعِ خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے، جو مشہور دروغگو ہے،

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۶، میں قیس بن ساعدۃ کے سوا باقی سب لوگوں کے نام اور حالات مذکور ہیں، زید کا ذکر بخاری میں بھی ہے، قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخوں اور ادب کی کتابوں میں پایا جاتا ہے،

آپ کی دوستی تھی،

ادب و محاضرات کی کتابون مین عموماً اور بعض تاریخون مین بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدۃ نے عکاظ مین جو مشہور خطبہ دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ مین شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہلِ ادب نے نقل کیا ہے، اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتون کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفیٰ ہین، اس لئے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طرز اُنہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہین:-

ایّھا الناس اسمعوا وعوا، واذا وعیتم فانتفعوا، انہ من عاش مات، ومن مات فات وکل ما ھو اٰتٍ آت ، مطرٌ ونبات ، وارزاقٌ واقوات، واٰباءٌ وامّھات، واحیاء واموات، وجمیع واشتات، انّ فی السماء لخبرا، وان فی الارض لعبرا، لیل داج ، وسماء ذات ابراج ، وبحار ذات امواجٍ، مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون ، ارضوا بالمقام فاقاموا ، ام تُرکوا ھناک فناموا، این من بنی وشیّد ، وزخرف ونجد ، وعدّ المال والولد ، این من بغیٰ وطغیٰ ،

قس بن ساعدۃ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عباراتِ مختلف، بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے، لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابلِ سند بلکہ کذاب ہین، چنانچہ سیوطی نے موضوعات مین اس روایت کے تمام طریقون کو نقل کرکے اُن کے رواۃ سے بحث کی ہے، اور علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے ہین، عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقون سے

مروی ہے، لیکن ہر طریقہ مین کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثین بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ کذاب اور خبیث ہے۔ ابن عدی نے لکھا ہے کہ "ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے"۔ ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرۃ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے، کہ "ثقہ لوگون کی زبانی جھوٹی حدیثین روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثین تصنیف کرتا تھا یا اور لوگ اس کے لئے بنا دیا کرتے"۔ ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبد اللہ اور احمد بن سعید ہین، اور یہ دونون حدیث بنانے مین بدنام ہین، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس مین حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے، یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے[۱]، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کئے ہین اور اُن کی تضعیف کی ہے[۲]۔

[۱] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعۃ مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۹۶ مین ہے۔ [۲] ایک نکتہ بیان خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ مین یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعرا اور فصحا سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے، اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعرا اور خطبا کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہین کہ امام بخاری نے جزء القرأۃ مین ان سے روایت کی ہے، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۲) مین خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیتے تھے، کہ ان کے بارے مین اشعار کہدو، ان اشعار کو وہ اپنی کتاب مین شامل کر دیتے تھے، ابن ہشام مین حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سیکڑون اشعار نقل کئے ہین، جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی زبان نہین ہے، ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعون پر لکھدیتے ہین، کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہین، مثلاً سریۂ عبیدۃ بن الحرث مین (ابن ہشام جلد دوم صفحہ ۳

اجاب خاص	**نبوت سے پہلے جو لوگ آپکے اجاب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ**

اخلاق، بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان مین سب سے مقدم حضرت ابو بکرؓ تھے، جو برسون

(بقیہ خاتمہ ۱۹۵) مطبوعہ مصر) حضرت ابو بکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہو اور لکھا ہو،

واکثر اهل العلم والشعر ينكر هذه القصيدة لابي بكر، — اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہین کہ یہ قصیدہ حضرت ابو بکرؓ کا ہے،

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کیجاتی تھی، زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسون یا شعرون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے اسلئے ہی قس بن ساعدہ کا خطبہ اس مین یہ فقرے بھی ہین،

نبيا قد حان حينه واظلكم اوانه فطوبى لمن آمن به فهداه وويل لمن خالفه وعصاه (اللآلی المصنوعہ صفحہ ۸۳) — ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہے سو اس کو مبارکی ہو جو اس پر ایمان لائے گا اور وہ اس کو ہدایت کرے گا، اور تباہی ہو اس کے لئے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کریگا،

ابو طالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہو (ابن ہشام صفحہ ۹۳ و ۹۴) سر تا پا موضوع ہو، اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہین،

فاصبح فينا احمد فی ارومة — تقصر عنه سورة المتطاول

فايده رب العباد بنصره — واظهر دينا حقه غير باطل

(اس قصیدہ کو سر تا پا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنفؒ نے کہا ہو اکثر کہنا صحیح ہو کیونکہ اس کے دو شعر صحاح مین بھی مذکور ہین، مثلاً صحیح بخاری وصحیح مسلم باب الاستسقاء، خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہو، وبعض اهل العلم بالشعر ينكر اكثرها یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہین، "س")

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید مین توحید اور معاد کے متعلق جو باتین ہین ان کے مطابق اشعار تصنیف کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی، امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہین ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہو کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہین، مثلاً

آپ کے شریک صحبت رہے ہے، حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت
معزز رئیس تھے، وہ بھی احباب خاص مین تھے، حرم کا منصب رفادہ انہی کے ہاتھ مین تھا
دار الندوہ کے بھی یہی مالک تھے، چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم
پر بیچ ڈالا، لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر مین ۵ برس بڑے تھے،
اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے، لیکن اس
حالت مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے، ایک دفعہ کعبہ مین ذویزن
کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس مین ایک عمدہ حلہ تھا، انھون نے پچاس اشرفیون مین اسکو
خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کرین، آپ نے فرمایا کہ مین مشرکون

(بقیہ حاشیہ ۱۹۶) فقلت لہ اذھب بھرون فادعوا — الی اللہ فرعون الذی کان طاغیا

وقولا لہ انت رفعت ھذہ — بلا عمد ارفق اذا بک بانیا

وقولا لہ انت سویت وسطھا — منیرا اذا ما جنہ اللیل ھادیا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولیس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ کہتے ہین "قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزون کیا گیا ہے" (صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۷۳) ان لوگون نے اپنی دانست مین اسلام کی خیرخواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطبا اور شعرا سے معتقدات اور خیالات بلکہ الفاظ تک اخذ کرتے تھے، لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہین، یورپ کو فن ادب اور روایت مین مہارت کیلئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے اور جب وہ زمانہ آئیگا تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی، [1] اصابہ ذکر حضرت ابو بکرؓ (حضرت ابو بکرؓ کا نام عبداللہ تھا اصابہ مین اسی نام کے ذیل مین حضرت ابو بکرؓ کا حال لکھا ہے) جلد ۲ صفحہ ۳۴۱) تم

[2] اصابہ ذکر حکیم بن حزام (جلد ۱ صفحہ ۳۴۹) "ش"

کا ہدیہ نہیں قبول کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں، مجبور ہو کر انھوں نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا، [1]

حضرت ضماد بن ثعلبہ، جو ازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، یہ بھی احباب خاص میں سے تھے، نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے، مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے، لونڈوں کا غول دیکھ کر ضماد نے یہی قیاس کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا، محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں، آپ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثر جملے ادا کئے، ضماد مسلمان ہو گئے، اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۲) میں ہے،

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے، ان میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہیں، انہی کے غلام تھے، ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا، اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا، [2]

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۳ [2] استیعاب (جلد ۲ صفحہ ۵۲۳) "س" و اصابہ۔

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ مین پیدا ہوئے، مکہ بت پرستی کا مرکزِ اعظم تھا، خود کعبہ مین تین سو ساٹھ بت تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا طغرائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، با اینہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتون کے آگے سر نہین جھکایا، دیگر رسومِ جاہلیت مین بھی کبھی شرکت نہین کی، قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگون سے ہر بات مین ممتاز رہنا چاہئے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایامِ حج مین قریش کے لئے عرفات جانا ضرور نہین؛ اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئین، وہ قریش کا لباس اختیار کرین ورنہ ان کو عریان ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[۱]، چنانچہ اسی بنا پر طوافِ عریان کا عام رواج ہو گیا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتون مین کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا،

عرب مین افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتون کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام مین جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن مین کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا[۲]، لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن مین ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ مین شریک ہونا چاہا تھا، لیکن اتفاق سے راہ مین شادی کا

---

[۱] ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اول صفحہ ۶۰، [۲] ابن ہشام صفحہ ۶۹،

کوئی جلسہ تھا، دیکھنے کے لئے کھڑے ہو گئے، وہیں نیند آگئی، اُٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔[1]

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اُس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت مین صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا، لیکن دونون دفعہ توفیقِ الٰہی نے بچا لیا کہ تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔[2]

یہ فطرتِ سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا، لیکن ایک شریعتِ کبریٰ کی تاسیس ایک مذہبِ کامل کی تشیید اور رہنمائی کونین کے منصبِ عظیم کے لئے کچھ اور درکار تھا، اسی زمانہ کے قرب مین اور حق پرستون (ورقہ۔ زید۔ عثمان بن حویرث) کے دل مین خیال آیا کہ جمادِ لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہی، چنانچہ سب مذہبِ حق کی تلاش کے لئے نکلے، لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے، اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے "اے خدا! اگر مجکو یہ معلوم ہوتا کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہئے تو مین اُسی طریقہ سے تجھکو پوجتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادین تھین، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا، لیکن دستِ قدرت کو جو کام لینا تھا، وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوبِ حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

مکۂ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہین، آپ مہینون وہان

---

(1) بزار و مستدرک بحوالہ نسیم الریاض ج اول صفحہ ۶۰۹ و خصائص کبریٰ سیوطی ج اول صفحہ ۸۸ (2) سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مین لکھتے ہین "ہماری تمام تصنیفات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ مین آپ کے چال چلن کی عصمت اور آپ کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہلِ مکہ مین کمیاب تھی، متفق ہین"۔

جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے، اور پھر واپس جا کر مراقبہ مین مصروف ہوتے،

صحیح بخاری مین ہے کہ غارِ حرا مین آپؐ تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے، یہ عبادت کیا تھی؟ عینی شرح بخاری مین ہے،

قیل ما کان صفۃ تعبّدہٖ اجیب — یہ سوال کیا گیا ہو کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب

بان ذٰلک کان بالتفکر والاعتبار — یہ ہو کہ غور و فکر اور عبرت پذیری،

یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستارون کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا، چاند نکلا تو اور بھی شبہہ ہوا، آفتاب پر اس سے زیادہ، لیکن جب سب نظرون سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اُٹھے،

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ..... — مین فانی چیزون کو نہین چاہتا،

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ — مین اپنا منہ اُس کی طرف کرتا ہون جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام - ۹) — زمین و آسمان پیدا کیا،

ایک مغربی مؤرخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے،

"سفر و حضر مین ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل مین ہزارون سوال پیدا ہوتے تھے، مین کیا ہون؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ مین کن چیزون کا اعتقاد کرون؟ کیا کوہ حرا کی چٹانین، کوہ طور کی سربفلک چوٹیان، کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالون کا جواب دیا؟ نہین ہرگز نہین، بلکہ گنبدِ گردان، گردشِ لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستارے،

برستے ہوے بادل، کوئی ان سوالون کا جواب نہ دیسکا"[1]

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب مین آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوے، جو کچھ آپؐ خواب مین دیکھتے تھے، بعینہٖ وہی پیش آتا تھا، ایک دن جب کہ آپؐ حسب معمول غارِ حرا مین مراقبہ مین مصروف تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپؐ سے کہ رہا ہے،

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ہ	پڑھ اُس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ہ اِقْرَءْ	آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ تیرا
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ	خدا کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ہ (اقرء)	سکھایا، وہ جس نے انسان کو وہ باتین سکھائین جو اُسے

آپؐ گھر واپس تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے،

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لوا گئین جو عبری زبان جانتے تھے، اور توریت وانجیل کے ماہر تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سُنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اُترا تھا۔

روایت مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا! حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپؐ متردد

---

[1] کو رائی ہمسرو تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کے انواع مین سے ایک خواب بھی ہے، صحیح بخاری کے شرح مین ہے اول ما بدء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم۔ بخاری کتاب التعبیر مین زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے

[2] صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر، یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا نہین ہوئی تھین، محدثین کی اصطلاح مین ایسی روایت کو مرسل کہتے ہین لیکن صحابہ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابلِ حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہؓ ہی ہون گے۔

نہ ہون، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا"۔ پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں، انھون نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے شبہہ یہ الفاظ نکلے "مجھکو ڈر ہے" لیکن یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلالِ الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارِ گران کی عظمت کا تحمل تھا) آپ نے کیا دیکھا؟ ناموسِ اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتین ہین جو الفاظ کا تحمل نہین کر سکتین،

صحیح بخاری باب التعبیر مین ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دین، دفعۃً حضرت جبرئیلؑ نظر آتے تھے، اور کہتے تھے:" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو" اس سے آپؐ کو اس وقت تسکین ہو جاتی تھی، لیکن جب پھر وحی کچھ دنون کے لئے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایان ہو کر تسکین دیتے کہ آپؐ واقعی خدا کے پیغمبر ہین،

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے حصۂ اول کی شرح مین معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت مین کیونکر شک ہو سکتا ہے، اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے"۔ پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ "نبوت ایک امرِ عظیم ہے، اس کا تحمل دفعۃً نہین ہو سکتا، اس لیے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا، پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپ اقتضائے بشریت سے خوف زدہ

ہو گئے، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی، پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا، محدثِ مذکور کے الفاظ یہ ہیں،

فلما سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ — جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا اور آپ نے اس کا اعتراف کیا۔

محدثِ مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "وحی بار بار اس لئے رُک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں[۱]"

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے سفرِ شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے تھے اس کی تمام شاخیں آپ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کیا" جبکہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا" جبکہ صحاح میں موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائش نکال کر پھینک دی" تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا، اور آپ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے اور بار بار حضرت جبرئیل کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی، کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا، حضرت موسیٰ نے درخت سے آواز سنی "کہ میں خدا ہوں" تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟

---

[۱] فتح الباری شرح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۷۔ مطبوعہ مصر،

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہین ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہین، یہ روایت امام زہری کے بلاغات مین سے ہے، یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہین بڑھتا، چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کردی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لئے سند مقطوع کافی نہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلین پیش نظر تھین، اگر آپ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائین یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائین، تو مشکل نہ تھی، لیکن خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کردینا تھا، اس لئے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا، سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے، اس غرض کے لئے صرف وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیضیاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپ کے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربون کی بنا پر آپ کے صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کرسکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھین، حضرت علیؓ تھے جو آپ کی آغوش تربیت مین پلے تھے، زیدؓ تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے، حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسون سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا، وہ سُننے سے پہلے مومن تھین پھر اور بزرگون کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے

لہ اصابہ فی احوال اصحابہ مین بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہئے،

حضرت ابوبکرؓ دولتمند، ماہر انساب، صاحب الرائے اور فیاض تھے، ابن سعد
نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، غرض ان اوصاف
کی وجہ سے مکہ مین ان کا عام اثر تھا، اور معززین شہر ان سے ہر بات مین مشورہ لیتے تھے ارباب
روایت کا بیان ہے کہ کبارِ صحابہ مین سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمنؓ بن
عوف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتحِ ایران، حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے
اسلام لائے[1]، اُن کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگون مین بھی پھیلا، اور مسلمانون کی تعداد
مین اضافہ ہوتا گیا، ان سابقین اولین مین عمارؓ، خبابؓ بن الارت، حضرت عثمانؓ، عبدالرحمنؓ
ابن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ، ارقمؓ، سعیدؓ بن زید، عبداللہؓ بن مسعود، عثمانؓ بن مظعون
عبیدہؓ، صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہین،

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا، نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمانِ خاص کے
سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے، نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی
مین چلے جاتے اور وہان نماز ادا کرتے، ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم
ہی مین ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جائز تھی[2]، ایک دفعہ آپ حضرت
علیؓ کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپ کے چچا ابوطالب آنکلے،
اُن کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہوگئے، اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد
پوچھا کہ یہ کون دین ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا، ابوطالب نے

---

[1] دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعہ مصر صفحہ ۵ [2] کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۱۵ ذکر الاختلاف فی اول من اسلم،

کہا مین اس کو اختیار تو نہین کر سکتا، لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہوسکیگا،

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے، اس مسئلہ پر مفصّل بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئے گی، لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہیئے، یعنی یہ کہ اوائلِ اسلام مین جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہات دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ مین جو لوگ اسلام لائے، ان مین چند خصائص مشترک تھے، اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص اُن لوگون مین بھی پائے جاتے تھے، جنھون نے شدت سے مخالفت کی، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق مین سرگردان اور فطرۃً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت مین بھی عفیف، پارسا، اور صدق و دیانت مین مشہور تھے، عثمان بنؓ مظعون صوفی مزاج تھے، اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے، اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بنجائین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، صہیبؓ عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے، جو اسلام سے پہلے تارکِ شراب ہو کر وفات پا چکے تھے، حضرت ابوذرؓ جن کا اسلام لانے والون مین چھٹا یا ساتوان نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بُت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح اُن کے ذہن مین آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے، اور نماز پڑھتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائین وہ مکہ مین آئے، اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوکر قرآن مجید کی سورتین سنین واپس جاکر ابوذرؓ سے کہا کہ "مین نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہین، وہ مکارمِ اخلاق سکھاتا ہے، اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہین کوئی اور چیز ہے، تمھارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے" ابوذرؓ کو تسکین نہین ہوئی، خود مکہ مین آئے و زبانِ مبارک سے آپ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کرلیا، وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے، ان کا عقیدہ تھا کہ (مسلمان کے لئے زرو مال کا جمع کرنا جائز نہین) چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ مین ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا[1]،

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو اخلاف کے تربیت یافتہ تھے یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بُت پرستی ترک کرچکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہین جانتے تھے، اور اس لئے تلاشِ حق مین سرگردان تھے، انہی مین زید بھی تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، انھون نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی، لیکن ان کے صاحبزادے سعیدؓ موجود تھے، وہ باپ کے ارشادات سُن چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آگیا جس کی جستجو مین اُن کے باپ دنیا سے چلے گئے، اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب مین مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصبِ اعظم مین سے کوئی

[1] حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے ہم نے دونون سے کچھ کچھ لیا ہے، لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتین چھوڑ دین،

منصب نہین رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت وجاہ کے دربار مین جگہ بھی نہین مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگون کو لے کر حرم مین جاتے تو روٴساے قریش ہنس کر کہتے،

أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا (انعام) یہی وہ لوگ ہین جنپر خدانے ہملوگون کو چھوڑ کر احسان کیا ہے

کفار کے نزدیک اُن کا افلاس اُن کی تحقیر کا سبب تھا، لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آسکتی تھی، دولت ومال ان کے دلون کو سیاہ نہین کرچکا تھا، فخر وغرور ان کو انقیادِ حق سے روک نہین سکتا تھا، ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دین گے تو کعبہ کا کوئی منصبِ عظیم ہاتھ سے جاتا رہیگا، غرض اُن کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعین اُن پر دفعۃً پرتو افگن ہوسکتی تھین، یہی سبب ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہین، عیسائیت کے ارکانِ اوّلین ماہی گیر تھے، حضرت نوحؑ کے مقربینِ خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا،

وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ (هود) اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہین کہ تیری پیروی انھی لوگون نے کی جو رذیل ہین اور ہم تو تم مین کوئی برتری نہین پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو،

یہ سابقینِ اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریان، جور وظلم کے شدائد، دولت ومال کی انتہائی ترغیبین، کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کرسکی، اور آخر انھی کمزور ہاتھون نے قیصر وکسریٰ کا تخت اُلٹ دیا،

تین برس تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرضِ تبلیغ

ادا کیا، لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہو چکا تھا، صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر-٦) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہو واشگاف کہدے،

اور نیز حکم آیا،

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء) اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوئے تو

آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے، تو تم کو یقین آئیگا؟

سب نے کہا "ہاں، کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے" آپ نے فرمایا "تو میں یہ کہتا

ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا" یہ سن کر سب لوگ جن میں

ابولہب آپ کا چچا بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے، (صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ

اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندان عبد المطلب مدعو کیا گیا، حمزہ، ابو طالب، عباس سب

شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لیکر

آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے، اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ

دے گا" تمام مجلس میں سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا، گو مجھ کو آشوب چشم

ہے، گو میری ٹانگیں تپلی ہیں، اور گو میں سب سے نوعمر ہوں، تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا۔[1]

---

[1] طبری نے تاریخ ج ۳ صفحہ ۱۱۷۱ اور تفسیر ج ۱۹ صفحہ ۶۸ میں، عبد الغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو کے واسطے سے اس کو روایت کیا ہے، پہلا شیعی اور متروک ہے اور دوسرا بد مذہب، اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف، بلکہ وجوہ وضع ہیں) "س"

قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن مین ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہین، حاضرین کو بیساختہ ہنسی آگئی، لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتادیا کہ یہ سراپا سچ تھا،

اب مسلمانون کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس[1] سے زیادہ تھی، آپنے حرم کعبہ مین جاکر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی، اس لئے دفعةً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارث رض بن ابی ہالہ گھر مین تھے، ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوے آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا، لیکن ہر طرف سے اُن پر تلوارین پڑین اور وہ شہید ہو گئے، اسلام کی راہ مین یہ پہلا خون تھا، جس سے زمین رنگین ہوئی،

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا، اور جس کی وجہ سے وہ ہمسایگانِ خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے، اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے، اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا، یہان تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کئے گئے، جنکی تفصیل یہ ہے[2]:

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
حجابة	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحة

[1] اصابہ فی احوال الصحابۃ ذکر حارث رض بن ابی ہالہ۔

[2] یہ تمام تفصیل عقد الفرید، جلد دوم صفحہ ۳۱ سے ماخوذ ہے، مین سے۔

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلعم کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے
رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندانِ نوفل	حرث بن عامر
سقایۃ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندانِ ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ		خاندانِ اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات ومغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندانِ تیم	حضرت ابوبکرؓ
عُقاب	علم برداری	خاندانِ امیۃ	ابوسفیان
قبۃ	خیمہ وخرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندانِ مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت ومنافرت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبیلوں میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے اُس کا فیصلہ کرنا	خاندانِ عدی	حضرت عمرؓ
ازلام وایسار	فال کا انتظام	خاندانِ جمح	صفوان بن اُمیۃ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندانِ سہم	حُرث بن قیس

آغازِ اسلام میں جو لوگ قریش کے روسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا، ان کے نام یہ ہیں،

ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہؓ کے باپ)	حربِ فجار میں انہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا
ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار،

ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیسِ اعظم تھا،
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمروؓ بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند، کثیرالاولاد اور صاحب اثر تھا،
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا،

ان کے سوا، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث بن کلدۃ، اخنس بن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط صاحبِ اثر تسلیم کئے جاتے تھے، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خاندانِ ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں مین مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی،

پہلا سبب

ناتربیت یافتہ اور تند خو قومون کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو اُن کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کردیتی ہے، اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہین ہوتی، اور ان کی تشنگیٔ انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہین سکتی، آج ہندوستان اس قدر مہذب ہوگیا ہے، لیکن اب بھی کسی عام مسئلۂ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہوجاتا ہے، اور حکومتِ موجودہ اگر منتظم اور صاحبِ جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا،

عرب ایک مدت سے بُت پرستی مین مبتلا تھا، خلیلِ بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ ۳۶۰ معبودون سے مزین تھی، جن مین ہبل خدائے اعظم تھا، یہی بُت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، پانی برساتے تھے، اولادین دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ مین فتحین دلاتے تھے، خدا، یا تو سرے سے نہ تھا، یا تھا تو وجود معطل تھا،

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی، اور ان مین جن لوگون کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اُسی قدر مخالفت مین زیادہ سرگرم تھے

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیۃ تھا، چنانچہ حرب فجار مین وہی سپہ سالار اعظم تھا، لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہین رکھتا تھا، اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش مین امتیاز رکھتا تھا،

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیۃ کے خاندان کا سردار وہی تھا، خاندان ہاشم مین سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا،

قبیلہ سہم مین سب سے زیادہ با اثر **عاص بن وائل** تھا، جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا، قریش کی عنان حکومت انہی رؤسا کے ہاتھ مین تھی، اور یہی لوگ تھے جنھون نے اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، امیۃ بن خلف، عقبہ بن ابی معیطان ہی لوگون کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ سے اعدائے اسلام مین ان کے نام ہر جگہ نمایان نظر آتے ہین،

قریش کا یہ خیال تھا کہ **نبوت** کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى	اور لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا تو ان او
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ،	شہروں (مکہ و طائف) میں سے کسی رئیس اعظم
(زخرف - ۳)	پر اترنا تھا (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)

عرب میں ریاست کیلئے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب ضروری شرط تھی اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال ہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے،
ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے، وہ ولید بن المغیرۃ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی، اور ابو مسعود ثقفی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا، اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی،

تیسرا سبب

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش)، جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا، عیسائی تھا، یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیوں کے مقابلہ میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے، ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اتری،

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ	قریب ملک میں رومی مغلوب ہو گئے لیکن یہ لوگ
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ	مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آجائیں گے
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ	خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان

مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (روم-۱)   اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے،

اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں،

وہ تھا سبب

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم و بنو امیہ، عبد المطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا، لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا، ابو طالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے لیکن فیاض نہ تھے، ابولہب بدچلن تھا، اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں، اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا؛

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالی تھی، اموی تھا، بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا، وہ بنو مخزوم تھے، ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اس لئے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت

مخالفت کی، ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے، ایک دفعہ اخنس ابن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟"

ابوجہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آلِ ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے، انھون نے مہمانداریان کین تو ہم نے بھی کین، انھون نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیے، انھون نے فیاضیان کین تو ہم نے اُن سے بڑھ کر کین، یہان تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا، تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین، خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے

پانچوان سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین سخت بداخلاقیان پھیلی ہوئی تھین، بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیون کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندانِ ہاشم مین سب سے زیادہ ممتاز تھا، اس نے حرمِ محترم کے خزانہ سے غزالِ زرین چرا کر بیچ ڈالا تھا[1] اخنس ابن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤساے عرب مین شمار کیا جاتا تھا، نمّام اور کذّاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر اربابِ جاہ مختلف قسم کے اعمالِ شنیعہ مین گرفتار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیان بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بداخلاقیون پر سخت دار وگیر کرتے تھے جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی قرآن مجید مین پیہم علانیہ ان بدکارون کی شان مین آیتین نازل ہوتی تھین اور گو طریقۂ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مصر ۲؎ حرم مین ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ مین محفوظ تھا، ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا، یہ واقعہ عموماً تاریخون مین مذکور ہے، ابن قتیبہ نے بھی معارف (صفحہ ۵۵ مطبوعہ مصر) مین اس کا ذکر کیا ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ
هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ
زَنِيمٍ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ
(سورۂ قلم)

اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے،
تہمت باندھتا ہے طعن دیتا ہے چغلیاں لگاتا ہے، لوگوں کو اچھے
کاموں سے روکتا ہے، حد سے بڑھ گیا ہے، بدخو تند
ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بتاتا ہے،
اس لئے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)

وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے
بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے،

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا، لیکن مدت کی عربی نخوت، دولت و اقتدار کا فخر، ریاست کا زعم ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبردار نہ ہوتے، اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کئے جاتے تھے،

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا وَ
جَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا وَ
بَنِينَ شُهُودًا وَمَهَّدْتُ لَهُ
تَمْهِيدًا ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ
كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا۔ (مدثر)

ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو، میں نے اس کو پیدا کیا،
پھر بہت سا مال دیا، بیٹے دیئے، سامان دیا، پھر
چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں۔ ہرگز نہیں، وہ
ہماری آیتوں کا دشمن ہے؛

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے، جو قریش کا سرتاج تھا، اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا،

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکسان تھا یہ تھا کہ جو معبود سیکڑون برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا، اور ان کی شان مین کہتا تھا،

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ — بلاشبہ تم اور جن چیزون کو تم خدا کو چھوڑ کر

حَصَبُ جَهَنَّمَ، (سورۂ انبیاء) — پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہون گے،

قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن مین سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لئے کافی تھا، توقع یہ تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خونریزیان شروع ہو جاتین، لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے، قریش خانہ جنگیون مین تباہ ہو چکے تھے، اور حربِ فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے، قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی، کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے، مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لئے کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے، یہ آگ بجھ نہین سکتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لئے نہایت آسان تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑین گے، اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ مین مبتلا ہو جائے گا، بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے، اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس مین دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہون، اس لئے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا

بلکہ سیکڑون تھے، اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا،

رؤسائے قریش مین متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے، وہ بدنفسی کی وجہ سے نہین بلکہ اپنے خیال مین نیک نیتی کی بناپر مخالفت کرتے تھے، اس بناپر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح وآشتی سے طے ہوجائے،

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ دعوت کیا اور بُت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززون نے ابوطالب سے آکر شکایت کی، ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کردیا، لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لئے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی، اس مین تمام رؤسائے قریش، یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابوسفیان، عاص بن ہشام، ابوجہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگون نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباواجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لئے یا تو تم بیچ مین سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان مین آؤ کہ ہم دونون مین سے ایک کا فیصلہ ہوجائے، ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہوگئی ہے، قریش اب تحمل نہین کرسکتے اور مین تنہا قریش کا مقابلہ نہین کرسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظون مین کہا کہ جانِ عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ مین اٹھا نہ سکون" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(لہ یہ آیت غالباً انہی لوگون کی شان مین ہی، وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذارسانی سے تو لوگون کو منع کرتے تھے، لیکن آپکے دعوائے نبوت سے دور ہٹتے تھے" اعنا ذکرابی طالب بحوالہ عبدالرزاق۔ س)

ظاہری پشت وپناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لاکر دیدیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤنگا خدایا اس کام کو پورا کرے گا، یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا" آپ کی پُراثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کرسکتا"[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوتِ اسلام میں مصروف ہوئے، قریش اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کرسکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، راہ میں کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے میں جسمِ مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیاں کرتے تھے، ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے، قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں، انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام ونمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کرسکتا ہے، قریش نے بھی یہی خیال کیا، اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کرسکتے ہیں، اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۹ - امام بخاری نے بھی تاریخ میں یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے،

ہو جائے، لیکن ان باتون سے باز آؤ؛ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا،
لیکن ان سب ترغیبات کے جواب مین آپ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین،

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ	اے محمد کہدے کہ مین تمہین جیسا آدمی ہون
اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا	مجھ پر وحی آتی ہو کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہی بس
اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ، (حم- السجدة)	سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اسی سے معافی مانگو
قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ	کہدے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے
خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ	دو دن مین یہ زمین پیدا کی، اور تم خدا کے شریک
لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہی

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا، اُس نے قریش سے جا کر کہدیا کہ "محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہین، وہ شاعری نہین کوئی اور چیز ہے، میری راے یہ ہو کہ تم ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائین گے تو یہ تمہاری ہی عزت ہی، ورنہ عرب انکو خود فنا کردیگا" لیکن قریش نے یہ راے نامنظور کی،

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۶ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام مین سے حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی، وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے، اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونون نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا، اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے، لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا مذاقِ طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منھ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے،

دن دن بھر شکار مین مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے، طواف کرتے، قریش کے رؤسا صحنِ حرم مین الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے، بیگانون سے بھی دیکھا نہ جا سکتا تھا، ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپ کے ساتھ نہایت گستاخیان کین، ایک کنیز دیکھ رہی تھی، حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اُس نے تمام ماجرا کہا، حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے، تیر و کمان ہاتھ مین لیے حرم مین آئے اور ابوجہل سے کہا "مین مسلمان ہو گیا ہون"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوشِ حمایت مین انھون نے اسلام کا اظہار تو کر دیا، لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دون، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دینِ حق یہی ہے، [1] وُہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے

حضرت عمرؓ کا ستائیسوان سال تھا کہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوے، حضرت عمرؓ کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز

[1] حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے، لیکن یہ اخیر واقعہ مین نے صرف روض الانف مین دیکھا ہے [2] حضرت عمرؓ کا قبول اسلام مین الفاروق مین مفصل لکھ چکا تھا، اسی کو بعینہٖ یہان نقل کر دیا ہے، کہین کہین بعض الفاظ یا جملے بدل دیے ہین (جامع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتین سیرۃ النبیؐ جلد سوم باب استجابتِ دعا مین مفصل درج کر دی ہین، وہان دیکھی جائین "س")

نامانوس نہین رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئین، اسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، اُن کے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے، یہان تک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے، لُبینہؓ اُن کے خاندان کی کنیز تھی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "دم لے لون تو پھر مارون گا" لُبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہین کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے، آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، کارکنان قضا نے کہا ع آمد آن یارے کہ ما می خواستیم،

راہ مین اتفاقاً نعیمؓ بن عبد اللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہون، انھون نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمھارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہین، فوراً پلٹے اور بہن کے ہان پہونچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھین، اُن کی آہٹ پا کر چپ ہوگئین، اور قرآن کے اجزا چھپا لئے، لیکن آواز اُن کے کانون مین پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولین کچھ نہین، انھون نے کہا مین سن چکا ہون تم دونون مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہوئے، اور جب اُن کی بہن

بچانے کو آئین تو اُن کی بھی خبر لی، یہان تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولین کہ عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نکل نہین سکتا" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لاکر سامنے رکھدیئے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی؛

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (حدید-۱) — ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہان تک کہ جب اس آیت پر پہنچے،

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید-۱) خدا پر اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہین،

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ — اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہین،

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان مین جو کوہ صفا کی تلی مین واقع تھا، پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے تھے صحابہؓ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کردون گا" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے، اور اُن کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیون عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟"

نبوت کی پُر جلال آواز نے اُن کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ایمان لانے کے لئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اُٹھے، اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں[1]،

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ مین نیا دور پیدا کر دیا، اُس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان اپنے فرائضِ مذہبی علانیہ نہین ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی، انھون نے علانیہ اسلام ظاہر کیا، کافرون نے اوّل اوّل بڑی شدت کی، لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، یہان تک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جا کر نماز ادا کی، ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی زبانی ان الفاظ مین روایت کیا ہے،

فلما اسلم عمر قاتل قریشًا	جب عمر اسلام لائے تو قریش سے لڑے
حتی صلّی عند الکعبۃ وصلّینا	یہان تک کہ کعبہ مین نماز پڑھی اور اُن کے
معہ،	ساتھ ہم لوگون نے بھی پڑھی

صحیح بخاری مین ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا، اُس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے، لوگون نے کہا عمر مرتد ہو گئے، عاص ابن وائل نے کہا اچھا تو کیا ہوا مین نے عمر کو پناہ دی،

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر وکامل ابن الاثیر،

تهذیب لعین | رسوخ عزم، قوتِ ارادہ، شدتِ عمل انسان کے اصلی جوہر ہین اور داد کے

قابل ہین لیکن انہی اوصاف کا رُخ جب بدل جاتا ہے تو وہ سخت دلی، بیرحمی، درندہ طبعی

اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہین،

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر

صحابہ کو اُن کے قبیلون نے اپنے حصارِ حفاظت مین لے لیا، تو قریش کا طیش و غضب

ہر طرف سے سمٹ کر اُن غریبون پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان مین کچھ غلام اور

کنیزین تھین، کچھ غریب الوطن تھے، جو دو ایک پشت سے مکہ مین آرہے تھے، اور کچھ

کمزور قبیلون کے آدمی تھے، جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہین رکھتے تھے، قریش نے ان کو اس

طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ مین اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے،

یہ آسان تھا کہ مسلمانون کے خس و خاشاک سے سرزمین عرب دفعۃً پاک کر دیجاتی

لیکن قریش کا نشۂ انتقام اس سے اتر نہین سکتا تھا، مسلمان اگر اپنے مذہب پر

ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کر دیئے جاتے تو اس مین جس قدر قریش کی تعریف نکلتی،

اس سے زیادہ اُن بیکسون کا صبر و استقلال داد طلب ہوتا، قریش کی شان اس

وقت قائم رہ سکتی تھی جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر پھر قریش کے مذہب

مین آجاتے، یا شاید ان کو مسلمانون کی سخت جانی کا امتحان لینا، اور اس کی داد

دینا منظور تھا،

قریش مین ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ انکا

۔ تون کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے، اُن کے آبا و اجداد کی تحقیر کی جاتی ہے، قابل احترام معبودون کی عظمت مٹی جاتی ہے، یہ لوگ صرف حسرت و افسوس کرکے رہ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ چند خام طبعون کے دماغ مین خلل آگیا ہے، عقبہ، عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے، لیکن ابو جہل، امیّہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا،

مسلمانون پر ظلم کے طریقے

بہرحال قریش نے جور و ظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کئے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو وہ غریب مسلمانون کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبون کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائین، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے، پانی مین ڈبکیان دیتے،

یہ مصیبتین، اگرچہ تمام بیکس مسلمانون پر عام تھین، لیکن ان میں جن لوگون پر قریش زیادہ مہربان تھے اُن کے نام یہ ہین:۔

حضرت خبابؓ بن الارت تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے، ام انمار نے خرید لیا تھا یہ اُس زمانہ مین اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر مین مقیم تھے، اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے، قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفین دین، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پانون رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائین، یہان تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے

لہ یہ واقعات، ابن سعد نے حضرت بلالؓ و صہیبؓ کے حال مین بتفصیل لکھے ہین، دیکھو کتاب مذکور، جلد ثالث تذکرہ صحابۂ بدر،

پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے، خبابؓ نے مدتون کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی[۱] حضرت خبابؓ جاہلیت مین لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگون کے ذمہ اُن کی لقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد کا انکار نہ کروگے، ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہین، جبتک تم مرکر پھر جیو نہین[۲])

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلالؓ ہین جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہین، حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائین، اُن سے کہتا کہ اسلام سے باز آؤ ورنہ یون ہی گھٹ گھٹ کر مرجائے گا، لیکن اس وقت بھی اُن کی زبان سے "احد" کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوے تو گلے مین رسّی باندھی اور لونڈون کے حوالے کیا، وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے، لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَدْ اَحَدْ،

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے، ان کے والد "یاسر" مکہ مین آئے، ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیّہ تھا، شادی کردی، عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے، قریش اُن کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے، ان کے والد اور والدہ کے ساتھ

[۱] طبقات ابن سعد جلد سوم، تذکرہ خبابؓ، [۲] صحیح بخاری صفحہ ۶۹۰ (ج ۲) س

بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا،

حضرت سمیہؓ، حضرت عمارؓ کی والدہ تھین، اُن کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم مین برچھی ماری اور ہلاک ہوگئین،

حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ کے والد تھے، یہ بھی کافرون کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے،

حضرت صہیبؓ، یہ رومی مشہور ہین، لیکن درحقیقت رومی نہ تھے اُن کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے اُبلہ کے حاکم تھے، اوران کا خاندان موصل مین آباد تھا، ایک دفعہ رومیون نے اس نواح پر حملہ کیا، اور جن لوگون کو قید کرکے لے گئے ان مین حضرت صہیبؓ بھی تھے یہ روم مین پلے، اس لئے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے، ایک عرب نے اُن کو خریدا، اور مکہ مین لایا، یہان عبداللہ بن جدعان نے اُن کو خرید کرکے آزاد کردیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت اسلام شروع کی، تو یہ اور عمارؓ بن یاسر ایک ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اسلام کی ترغیب دی، اور یہ مسلمان ہوگئے[1]

قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے، کہ اُن کے حواس مختل ہوجاتے تھے، جب انھون نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جاسکتے ہو انھون نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔

---

[1] ابن الاثیر و ذکر تعذیب المستضعفین، ابن الاثیر نے لکھا ہے، کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے مکان مین چلے آئے تھے، اور جبکہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لاچکے تھے،

حضرت ابو فکیہہؓ، صفوان بن امیۃ کے غلام تھے، اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے
امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُن کے پانون مین رسّی باندھی اور آدمیون سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے
لے جائین اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائین ایک گبریلا راہ مین جارہا تھا، امیہ نے ان سے کہا
"تیرا خدا یہی تو نہین ہے" انھون نے کہا "میرا اور تیرا دونون کا خدا اللہ تعالیٰ ہے"۔ اس پر
امیہ نے اس زور سے اُن کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا، ایک دفعہ اُن کے سینہ
پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ اُن کی زبان نکل پڑی،

حضرت لبینہؓ، یہ بیچاری ایک کنیز تھین، حضرت عمرؓ[1] اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے
تو کہتے تھے کہ "مین نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہین بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا
ہون" وہ نہایت استقلال سے جواب دیتین کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤگے تو خدا اس کا انتقام لیگا"

حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھین، اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام
سے پہلے) اُن کو جی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے اُن کو اس قدر مارا کہ اُن کی آنکھین جاتی رہین

حضرت نہدیہؓ اور اُم عبیسؓ، یہ دونون بھی کنیزین تھین اور اسلام لانے کے جرم مین
سخت سے سخت مصیبتین جھیلتی تھین

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انھون نے ان مظلومون مین سے
اکثرون کی جان بچائی، حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ سب کو
بھاری بھاری دامون پر خریدا اور آزاد کردیا،

---

[1] حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے،

یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں، ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے،

حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے جب اسلام لائے، تو دوسرون نے نہین بلکہ خود اُن کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا[1] حضرت ابوذرؓ جو ساتوین مسلمان ہین جب مسلمان ہوئے اور کعبہ مین اپنے اسلام کا اعلان کیا، تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا[2]

حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والون مین پانچوان نمبر تھا جب اسلام لائے تو اُن کے چچا اُن کو چٹائی مین لپیٹ کر اُن کی ناک مین دھوان دیتے تھے[3] حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیون سے باندھ دیا[4]

لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بیرحمیان، یہ عبرت خیز سفاکیان، ایک مسلمان کو بھی راہِ حق سے متزلزل نہ کرسکین، ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا،

"عیسائی اس کو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیرؤون مین پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیرؤون مین تلاش کرنا بے فائدہ ہے.... جب عیسیٰ کو سولی پر لے گئے تو اُن کے پیرو بھاگ گئے، ان کا نشۂ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ مین گرفتار چھوڑ کر چلدیے؛ ..... برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو، اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور

---

(۱) طبقات ترجمہ عثمانؓ بن عفان (۲) بخاری ج ۱ ص ۴۴-۵۴۵ باب اسلام ابی ذرؓ (۳) ریاض النضرۃ للمحب الطبری (۴) بخاری صفحہ ۱۰۲۶- اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہین لائے تھے (ص)

آپکے بچاؤ مین اپنی جانین خطرہ مین ڈال کر کل دشمنون پر آپ کو غالب کیا،[1]

ہجرت حبش ۵ نبوی قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو حجرت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان نثارانِ اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائین حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا، وہان کے حالات پہلے سے معلوم تھے، اہلِ عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی[2] کہتے تھے، اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی،

جان نثارانِ اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانۂ صبر لبریز نہین ہو سکتا تھا، لیکن مکہ مین رہ کر فرائضِ اسلام کا آزادی سے بجا لانا ممکن نہ تھا، اس وقت تک حرمِ کعبہ مین کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتا تھا حضرت عبد اللہ بن مسعود جب اسلام لائے تو انھون نے کہا مین اس فرض کو ضرور ادا کرون گا، لوگون نے منع کیا، لیکن وہ باز نہ آئے حرم مین گئے اور مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ الرحمٰن پڑھنا شروع کیا. کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور اُن کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کئے. اگرچہ انھون نے جہان تک پڑھنا تھا پڑھ کر ختم کیا، لیکن واپس گئے تو چہرہ[3] پر زخم کے نشان لیکر گئے (حضرت ابو بکرؓ جاہ و اقتدار مین دیگر رؤسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتے تھے، اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لئے آمادہ ہو گئے[4])

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہان جاتا

---

[1] ابا بو جی گاڈ فری ہیگنس ترجمۂ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء [2] نجاشی حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے، جس کے معنی حبشی مین بادشاہ کے ہین، نجاشی کا نام "اصحمۃ" تھا، بخاری باب موت النجاشی) "س"
[3] طبری صفحہ ۱۱۸۰ ج ۳ "س" [4] بخاری باب ہجرت مدینہ) "س"

وہان اسلام کی شعاعین خود بخود پھیلتی تھین،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اوّل اوّل گیارہ مرد اور چار عورتون نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہین

۱- حضرت عثمانؓ (بن عفان)	مع اپنی زوجہ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے، جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی تھین،
۲- (حضرت) ابو حذیفہؓ بن عتبہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) سہلہؓ (بنت سہیل) تھا،	ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا لیکن چونکہ سخت کافر تھا، اس لئے ان کو گھر چھوڑنا پڑا،
۳- (حضرت) زبیرؓ بن العوام،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے،
۴- (حضرت) مصعبؓ بن عمیر	ہاشم کے پوتے تھے،
۵- (حضرت) عبدالرحمنؓ بن عوف،	مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ مین شمار کئے جاتے ہین، قبیلۂ زہرہ سے تھے اور اسی بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ننہالی رشتہ دار تھے،
۶- (حضرت) ابو سلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومی مع اپنی زوجہ حضرت اُم سلمہ (بنت ابی امیۃ) کے،	یہ ام سلمہ وہی ہین جو ابو سلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مین آئین،
۷- (حضرت) عثمانؓ بن مظعون جمحی،	مشہور صحابی ہین،

۸- (حضرت) عامرؓ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) لیلیٰؓ (بنت ابی حثمہ) تھا،	سابقین اولین مین ہین، بدر مین بھی شریک تھے، حضرت عثمانؓ نے سفرِ حج مین اُن کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)
۹- (حضرت) ابو سبرۃؓ بن ابی رُہم،	اُن کی مان برۃ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی تھین، یہ سابقین فی الاسلام مین ہین، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ مین گئے تھے
لہ (یا)	
۱۰- (حضرت ابو) حاطبؓ بن عمرو،	بدر مین شریک تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی، (اصابہ)

(لہ حبشہ کے مہاجرینِ اول کی تعداد اور ان کے تعین مین کسی قدر اختلاف ہے:-

ابن اسحاق نے مردون میں ان ہی دسؔ آدمیون کا نام لیا ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہین کہ یہ ہجرت اولیٰ مین نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ مین تھے (فتح الباری ج ۷، ص ۱۴۳) واقدی نے مردون میں گیارؔہ صاحبون کی ہجرت کا ذکر کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انھون نے حضرت ابو سبرہؓ اور حضرت ابو حاطبؓ دونون کو مہاجرین مین شمار کیا ہو اور ابن اسحاق ان مین سے ایک کو تسلیم کرتے ہین، اس سلسلہ مین واقدی سے ایک بڑی فروگذاشت یہ ہوئی کہ انھون نے گیارؔہ مردون کو مہاجرین حبش بتلایا لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی، تو اس مین بارؔہ آدمیون کا نام لیا یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی اضافہ کیا، (زرقانی علی المواہب ج اول ص ۳۱۴) حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس فروگذاشت پر گرفت کی ہو (فتح الباری ج ۷، ص ۱۴۳) ابن سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے، جن کا ذکر واقدی نے کیا ہے، (ابن سعد اول ص ۱۳۶) ابن سید الناس نے بھی بہ روایت زہری بارہ آدمیون کا ذکر کیا ہو، مگر انھون نے حضرت زبیرؓ کے بجاے حضرت سلیطؓ بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول ص ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہین، وہ حضرت حاطب بن عمروؓ اور حضرت سہیلؓ بن بیضا کے بجاے حضرت حاطبؓ بن حارث اور حضرت ہاشمؓ بن عمرو کا نام لیتے ہین (زرقانی اول ص ۳۱۴) اسی طرح "

(ہجرت کرنے والی خواتین میں بعض لوگ حضرت ابوسبرہؓ کی بیوی حضرت ام کلثومؓ بنت سہیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کا اضافہ کرتے ہیں) "س"

۱۰- (حضرت) سہیلؓ بن بیضا،

۱۱- (حضرت) عبداللہؓ بن مسعود، | مشہور صحابی اور مجتہدینِ صحابہ مین داخل ہین،

ان لوگون نے ۵ نبوی ماہ رجب مین سفر کیا حسنِ اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جارہے تھے، جہاز والون نے سستے کرایہ پر اُن کو بٹھالیا، ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے، قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب مین آئے لیکن موقع نکل چکا تھا،

عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت اُنہی لوگون نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا، لیکن فہرستِ مہاجرین مین ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہین، حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے، جو سب سے زیادہ صاحبِ اقتدار خاندان تھا، متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہین، عبدالرحمنؓ بن عوف اور ابو سبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے، اس بنا پر زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم وستم بیکسون پر محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ظلم وستم سے محفوظ نہ تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگارون کے بستر پر سونا پڑا تھا، یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ، ان لوگون کا نام مہاجرینِ حبش کی فہرست مین نظر نہین آتا، اس لئے یا تو اُن کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے،

دلم زجورِ تو آسودہ است ومی نالم | کہ غیر پے نہ برد لذتِ خدنگِ ترا

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش میں امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے، لیکن قریش یہ خبریں سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتے تھے، آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو، عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتحِ مصر) اس کام کے لئے منتخب ہوئے[1]، نجاشی اور اُس کے درباریوں میں سے ایک ایک کے لئے گراں بہا تحفے مہیا کئے گئے[2] اور نہایت سر و سامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی، یہ سفرا، نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اور ان کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، ہم نے ان کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے، کل ہم بادشاہ کے دربار میں اُن کے متعلق جو درخواست پیش کریں، آپ بھی ہماری تائید فرمائیں، دوسرے دن سفرا، دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں، درباریوں نے بھی تائید کی، نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے؟"

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا انھوں نے اس طرح تقریر شروع کی:

"اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے،

(1) مسند احمد ج ا ص ۲۰۲ (2) ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا، اور کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ شام وغیرہ کو جو مالِ تجارت لیجاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا، (مسند امام ابن حنبل میں تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا، مسند ابن بیت)

بدکاریان کرتے تھے، ہمسایون کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزورون کو کھاجاتے تھے، اس اثنا مین ہم مین ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق ودیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اُس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین، سچ بولین، خونریزی سے باز آئین، یتیمون کا مال نہ کھائین، ہمسایون کو آرام دین، عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اُس پر ایمان لائے، شرک اور بُت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اُسی گمراہی مین واپس آجائین"

نجاشی نے کہا "جو کلام الٰہی تمھارے پیغمبر پر اترا ہے کہین سے پڑھو" حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتین پڑھین، نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونون ایک ہی چراغ کے پرتو ہین" یہ کہہ کر سفراے قریش سے کہا، تم واپس جاؤ مین ان مظلومون کو ہرگز واپس نہ دون گا"

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار مین رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہین، نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین ان لوگون کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہین تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہوجائے گا، حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیے،

غرض یہ لوگ دربار مین حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق

کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھالیا اور کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔" بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔

اسی اثنا میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا، نجاشی اس کے مقابلہ کے لئے خود گیا، صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لئے آئیں، حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے، لیکن انہوں نے اس خدمت کے لئے اپنے کو پیش کیا، مشک کے سہارے دریائے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے، ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لئے خدا سے دعا مانگتے تھے، چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۰۱۰ کتاب التفسیر (۲) ص ۲۲۵ (۳) مارگولیس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کرکے پیدا کی ہے، فرماتے ہیں کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لئے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا، اس لئے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کرکے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے، اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کرکے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا، لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائیگا، مجھ کو کیا ہاتھ آئیگا، اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔" یہ بالکل بے ثبوت بات ہے،
صاحب موصوف کو حضرت جعفرؓ کی تقریر و مکالمت میں اس بنا پر شک ہے کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا، حالانکہ اس زمانہ میں (راولنسن) عربی زبان عام طور سے حبش میں بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے، (کیونکہ یہ دونوں زبانیں باہم نہایت قریب ہیں، ثانیاً درباروں میں ترجمان ہوتے تھے، جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ میں مذکور ہے، بخاری باب بدء الوحی)" ص

واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی،

حبش مین کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے، چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ سُن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا، لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے، اس لئے بعض لوگ واپس چلے گئے، اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ مین آگئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخون مین مذکور ہے، اور ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن ان کتابون مین اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مین ایک دفعہ نماز ادا کی، کفار بھی موجود تھے، جب آپؐ نے یہ آیت پڑھی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الۡاُخۡرٰی تو شیطان نے آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے،

تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی،	یعنی (یہ بُت) معظم و محترم ہین، اور اُن کی شفاعت مقبول ہے،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپؐ کی متابعت کی،

لہ یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ مین مذکور ہین، ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہین، لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہین کیا ہو؛ امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلۂ روایت یہ ہو: محمد بن اسحاق، زہری، ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی، ام سلمہؓ یہ سب رواۃ ثقہ ہین اور سب اخیر راوی حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ اور خود اس واقعہ مین شریک تھین، وہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد مین نہین آئی تھین، بلکہ اپنے پہلے شوہر ابوسلمہؓ بن عبد الاسد کے ساتھ حبش مین ہجرت کر کے گئی تھین، مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے،

(اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن وانس نے حضورؐ کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا، صحیح ہے جیسا کہ صحیح بخاری باب[1] (قولہ فاسجدوا للہ واعبدوا) میں مذکور ہے، مگر باقی) قصہ بیہودہ اور ناقابلِ ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی[2]، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نوویؒ نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے، ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابو معشر[3] شہرتِ عام رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمالِ فنِ حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے، اس روایت کی صحت پر اصرار ہے، چنانچہ لکھتے ہیں[4]،

وقد ذکرنا ان ثلاثۃ اسانید منھا علی شرط الصحیح وھی مراسیل یحتج بمثلھا من یحتج بالمراسیل

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں

[illegible]

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیتِ ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

---

(1) کتاب التفسیر سورۂ نجم س) (2) دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ وشفائے قاضی عیاض وعینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم و نور النبراس، علامہ نووی کے یہ الفاظ ہیں، لا یصح فیہ شیئ لا من جھۃ النقل ولا من جھۃ العقل، اور علامہ عینی لکھتے ہیں فلا صحۃ لہ نقلا ولا عقلا (3) دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرتِ حبشہ (4) زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۳۰،

لَا تَسْمَعُوْا لِھٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ (حٰمٓ السجدۃ) — اس قرآن کو نہ سنو، اور اس مین گڑبڑ کرو، شاید تم غالب آؤ،

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے،

واللات والعزی ومناۃ الثالثۃ الاخری فانھن الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی — لات، اور عزٰے اور تیسرے بُت مناۃ کی قسم یہ بلند و بزرگ ہین، اور اُن کی شفاعت کی اُمید ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۂ والنجم کی وہ آیتین پڑھین تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز مین ملا کر پڑھ دیئے ہون گے، دور کے لوگون کو (کفار مین سے) شبہہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے وہ الفاظ ادا کئے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانون مین ہوا ہوگا، تو لوگون نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہدیئے ہون گے، اس واقعہ نے روایتون مین صورت بدل کر یہ صورت اختیار کرلی کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے، اس لئے راویون نے اس روایت کو تسلیم کرلیا،

یہ صرف قیاس نہین بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے، مواہب مین ہے،

قیل انہ لما وصل الی قولہ — بعض لوگون نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] معجم البلدان لفظ عزیٰ،

ومنوٰۃ الثالثۃ الاخریٰ خشی	اس آیت پر پہنچے ومناۃ الثالثۃ الاخری تو مشرکون
المشرکون ان یاتی بعدھا شیئ	کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب اُن کے معبودون کی کچھ
یذم الھتھم فبادروا الی ذلک	برائی کا بیان ہوگا، اس بنا پر انھون نے جھٹ
الکلام فخلطوہ فی تلاوۃ	سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت مین یہ
النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی	فقرے غلط کر کے پڑھ دیئے، جیسا کہ اُن کی
عادتھم فی قولھم لا تسمعوا	عادت تھی کہ کہتے کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور
لھذا القرآن والغوا فیہ	اس مین گڑبڑ مچا دو، یا شیطان سے شیطان
او المراد بالشیطان شیطان الجن	آدمی مراد ہے،

جو لوگ حبش سے واپس آگئے تھے، اہل مکہ نے اب اُن کو اور زیادہ ستانا شروع کیا، اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی. کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہوسکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریبًا سو تک پہنچتی ہے، مکہ سے نکل گئے، اور حبش مین اقامت اختیار کی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فورًا واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۷ھ مین اُن کو بلالیا۔[1]

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزورون اور بیکسون پر محدود نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، اُن کے یاور اور انصار بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے بعض مورخون نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہین کیا اور بعض نے نہایت اختصار کیساتھ ذکر کیا ہے،

آگئے، اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا، برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے، وہان تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اُس نے پوچھا کہان ؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا میری قوم مجھ کو رہنے نہین دیتی، چاہتا ہون کہ کہین الگ جاکر خدا کی عبادت کرون ": ابن الدغنہ نے کہا "یہ نہین ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، مین تم کو اپنی پناہ مین لیتا ہون "؛ تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے ملا، اور کہا کہ" ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسون کا مددگار ہے، رشتہ دارون کو پالتا ہے، مصیبتون مین کام آتا ہے "؛ قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر نمازون مین چپکے جو چاہین پڑھین، آواز سے قرآن پڑھتے ہین تو ہماری عورتون اور بچون پر اثر پڑتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی، لیکن آخر انھون نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی، اور اس مین خضوع و خشوع کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھتے تھے، وہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے، عورتین اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے، قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی، اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب مین تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہین ہوسکتا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے مین تمہارے جوار سے استعفا دیتا ہون[۲]؛

محرم ۷ نبوی
شعب ابوطالب مین محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لاچکے، نجاشی نے مسلمانون

---

[۱] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۲۳ ذکر ہجرت ثانیہ حبش [۲] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ مین ہے،

کو پناہ دی۔ سفراے بیل مرام واپس آئے، مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے آب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ "کوئی شخص نہ خاندانِ بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ اُن کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملیگا، نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے حوالہ نہ کر دین[1]" یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا۔ اور درِ کعبہ پر آویزان کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ شعبِ ابو طالب[2] مین پناہ گزین ہوئے تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار مین بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثون مین جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیان کھا کھا کر بسر کرتے تھے، یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے حضرت سعد وقاصؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آگیا، مین نے اس کو پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور پانی مین ملا کر کھایا[3]،

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے، جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے، لیکن بعض رحم دلون کو ترس بھی آتا تھا، ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہون اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ

---

[1] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لئے حوالہ کر دیں صرف مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں [2] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا، جو خاندانِ بنو ہاشم کا موروثی تھا [3] روض الانف،

کے پاس بھیجے، راہ مین ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہین سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تو کیون روکتا ہے۔"

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین بالآخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی ہشام عامری خاندان بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے، گیا اور کہا "کیون زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ، پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ، اور تمہارے ماموون کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟" زہیر نے کہا "کیا کرون تنہا ہون، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دون" ہشام نے کہا "مین موجود ہون" دونون مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم مین گئے، زہیر نے سب لوگون کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے! ہم لوگ آرام سے بسر کرین اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا" ابوجہل برابر سے بولا "ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا" زمعہ نے کہا "تو جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے" غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری،

زبیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور اُن کو درہ سے نکال لائے' بقول ابن سعد

یہ سنہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے اسی زمانہ مین معراج واقع ہوئی جس کی تفصیل تیسرے حصّہ

مین آئے گی، اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی'

سنہ ۱۰ نبوی، حضرت خدیجہؓ اور ابو طالب کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے، اور چند روز قریش کے جور وظلم سے امان ملی تھی کہ ابو طالب اور

حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوگیا،

ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لیگئے۔

ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے، آپ نے فرمایا "مرتے مرتے لا الٰہ

الا اللہ کہہ لیجئے کہ مین خدا کے ہان آپ کے ایمان کی شہادت دون" ابو جہل اور ابن

ابی امیہ نے کہا "ابو طالب! کیا تم عبد المطلب کے دین سے پھر جاؤ گے" بالآخر ابو طالب نے

کہا "مین عبد المطلب کے دین پر مرتا ہون" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب

کرکے کہا "مین وہ کلمہ کہدیتا، لیکن قریش کہین گے کہ موت سے ڈر گیا" آپ نے فرمایا،

"مین آپ کے لئے دعاے مغفرت کرون گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کردے"

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت

ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے، حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت تک کافر تھے)

۱؎ یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے ۲؎ صحیح بخاری باب الجنائز و مسلم، ابو طالب کا اخیر فقرہ مسلم مین ہے، بخاری مین نہیں،

کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا، ابو طالب وہی کہہ رہے ہین[1]۔

اس بنا پر ابو طالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے، لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے، اس لئے محدثین زیادہ تر اُن کے کفر ہی کے قائل ہین، لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چندان قابلِ حجت نہین کہ اخیر راوی مسیّب ہین، جو فتحِ مکہ مین اسلام لائے، اور ابو طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین لکھا ہے کہ "روایت مرسل ہے[2]"۔ ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت مین عباس بن عبد اللہ بن معبد اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہین، یہ دونون ثقہ ہین، لیکن بیچ کا ایک راوی یہان بھی رہ گیا ہے، اس بنا پر دونون روایتون کے درجۂ استناد مین چندان فرق نہین[3]،

۱؎ ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۶ ۲؎ عینی کتاب الجنائز (ج ۴ ص ۲۰۱) ۳؎ مصنف کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہین ہے اس لئے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیّبؓ ہین جو صحابی ہین، ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت کسی صحابی ہی سے ہوگی اسی لئے مراسیلِ صحابہ حجت ہین اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہین ہے خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہین رکھتے اس لئے دونون روایتون کو یکسان نہین قرار دیا جا سکتا علاوہ برین حضرت مسیّبؓ کی اس روایت کی تائید مین خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیب والی روایت سے اوپر صحیح بخاری مین موجود ہے جس مین ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے چچا (ابو طالب) کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپؐ کی حفاظت کرتے تھے، اور آپکے لئے آپکے دشمنون سے برسرِ پرخاش رہتے تھے، فرمایا وہ دوزخ کی آگ مین صرف ٹخنے تک ہین مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے، اگر مین نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ مین ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم مین تھا کہ اُن کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہین ہوا، اسی مضمون کی تائید حضرت ابو سعید خدری کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری باب قصۂ ابی طالب مین اسی موقع پر موجود ہے ۱۲

ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو جان نثاریان کین اس سے کون انکار کرسکتا ہے، وہ اپنے جگر گوشون تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ کی محبت مین تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا، کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریان سب ضائع جائین گی؟

ابوطالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر مین بڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن سے نہایت محبت تھی، ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کے لئے گئے تو انھون نے کہا "بھتیجے! جس خدانے تجھ کو پیغمبر بناکر بھیجا ہے اس سے دعا نہین مانگتا کہ مجھ کو اچھا کردے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے، آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانین تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے[۱]،

ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات کی بعض روایتون مین ہے کہ انھون نے ابوطالب سے پہلے انتقال کیا، اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونون اُٹھ گئے، صحابہ خود اپنی حالت مین مبتلا تھے یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہو، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے[۲]،

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی مین وفات کی، اُن کی عمر ۶۵ برس کی تھی، مقام حجون مین دفن کی گئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن کی قبر مین اُترے، اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہین ہوئی تھی[۳]،

---

[۱] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب [۲] مواہب لدنیہ [۳] یہ تفصیل ابن سعد مین ہے،

ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کے اُٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ مین جارہے تھے، ایک شقی نے آکر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت مین آپ گھر مین تشریف لائے آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئین، آپ کا سر دھوتی تھین اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھین، آپ نے فرمایا جانِ پدر! رو نہین خدا تیرے باپ کو بچائے گا۔[1]

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی، اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائین اور وہان دعوتِ اسلام فرمائین، طائف مین بڑے بڑے امرا اور ارباب اثر رہتے تھے، ان مین عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا، یہ تین بھائی تھے، عبدیالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی، ان تینون نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے، ایک نے کہا اگر تجھ کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔" دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہین ملتا تھا" تیسرے نے کہا "مین بہرحال تجھ سے بات نہین کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے، اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہین۔"

ان بدبختون نے اسی پر اکتفا نہین کیا، طائف کے بازاریون کو اُبھار دیا کہ آپ کی ہنسی اُڑائین، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا، جب آپ اُدھر سے گذرے تو آپ کے پانون پر پتھر مارنے شروع کئے، یہان تک کہ

[1] طبری اور ابن ہشام ذکر وفات حضرت خدیجہؓ۔

آپ کی جوتیاں خون سے بھر گئین، جب آپ زخمون سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے، جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیان دیتے، اور تالیان بجاتے جاتے، آخر آپ نے ایک باغ مین انگور کی ٹٹیون مین پناہ لی، یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا، اُس نے آپ کو اس حالت مین دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا انگور کا خوشہ ایک کشتی مین رکھ کر بھیجا،

اس سفر مین حضرت زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے[1]،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ مین قیام کیا، پھر حرا[2] مین تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجکو اپنی حمایت مین لے سکتے ہو، عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی اُن سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہین کر سکتے تھے مطعم نے یہ درخواست منظور کی بیٹون کو بلا کر کہا کہ ہتھیار لگا کر حرم مین جاؤ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مین تشریف لائے مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا، حرم کے پاس آیا، تو پکارا کہ مین نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم مین آئے

---

[1] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالہ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام مین ہو [2] کیا عجیب بات ہو کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہون کو کس طرح مختلف نظر آتا ہو مرگیولوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سوء تدبیر مین داخل کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور اُن کے زیر اثر تھا اور وہان رؤسائے مکہ کے باغ تھے، جس کی وجہ سے اُن کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لئے جب مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے، تو طائف کے لوگون سے کیا اُمید ہو سکتی تھی"! لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہین کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیون کے وہ تنہا ایک دشمن شہر مین گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا، ع والفضل ماشہدت بہ الاعداء،

نماز ادا کی اور دولت خانہ کو واپس گئے مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلوارون کے سایہ مین لائے[1]،
مطعم نے کفر کی حالت مین غزوہ بدر سے پہلے وفات کی، حضرت حسانؓ جو دربار رسالت
کے شاعر تھے، انھون نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ بدر مین نقل کیا ہے[2] اور لکھا ہے کہ اس مین
کچھ مضائقہ نہین، مطعم کا یہ کام بے شبہہ مدح کا مستحق تھا، لیکن آجکل کے مسلمان حضرت حسانؓ
اور زرقانی سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہین، اس لئے معلوم نہین حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی
پسند کیا جا سکتا ہے یا نہین؟

قبائل کا دورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل
ہر طرف سے آ آ کر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپؐ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ
اسلام فرماتے، عرب مین مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے، جن مین دور دور کے قبائل آتے
تھے، آپؐ اُن میلون مین جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے،
ان میلون مین سے عکاظ جو اہلِ عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، اور مجنّہ اور ذوالمجاز
کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے، قبائلِ عرب مین سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان،
مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ، مشہور قبائل
ہین[3]، ان سب قبائل کے پاس آپؐ تشریف لے گئے، لیکن ابو لہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا
اور جب آپؐ کسی مجمع مین تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"[4]

---

[1] ابن سعد صفحہ ۲۱۲، کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحاق کی روایت ہے، تعجب ہے
کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کئے ہین [2] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۱۶ [3] ابن سعد نے ان تمام
قبائل کا ذکر کیا ہے [4] (مستدرک حاکم جلد اول ص۱۵ حیدرآباد) "

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے، ان لوگوں نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب دیا، مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا، اسی قبیلہ کا رئیس تھا،

قبیلۂ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپؐ گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں، مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا "برادرِ قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپؐ نے فرمایا "خدا ایک ہے، اور میں اس کا پیغمبر ہوں" اور یہ آیتیں پڑھیں،

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہدو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں
عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	حرام کی ہیں، یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا	نہ کرو، اور والدین کا حق خدمت بجالاؤ،
تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ	اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا	قتل نہ کرو، ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا	دیں گے، فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ،
وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ	وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ	جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے، ناحق
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ (انعام)	ہلاک نہ کرو،

اس قبیلہ کے رؤسا، مفروق، مثنیٰ، اور ہانی بن قبیصہ تھے، اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے، ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی، لیکن کہا کہ مدتوں کا خاندانی دین دفعۃً

چھوڑ دینا ز د اعتقادی ہے" اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہین اور معاہدہ ہو چکا ہو کہ ہم اور کسی کے اثر مین نہ آئین گے" آپ نے اُن کی راست گوئی کی تحسین کی، اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا"

قبیلۂ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا، آپ کی تقریر سن کر کہا "یہ شخص مجکو ہات آجائے تو مین تمام عرب کو مسخر کر لون" پھر آپ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دین اور تم اپنے مخالفون پر غالب آجاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملیگی" آپ نے فرمایا سب خدا کے ہات ہو" اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماج گاہ بنائین اور حکومت غیرون کے ہات آئے، ہم کو یہ غرض نہین"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورۂ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائین کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائین، سوء اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے یعنی ابو جہل، ابو لہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیّہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سر برآوردہ رؤسا تھے، اور یہی سب سے بڑھ کر آپ کے دشمن تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ مین کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اُڑاتے، سجدہ مین آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے، گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک مین بدھیان پڑ جاتین، (آپ کی روحانی قوت اثر کو

---

[1] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت۔ [2] طبری ج ۳ ص ۱۲۰۵ [3] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۴

دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوائے نبوت کو سن کر مجنون کہتے ابا ہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے، نماز جماعت مین قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیان دیتے[1]

ایکدفعہ آپؐ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے اور رؤسائے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ مین جاتے تو اُن کی گردن پر ڈال دیتا، عقبہ نے کہا یہ خدمت مین انجام دیتا ہون" چنانچہ اوجھ لاکر آپؐ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھین لیکن جوش محبت سے دوڑی آئین، اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو بُرا بھلا کہا، اور بددعائین دین[2]

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہین کسی مجمع عام مین دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپؐ کے ساتھ ساتھ برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے" ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ مین اسلام نہین لاچکا تھا۔ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بازار ذوالمجاز مین گئے اور مجمع مین گھس کر لوگون سے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو" ابوجہل آپؐ پر خاک پھینکتا جاتا تھا، اور کہتا کہ اس کے فریب مین نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو

---

(۱) مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۰۲ (۲) صحیح بخاری ۲۶۹ (۳) صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوۃ والجزیہ والجہاد، وصحیح مسلم وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹۴ (۴) مسند امام حنبل جلد ۴ صفحہ ۶۳،

طائف مین کفار نے آپؐ کو جو اذیتین پہنچا مین، اُن کا بیان پیچھے گذر چکا،

ایک دفعہ آپؐ حرم کعبہ مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ نے آپؐ کی گردن مین چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی، اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ آ گئے، اور آپؐ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا[1] اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے"۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی مین نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل مین رہتے تھے اُن کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات مین لکھے ہین حسب ذیل ہین:

"ابو جہل، ابو لہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن المغیرہ، اُمیّہ، اُبی بن خلف، ابو قیس بن فاکہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید ابن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی، ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء"۔

یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ اور ان مین سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے

یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت درد انگیز اور حسرت خیز تھا، لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائین بہ رغبت سُن لی گئی ہون، حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑون برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شایستگی کا معلم اوّل ہے، تاہم اسی حکمت کدہ مین سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام

[1] صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ۔

کو دار و رسن کا منظر پیش آیا، اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی، لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ مین سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کیا؟ سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا، حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آ کر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے، لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا، حضرت خباب بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ آپ اُن کے حق مین بد دعا کیون نہین فرماتے؛ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہین جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے، تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا یہان تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا[1]

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہین ہوئی؟

---

[1] صحیح بخاری، باب مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین، ذکر ایام جاہلیہ،

مدینۂ منورہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے، شمیم گل باغ سے نکل کر عطرفشان بنتی ہے، آفتاب اسلام طلوع مکہ مین ہوا، لیکن کرنین مدینہ کے افق پر چمکین۔

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہان آکر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی، یعنی "پیغمبر کا شہر" پڑگیا، اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہوگیا۔

یہ شہر مدتون سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ مین یہودی یہان آکر آباد ہوئے، اُن کی نسلین کثرت سے پھیلین اور مدینہ کے اطراف اُن کے قبضہ مین آگئے، انھون نے مدینہ اور اس کے حوالی مین چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے تھے اور اُن مین سکونت رکھتے تھے (یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)۔

انصار اصل مین یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن مین جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیل عرم" کہتے ہین، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ مین آباد ہوئے یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج، تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہین[1]، یہ خاندان جب یثرب مین آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے، آس پاس کے مقامات اُن کے قبضہ مین تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس پچیس قبیلے بن گئے تھے اس لئے دور دور تک بستیان بسالی تھین، انصار کچھ زمانہ تک

---

[1] انصار کے نسب، اور مدینہ مین آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاء الوفا رجلد اوّل صفحہ ۱۲۶ تا ۱۵۰ مین مذکور ہے

اُن سے الگ رہے، لیکن اُن کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر اُن کے حلیف[1] بن گئے، ایک مدّت تک یہ حالت قائم رہی، لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا، یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے اُن سے معاہدہ توڑ دیا،

یہودیوں مین ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیّاش اور بدکار تھا، اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے، پہلے اس کے شبستانِ عیش مین آئے، یہود نے اسکو گوارا کر لیا تھا، لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو اُنھون نے سرتابی کی، اس زمانہ مین انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا، اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گذری، مالک کو غیرت آئی، اُٹھ کر گھر مین آیا اور بہن کو سخت ملامت کی، اُس نے کہا "ہان! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے" دوسرے دن حسبِ دستور جب مالک کی بہن دلہن بنکر فطیون کی خلوت گاہ مین گئی تو مالک بھی زنانے کپڑے پہن کر سہیلیون کے ساتھ گیا، اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہان غسّانیون کی حکومت تھی اور ابو جبلہ حکمران تھا، اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گران لے کر آیا، اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیئے، پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا، یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سرے سے قوت حاصل کی[2]۔

---

[1] جو قبیلے آپس مین ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے، وہ باہم حلیف کہلاتے تھے [2] وفاء الوفاء، یہ واقعہ مختلف صورتون مین بیان کیا گیا ہے، اور وفاء الوفاء مین یہ تمام روایتین مذکور ہین۔

انصار نے مدینہ اور حوالی مدینہ مین کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لئے، اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے، لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیان شروع ہو گئین اور سخت خونریز لڑائیان ہوئین، سب سے اخیر لڑائی مین جس کو بعاث کہتے ہین اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونون خاندانون کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے، انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انھون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجئے، لیکن ابو جہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گو بُت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لئے نبوّت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے، یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے، لیکن اُن کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قائم کئے تھے اور جن کو بیت المدراس کہتے تھے (بخاری وغیرہ مین نام مذکور ہے[1]) ان مین توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی، انصار جاہل تھے، اس لئے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا، یہان تک کہ انصار مین سے جس کے اولاد زندہ نہین رہتی تھی، وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا[2]، یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے، اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبرِ موعود کے نام سے آشنا تھے،

انصار مین ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری مین ممتاز تھا اس کو امثالِ لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا، وہ ایک دفعہ

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۷، کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ (۲) سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۵، کتاب الجہاد، تفسیر مین لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی تفسیر دیکھو)

حج کو گیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کے حالات سُنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے
اُس نے امثالِ لقمان پڑھ کر سنایا، آپ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے" یہ
کہہ کر قرآنِ مجید کی چند آیتین پڑھین، سوید نے تحسین کی[1]، اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگِ بعاث
مین مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا،

سوید شجاعت اور شاعری دونون مین کمال رکھتا تھا، ایسے شخص کو اہلِ عرب
"کامل" کہتے تھے، اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا، سوید کے میلانِ اسلام کا اثر
انصار پر پڑ چکا تھا،

اَوس اور خزرج کے معرکون مین اوس کو جب شکست ہوئی تو اَوس کے عماید
قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ مین اُن کو حلیف بنائین، اس سفارت مین
ایاس بن معاذ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگون کا آنا معلوم ہوا تو آپ
اُن کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتین پڑھ کر سُنائین اَوس نے
ساتھیون سے کہا کہ خدا کی قسم تم جس غرض کے لئے آئے ہو یہ کام اس سے بھی بہتر ہے"
لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیس نے کنکریان اٹھا کر اُن کے منہ پر مارین اور کہا کہ "ہم اس کام
کے لئے نہین آے" اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا۔ اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، لوگون کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر

(1) البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷) س سے سوید کا ذکر ابن ہشام مین ہے لیکن روض الانف مین زیادہ
تفصیل ہے۔ اصابہ مین بھی اس کا حال ہے، لیکن نسب مین اختلاف ہے، اور مثال لقمان کا ذکر نہین ہے۔ طبری مین بھی
سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے؛ دیکھو صفحہ ۲۰۰

تکبیر جاری تھی[1]،

انصار کے اسلام ۰۱ نبوی

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جاکر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال (رجب [1] نبوی) میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، آپ نے ان سے نام و نسب پوچھا، انھوں نے کہا خزرج[2] آپ نے دعوتِ اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور کہا "دیکھو یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں" یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ شخص[3] تھے جن کے نام حسب[4] ذیل ہیں،

---

[1] طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے اصابہ میں لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے، (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۱۴۹) [2] ص ۲۵ مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے بعض مصنفین سیرت نے ان کے اس قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبۂ اولیٰ کے عنوان سے کیا ہے، یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لئے اس وقت پریشانی کا موجب بنتا ہے، جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۶۲۴ ابن کثیر علیٰ حاشیہ فتح البیان ج ۹ صفحہ ۱۷۷) میں دیکھتے ہیں کہ بیعت عقبۂ اولیٰ میں بارہ آدمی تھے، اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبۂ ثانیہ میں بارہ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں، حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے ان کے واقعۂ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبۂ اولیٰ نہیں بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہئے اور دوسرے سال جب کہ گیارہ بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے ہیں یہ بیعت عقبۂ اولیٰ ہے، حضرت عبادہؓ بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے کنا احد عشر فی العقبۃ الاولیٰ من العام المقبل، اس روایت میں حضرت عبادہؓ العام المقبل میں بیعت عقبۂ اولیٰ کا ہونا فرماتے ہیں اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ اگر اسلام قبول کر چکے تھے اسکا تعلق بیعت عقبۂ اولیٰ سے نہیں جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبۂ اولیٰ رکھا ہے وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں، یعنی ایک یہ بیعت عقبۂ اولیٰ، دوسری دو بیعت عقبہ جس میں گیارہ یا بارہ آدمی اسلام لائے اور تیسری وہ بیعت عقبہ

[3] [4] معجم [illegible] صفحہ [illegible] مستدرک [illegible] طبع حیدرآباد دکن

نام	کیفیت
۱- ابو الہیثم بن تیہان،	
۲- ابو امامہ اسعد بن زرارہ	(صحابہ مین سب سے پہلے ان ہی نے) سنہ ۱ھ مین وفات پائی،
۳- عوف بن حارث،	(بدر مین شہادت پائی)
۴- رافع بن مالک بن عجلان،	اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو عنایت فرمایا، جنگِ اُحد مین شہید ہوے،
۵- قطبہ بن عامر بن حدیدہ،	(تینون عقبات مین شریک رہے)
۶- جابر بن عبداللہ (بن رباب)	(یہ مشہور صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن عمرو کے علاوہ تھے، بدر وغیرہ مین شریک تھے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۲) جس مین ۷۳ افراد مشرف بہ اسلام ہوے، اور یہ تینون واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم مین پیش آئے، اور جن لوگون نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہو، انھون نے گیارہ آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبۂ اولیٰ اور ۷۳ آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبۂ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے، (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس اوّل صفحہ ۳۰۶ و صفحہ ۳۱۴، ۳۱۶ و زرقانی علی المواہب ج اوّل صفحہ ۳۶۲ و صفحہ ۳۶۶) "س"

[۲] یہ واقعات تمام تاریخون مین مذکور ہین، ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتین جمع کر دی ہین، ان لوگون کی تعداد بعضون نے آٹھ بیان کی ہو، اسعدؓ بن زرارہ اور ابو الہیثم کا پہلے سے موجود ہونا، ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہو، دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث، انصار بدریین، صفحہ ۲۲، واقدی کا بیان ہے کہ اسعدؓ بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ مین جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے، بعضون نے ابو الہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہو، اور بعض نے جابر بن رباب کے بجاے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے۔ "س"

بیعت عقبۂ اولیٰ سنہ ۱۲ نبوی

دوسرے سال بارہ شخص مدینۂ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکامِ اسلام کے سکھانے کے لئے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا، مصعبؓ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقینِ اسلام میں سے تھے، غزوۂ بدر مین لشکر کی علم برداری کا منصب انہی کو ملا تھا، وہ مدینہ مین آکر اسعدؓ بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے، روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگون کو اسلام کی دعوت دیتے، اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے، روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے، رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا، صرف خطمہ، وائل، واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے، ابن سعد نے طبقات مین یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہین۔

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ تھے، قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام مین اُن کے اشارون پر چلتے تھے، مصعبؓ نے جب اُن کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انھون نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعبؓ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین تو پتھر موم تھا، ان کا اسلام لانا تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا،

بیعت عقبۂ ثانیہ سنہ ۱۳ نبوی

اگلے سال بہتّر شخص حج کے زمانہ مین آئے، اور اپنے ساتھیون سے (جو بت پرست تھے) چھپکر بہ مقامِ منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انھون نے انصار سے خطاب کرکے کہا "گروہِ خزرج! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان

ہین معزز اور محترم ہین، دشمنون کے مقابلہ مین ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہین، اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو"

حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کرکے کہا "ہم لوگ تلوارون کی گود مین پلے ہین" وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابو الہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ! ہم سے اور یہود سے تعلقات ہین، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائین گے، ایسا تو نہ ہو کہ جب آپ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائین" آپ نے مسکرا کر فرمایا "نہین تمہارا خون میرا خون ہے، تم میرے اور مین تمہارا ہون"

آپ نے اس گروہ مین سے بارہ شخص نقیب انتخاب کئے، جن کے نام خود انصار نے پیش کئے تھے، ان مین نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہین:-

	نام	کیفیت
۱	اُسیدؓ بن حضیر،	جنگ بعاث مین انہی کے باپ اوس کے سردار تھے،
۲	ابو الہیثمؓ بن تیہان،	
۳	سعدؓ بن خیثمہ،	جنگ بدر مین شہید ہوئے،
۴	اسعدؓ بن زرارہ،	ان کا ذکر اوپر گذر چکا، یہ امام نماز تھے،
۵	سعدؓ بن الربیع،	جنگ احد مین شہید ہوئے،
۶	عبد اللہؓ بن رواحہ	مشہور شاعر ہین، جنگ موتہ مین شہید ہوئے،
۷	سعدؓ بن عبادہ،	معزز اور مشہور صحابی ہین سقیفۂ بنی ساعدہ مین

	ان ہی نے پہلے خلافت کا دعوی کیا تھا،
منذر بن عمرو،	بیر معونہ مین شہید ہوے،
براء بن معرور،	بیعتِ عقبہ مین انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے،
عبد اللہ بن عمرو،	جنگِ اُحد مین شہید ہوے،
عُبادۃ بن الصامت،	مشہور صحابی ہین، اُن سے اکثر حدیثین مروی ہین،
رافع بن مالک،	جنگِ اُحد مین شہید ہوے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتون پر انصار سے بیعت لی یہ تھین "شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد، اور افترا، کے مرتکب نہ ہون گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے جو اچھی بات کہین گے، اس سے سرتابی نہ کرین گے[1]"

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعد بن زرارۃ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن و انس سے اعلانِ جنگ ہے"

سب نے کہا ہان ہم اسی پر بیعت کر رہے ہین،

بارہ[۱۲] شخص جو نقیب انتخاب کئے گئے رئیس القبائل تھے، اُن کا اسلام قبول کرنا تمام

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، سیرت کی کتابون مین مذکور ہے کہ یہ عقبہ اولیٰ کی شرائط ہین، اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کرین گے،

انصار کا اسلام قبول کرنا تھا، صبح کو اس بیعت کی اُڑتی سی خبر پھیلی، قریش انصار کے پاس آئے، اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے اُن کو اس بیعت کی خبر نہ تھی انھون نے تکذیب کی کہ ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا:

مدینہ مین اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائین، قریش کو معلوم ہوا تو انھون نے رُوک ٹوک شروع کی، لیکن چوری چھپے لوگون نے ہجرت شروع کردی، رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے، جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے، یہ آیت اُنھی کی شان مین ہے،

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ	کمزور مرد، عورتین اور بچے، جو یہ کہتے
وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا	ہین کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال
أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ	کہ یہان کے لوگ ظالم ہین،
الظَّالِمِ أَهْلُهَا (نساء-۱۰)	

سنہ ۱ھ

ہجرت

(اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب مین ہر طرف سے تلوار کی جھنکارین سنائی دے رہی تھین، حافظِ عالم نے مسلمانون کو دارالامانِ مدینہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا، لیکن خود وجودِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ان ستمگارون کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لئے حکم خدا کا منتظر تھا، مکہ کے باہر اطراف مین جو صاحبِ اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے، قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا، اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ یہان ہجرت کر آئین، لیکن آپ نے انکار فرمایا[1] اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی، بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے اہلِ قبیلہ کو مطلع کر کے آیندہ سال آئیگا[2] لیکن کارسازِ قضا وقدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ دارالہجرۃ ایک پُر بلغ وبہار مقام ہے، خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا، لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[3])

بنبوت کا تیرہوان سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحیِ الٰہی کے مطابق

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۰ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر (۲) مستدرک ج ۲ صفحہ ۶۱۳ وزرقانی علی المواہب ج اوّل صفحہ ۳۵۹ (۳) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم) س"

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پُراثر ہے اور
اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور
حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ گو اُس وقت سات آٹھ برس کی تھین
لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان
ہے کہ اُنہی سے سُن کر کہا ہوگا، اور ابتداے واقعہ مین وہ خود بھی موجود تھین،

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ مین جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہین اور وہان
اسلام پھیلتا جاتا ہے، اس بنا پر انھون نے دارالندوہ مین، جو دارالشوریٰ تھا۔ اجلاس
عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری
ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہ، ومنبہ، امیہ بن خلف
وغیرہ وغیرہ سب شریک تھے، لوگون نے مختلف رائین پیش کین، ایک نے کہا "محمدؐ
کے ہاتھ پانون مین زنجیرین ڈال کر مکان مین بند کردیا جائے"۔ دوسرے نے کہا "جلاوطن
کردینا کافی ہے"۔ ابوجہل نے کہا "ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو، اور پورا مجمع ایک ساتھ
مل کر تلوارون سے اُن کا خاتمہ کردے، اس صورت مین اُن کا خون تمام قبائل مین
بٹ جائے گا، اور آلِ ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کرسکین گے"۔ اس اخیر راے پر
اتفاق ہوگیا، اور جھٹ پٹے سے آکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ
کرلیا، اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لئے باہر ٹھہرے رہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلین تو یہ فرض ادا کیا جائے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی، تاہم آپ کی دیانت
پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا، آپ ہی کے پاس
لاکر رکھتا تھا، اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتین جمع تھین، آپ کو قریش
کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہوچکی تھی اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "مجھکو ہجرت کا حکم ہوچکا ہے"
مین آج مدینہ روانہ ہوجاؤن گا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی
امانتین جاکر واپس دے آنا، یہ سخت خطرہ کا موقع تھا حضرت علیؓ کو معلوم ہوچکا تھا کہ قریش
آپ کے قتل کا ارادہ کرچکے ہین، اور آج رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بسترِ خواب قتل گاہ
کی زمین ہے، لیکن فاتحِ خیبر کے لئے قتل گاہ فرشِ گل تھا،

ہجرت سے دو ہی دن پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت حضرت
ابوبکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر مین تشریف
لے گئے، حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو" بولے کہ "یہان آپ
کی حرم کے سوا اور کوئی نہین ہے" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہوچکی تھی) آپ
نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا
"میرا باپ آپ پر فدا ہو کیا مجھکو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہان" حضرت
ابوبکرؓ نے ہجرت کے لئے چار مہینہ سے دو اونٹنیان ببول کی پتیان کھلا کھلا کر تیار کی تھین
عرض کی کہ ان مین سے ایک آپ پسند فرمائین، محسنِ عالم کو کسی کا احسان گوارا نہین
ہوسکتا تھا ارشاد ہوا "اچھا، مگر بہ قیمت" حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا، حضرت عائشہؓ

(صحیح بخاری باب الہجرۃ)

اُس وقت کمسن تھین، اُن کی بڑی بہن حضرت اسمأؓ نے جو حضرت عبد اللہؓ بن زبیر کی ماں تھین، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان مین رکھا، نِطاق، جس کو عورتین کمر سے لپیٹتی ہین، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک اُن کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]۔

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے اُن کو بے خبر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھکو رہنے نہین دیتے"۔ حضرت ابو بکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی، دونون صاحب پہلے جبل ثور کے غار مین جا کر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے[2]، حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبد اللہؓ جو نوخیز جوان تھے شب کو غار مین ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے، اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا سورے کر رہے ہین، جو کچھ خبر ملتی شام کو آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کرتے۔ حضرت ابو بکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریان چرا کر لاتا، اور آپؐ اور حضرت ابو بکرؓ اُن کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسمأؓ گھر سے کھانا پکا کر غار مین پہنچا آتی تھین، اسی طرح تین راتین غار مین گذرین[3]۔

---

(۱) صحیح بخاری باب الہجرۃ ۱۲۔ (۲) یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، سمندر یہان سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی (ج ۱، صفحہ ۳۳۱) ۱۲۔ (۳) یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے، باب مناقب المہاجرین مین بعض مزید حالات ہین وہ بھی ہم نے شامل کر لئے ہین۔

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے حضرت علیؓ تھے ظالموں نے آپ کو پکڑا اور حرم میں لے جاکر تھوڑی دیر محبوس رکھا۔ اور چھوڑ دیا،[1] پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش میں نکلے، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار کے دہانہ تک آگئے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آگئے کہ اگر اپنے قدم پر اُن کی نظر پڑجائے تو ہم کو دیکھ لیں گے" آپ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ) گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے،

مشہور ہے کہ جب کُفّار غار کے قریب آگئے تو خدا نے حکم دیا، دفعۃً ببول کا درخت اُگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چُھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے، اور گھونسلا بنا کر انڈے دیئے، حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں، اس روایت کو مواہب لدنیہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے، اور زرقانی نے بزاز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں، لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں، اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے، اس کی نسبت امام فن رجال یحیٰی بن معین کا قول ہے "لا شیئ" یعنی ہیچ ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے" اس روایت کا ایک راوی ابو مصعب مکی ہے، وہ مجہول الحال ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کئے ہیں، اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے،[2]

---

[1] تاریخ طبری (ج ۳ ص ۱۲۳۴) "س" [2] سیرۃ النبی ج ۳ ص ۳۰۰ میں ضمن "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے "س"

بہر حال، چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبد اللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا، رہنمائی کے لئے اجرت پر مقرر کر لیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک رات دن برابر چلے گئے، دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سایہ میں آرام فرمائیں، چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھا دی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا، تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں، پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہا، برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لے کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس لئے آپ یہاں سے روانہ ہوئے۔[1]

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائیگا، اس کو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا، سراقہ[2] بن جعشم نے سنا تو انعام کی امید میں نکلا، عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپ کو دیکھ لیا، اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب میں "نہیں" نکلا، لیکن سو اونٹوں کا گرانبہا معاوضہ

---

[1] یہ پوری تفصیل حرف بہ حرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے، ہم نے تمام جزئیات اس لئے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ [2] سراقہ بعد میں اسلام لائے، اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور آگے بڑھا، ابکی گھوڑے کے پانون گھٹنون تک زمین مین دھنس گئے، گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا، لیکن مکرر تجربہ نے اُس کی ہمت پست کردی، اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا، اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے، حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا[1]۔

حُسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آرہے تھے، انھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین چند بیش قیمت کپڑے پیش کئے، جو اس بے سروسامانی مین غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات مین اس مقدس سفر کی تمام منزلین گنائی ہین، اگرچہ عرب کے نقشون مین آج ان کا نشان نہین ملتا، تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہوسکتے ہین۔ خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجۃ، مرجح، حداید، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ مین آتا ہے، یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذا سلم، عثانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبہ، عقیق، جثجاثہ،

تشریف آوری کی خبر مدینہ مین پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش مین کہتے پھرتے تھے کہ "پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آرہے ہین" لوگ ہر روز تڑکے سے

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی مین بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

نکل نکلکر شہر کے باہر جمع ہوتے، اور دوپہر تک انتظار کرکے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے،
ایک دن انتظار کرکے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے
پہچان کر پکارا کہ اہلِ عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا! تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج
اٹھا، انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھرون سے نکل آئے،

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اُس کو عالیہ اور قبا کہتے
ہین، یہان انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان مین سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف
کا خاندان تھا، اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہان
پہنچے تو تمام خاندان نے جوشِ مسرت مین اَللّٰہُ اَکْبَر کا نعرہ مارا، یہ فخر اُن کی قسمت مین تھا
کہ میزبانِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہی کی مہمانی قبول کی، انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور
جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے،

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مدینہ مین آچکے تھے، وہ بھی انہی
کے گھر مین اترے تھے چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبد اللہ
ابن مخرمہؓ، وہبؓ بن سعد، معمر بن ابی سرح، عمیرؓ بن عوف، اب تک انہی کے مہمان تھے،
جناب امیرؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے،
وہ بھی آگئے اور یہین ٹھہرے، تمام مورخین اور اربابِ سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہان صرف چار دن قیام فرمایا، لیکن صحیح بخاری مین چودہ دن ہے، اور یہی قرینِ قیاس ہے

لہ صحیح بخاری صفحہ ۵۶ طبقات ابن سعد سیرۃ نبوی صفحہ ۱۵۰ لہ ابن سعد تذکرہ کلثوم بن ہدم،

یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا، حضرت کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی، جہاں کھجوریں سکھلائی جاتی تھیں، یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے؛

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ	وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر
اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ	رکھی گئی ہو، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہو کہ تم اس میں
فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا	کھڑے ہو، اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی
وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (توبہ ۱۳)	بہت پسند ہے، اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا، عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے"، آپ ان کی درخواست قبول فرماتے، لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے[1]،

حضرت عبداللہ بن رواحہ شاعر تھے، وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے، اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،

اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
ویقرءُ القرآن قائمًا وقاعدًا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے
ولا یبیتُ اللیلَ عنه راقدًا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر (ج ۱ ص ۱۰۰)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے[1]،

قُبا میں آپ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے، اس لئے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) تھی (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ اسکندری کی دسوین تاریخ تھی[2] مورخ یعقوبی نے ہیئت دانون سے یہ زائچہ نقل کیا ہے:-

آفتاب	برج سرطان مین	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ
زحل	برج اسد مین	۲ درجہ
مشتری	برج حوت مین	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد مین	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد مین	۱۵ درجہ

چودہ[3] دن کے بعد (جمعہ کو) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے، (راہ مین بنی سالم کے محلہ مین نماز کا وقت آگیا جمعہ کی نماز یہین ادا فرمائی، نماز سے پہلے خطبہ دیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نمازِ جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا، لوگون کو جب تشریف آوری

[1] وفاء الوفا بحوالۂ ابن شیبہ ج ۱ ص ۱۰۱ مصر [2] عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۳۵۴ (عینی مطبوعہ قسطنطنیہ مین مطبع کی غلطی سے ۹۳۳ سبعمائۃ لکھا گیا ہے، اس کو تسعمائۃ پڑھنا چاہیے، رومی ماہ ایلول کی دسوین کے بجائے جدید طریقۂ حساب سے بیسوین ثابت ہوتی ہے، خوارزمی نے جمعرات کا دن بتایا ہے، لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے، [3] خوارزمی کے حساب کے مطابق روزِ ورود (جمعرات) نہ لیا جاوے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا،

کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیشقدمی کے لئے دوڑے) آپ کے ننھالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے، قبا سے مدینہ تک دو رویہ جان نثاروں کی صفیں تھیں، راہ مین انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا "حضور! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپ منت کا اظہار فرماتے اور دعاے خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونین چھتون پر نکل آئین اور گانے لگین،

طَلَعَ البدرُ علینا	چاند نکل آیا ہے،
من ثنیّات الوداع	کوہِ وداع کی گھاٹیون سے؛
وجبَ الشکرُ علینا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے،
ما دعا للہ داع	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگین،

معصوم لڑکیان دف بجا بجا کر گاتی تھین،

نحنُ جوارٍ مِنْ بنی النجّار	ہم خاندانِ نجار کی لڑکیان ہین،
یا حبّذا محمدًا من جار	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھا ہمسایہ ہے،

آپ نے اِن لڑکیون کی طرف خطاب کر کے فرمایا "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولین "ہان" فرمایا کہ "مین بھی تم کو چاہتا ہون"

لہ یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد، ہجرت وغیرہ مین مذکور ہے۔ دیکھو وفاء الوفا جلد اول صفحہ ۱۸۰، پہلے اشعار کے متعلق زرقانی مین نہایت محققانہ محدثانہ بحث کی ہے، اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف، مواہب مین لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کئے ہین، بخاری مین بھی یہ اشعار منقول ہین، مگر غزوہ تبوک کے موقع پر، لیکن ان دونون روایتون مین کچھ تناقض نہین، ممکن ہے دونون موقعون پر یہ اشعار پڑھے گئے ہون؛

جہان اب مسجد نبوی ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا، کوکبۂ نبوی یہان پہنچا، سخت کشمکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ[1] کے حصہ مین آئی،

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا، انھون نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، ابوایوبؓ دو وقت آپؐ کی خدمت مین کھانا بھیجتے اور آپؐ جو چھوڑ دیتے، ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ مین آتا، کھانے مین جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیون کا نشان پڑا ہوتا، ابوایوبؓ بھی تبرگاً وہین انگلیان ڈالتے۔

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل مین پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو، گھر مین اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا، حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے[2]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات مہینہ تک یہین قیام فرمایا، اس اثنا مین جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا، تفصیل

[1] ابوایوبؓ کا نام خالد ہے، اصابہ فی احوال الصحابہ مین اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہین یہ واقعہ لکھا ہے اکثر سیر اور تواریخ کی کتابون مین لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر مین اتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپ نے فرمایا کہ میری ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے، چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا، اس لئے آپ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا لیکن صحیح مسلم باب الہجرہ مین ہے کہ جب لوگون مین آپ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپ نے کہا کہ "مین بنونجار کے ہان اترونگا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا، حضرت ابوایوبؓ اسی خاندان سے تھے، امام بخاری نے تاریخ صغیر مین تصریح کی ہے کہ ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا،

[2] اصابہ ذکر ابوایوب، اور زرقانی بحوالۂ قاضی ابویوسف و حاکم و وفاء الوفاء،

آگے آتی ہے،

مدینہ مین آکر آپ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابو رافع) کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیون اور حرم نبوی کو لے آئین حضرت ابو بکرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی مان اور بہنون کو لے کر چلے آئین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیون مین سے حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش مین تھین حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا، زیدؓ حضرت فاطمہ زہراؓ، (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجۂ محترم نبوی) کو لے کر آئے، حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبد اللہؓ کے ساتھ آئین،[۱]

مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجرون کی تعمیر

مدینہ مین قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی، اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ مین یا جہان موقع ملتا تھا، آپ نماز پڑھا کرتے تھے،[۲] دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس مین کچھ قبرین تھین کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ نے ان لوگون کو بلا کر فرمایا "مین یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہون" وہ بولے کہ "ہم قیمت لین گے لیکن آپ سے نہین بلکہ خدا سے" چونکہ اصل مین وہ زمین دو یتیم بچون کی تھی آپ نے خود ان یتیمون کو بلا بھیجا، ان یتیم بچون نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپ نے گوارا نہ کیا، حضرت ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کی؛ قبرین اُکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پھر مزدورون کے لباس مین تھا، صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت

۱ ابن سعد (جز نساء ص۱۲۳) ۲ ابو داؤد باب بناء المسجد

بھی اُن کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے[1]،

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْاٰخِرَۃ	اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃ	اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹون کی دیوارین، برگِ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کردیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش مین کیچڑ ہو جاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لئے آئے تو کنکریان لیتے آئے اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھا لین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزون کا فرش بنوادیا،

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا، جو صفہ کہلاتا تھا، یہ اُن لوگون کے لئے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہین رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواجِ مطہراتؓ کے لئے مکان بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقدِ نکاح مین آچکی تھین، اس لئے دو ہی حجرے بنے، جب اور ازواجؓ آتی گئین تو اور مکانات بنتے گئے، یہ مکانات کچی اینٹون کے تھے، ان مین سے پانچ کھجور کی ٹٹیون سے بنے تھے، جو حجرے اینٹون کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیون کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ

[1] بخاری باب المساجد و باب الہجرۃ و حج و باب البیوع و عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ و زرقانی

حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے، اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھین[1]، یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپؐ مسجد مین اعتکاف مین ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج مطہراتؓ گھر مین بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھین،

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازون پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا[2] راتون کو چراغ نہین جلتے تھے[3]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ مین جو انصار رہتے تھے اُن مین حضرت سعد ابن عبادہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت عمارہؓ بن حزم اور حضرت ابو ایوبؓ، رئیس اور دولت مند تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین دودھ بھیجدیا کرتے تھے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے، حضرت سعد بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہان سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے، جس مین کبھی سالن، کبھی دودھ کبھی گھی ہوتا تھا[4]، حضرت انسؓ کی مان حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ام ایمنؓ

[1] طبقات ابن سعد جلد سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱ [2] منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جزء ۸ صفحہ ۱۱۱، اور وفاء الوفا مین تفصیلاً ہے [3] بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش [4] طبقات ابن سعد جلد کتاب الانصار صفحہ ۱۱۶،

کو دیدیا، اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا،

اذان کی ابتدا اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے، اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ (وقت کا اندازہ کرکے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا، آپ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کردیئے جائین جو وقت پر لوگون کو گھرون سے بلا لائین، لیکن اس مین زحمت تھی، صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگون نے مختلف رائین دین، کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کردیا جائے، لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائین گے، آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیون اور یہودیون کے یہان اعلانِ نماز کے جو طریقے ہین وہ بھی آپ کی خدمت مین عرض کئے گئے لیکن آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دین[1]، اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی، دوسری طرف دن مین پانچ دفعہ دعوتِ اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا،

صحاح ستہ کی بعض کتابون مین ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی جو انہون نے خواب مین دیکھی تھی، ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب مین توارد ہوا، لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ مین کسی اور روایت کو ترجیح نہین دیجا سکتی[2]،

---

[1] صحیح بخاری ص ۸۵ باب فضل المدینہ [2] ابو داؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان، بخاری مین زید کے واقعہ کا ذکر نہین ہے یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ، صحیح مسلم، نسائی اور ترمذی میں بھی ہے، لیکن تمام روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہو کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگون کی رایون کے مقابلہ مین اپنی رائے یہ پیش کی تھی جیسا کہ بخاری کی روایت مین ہے کہ اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو

بخاری مین صاف تصریح ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزین پیش کی گئین، لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی، اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا خواب کا ذکر نہین،

مواخاۃ مہاجرین، مکہ معظمہ سے بالکل بے سروسامان آئے تھے، گو ان مین دولت مند اور خوشحال بھی تھے لیکن کافرون سے چھپ کر نکلے تھے، اس لئے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے.

اگرچہ مہاجرین کے لئے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا، تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہین کرتے تھے، وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل گھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان مین رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے، جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دہ سالہ تھے ان کے مکان مین لوگ جمع ہوے، مہاجرینؓ کی تعداد پینتالیس تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہین" پھر مہاجرین اور انصار مین سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو، اور اب وہ درحقیقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) پکار کر نماز کا اعلان کر دے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی خواب مین اذان کے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو خواب مین دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا، اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی. فتح الباری و نووی و زرقانی و روض الانف باب بدء الاذان مین یہ تفصیلاً بحوالۂ سند مذکور ہین" س")

بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جاکر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، سعد بن الربیع جو عبد الرحمن بن عوف کے بھائی قرار پائے اُن کی دو بیویاں تھین، عبد الرحمن سے کہا کہ ایک کو مین طلاق دیتا ہون، آپ اس سے نکاح کر لیجئے، لیکن انھون نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا۔[۱]

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے، روپے پیسے تو اُس زمانہ مین تھے نہین۔[۲] انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیون مین برابر تقسیم کر دیئے جائین، مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لین گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس مین نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا۔[۳]

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا، اور بھائی بند محروم رہتے۔[۴] یہ اس فرمانِ الٰہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ
وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ	مین مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھون نے
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	ان لوگون کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی۔[۵]

[۱] مواخاۃ کا ذکر اور ہر ایک ایک کا نام، ابن ہشام صفحہ ۱۹۰ مین ہے، حضرت عبد الرحمن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی مین ہے [۲] صحیح بخاری صفحہ ۳۱۳ [۳] ایضاً ۳۱۲ [۴] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض،

اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ (انفال -- ۱۰) — یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہین،

جنگِ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اُتری:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ ۔ (انفال -- ۱۰) — اربابِ قرابت، ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہین،

اُس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا، چنانچہ کتبِ تفسیر و حدیث مین یہ تصریح مذکور ہے،

سنہ ۴ ھ مین بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے اور اُن کی زمین اور نخلستان قبضہ مین آئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ "مہاجرین نادار ہین، اگر تمھاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا اُن کو دیدیئے جائین، اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو" انصار نے عرض کی کہ نہین ہمارے نخلستان بھائیون ہی کے قبضہ مین رہنے دیجئے اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمایئے۔[۱]

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی، لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرینؓ نے کیا کیا؟ حضرت سعدؓ بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انھون نے کہا "خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے، مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے" انھون نے قینقاع کا، جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انھون نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز

[۱] فتوح البلدان، مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۰،

مین اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی، رفتہ رفتہ اُن کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود اُن کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے، اُن کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ مین پہنچتا تمام شہر مین دھوم مچ جاتی تھی[۲]،

بعض صحابہؓ نے دُکانین کھول لین حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سنخ مین تھا جہان وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے[۳] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید فروخت کرتے تھے[۴] حضرت عمرؓ بھی تجارت مین مشغول ہو گئے تھے[۵]، اور شاید اُن کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی[۶]، اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی؛

صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ پر لوگون نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہین کرتے تو انھون نے کہا اس مین میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا؛

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیئے، صحیح مسلم باب الجہاد مین ہے،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ
لما فرغ من قتال اھل خیبر	ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے

---

[۱] صحیح بخاری مین دو مختلف موقعون پر یہ واقعہ مذکور ہے (کتاب البیوع، و باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار، باب الولیمۃ ولو بشاۃ) [۲] (اسد الغابہ ج ۳ صفحہ ۳۱۲ و ۳۱۵ وغیرہ مین یہ واقعہ مذکور ہے [۳] ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳۰ [۴] مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۶۲ [۵] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۴۰۰ [۶] ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۲۰،

وانصرف الی المدینة رد	انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین
المهاجرون الی الانصار	تھے، واپس کر دیئے،
منائحهم التی کانوا منحوهم من ثمارهم	

مہاجرین کے لئے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین اُن کو دیدین، اور جن کے پاس زمین نہ تھی انھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیئے، سب سے پہلے حضرت حارثہ بنؓ نعمان نے اپنی زمین پیش کی بنوزہرہ مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے، حضرت عبدالرحمن بنؓ عوف نے یہان ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزون ہوگا) بنوایا، حضرت زبیرؓ بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین[1]

مواخاة کے رشتہ سے، جو لوگ آپس مین بھائی بھائی بنے، ان مین سے بعض حضرات کے نام یہ ہین[2]:-

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہ بنؓ زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوسؓ بنؓ ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ جراحؓ	حضرت سعد بنؓ معاذ انصاری

[1] یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر مین ہو [2] یہ تفصیل ابن ہشام صفحہ ۱۰۹ مین ہے،

انصار	مہاجرین
حضرت سلامہ بنؓ دقش،	حضرت زبیر بنؓ العوام،
حضرت ابوایوبؓ انصاری	حضرت مصعب بنؓ عمیر،
حضرت حذیفہ بن یمانؓ،	حضرت عمار بنؓ یاسر،
حضرت منذر بنؓ عمرو،	حضرت ابوذر غفاریؓ،
حضرت ابودرداؓ،	حضرت سلمانؓ فارسی،
حضرت ابورویحہؓ،	حضرت بلالؓ،
حضرت عباد بنؓ بشر،	حضرت ابوحذیفہ بنؓ عتبہ بن ربیعہ،
حضرت ابی بن کعبؓ،	حضرت سعید بنؓ زید بن عمرو بن نفیل،

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لئے قائم کیا گیا کہ بے خانمان مہاجرین کا چندروزہ انتظام ہوجائے، لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا،

اسلام، تہذیبِ اخلاق وتکمیلِ فضائل کی شاہنشاہی ہے، اس سلطنتِ الٰہی کے لئے وزراء، اربابِ تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہین، شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین مین ان قابلیتون کا ایک گروہ تیار ہوچکا تھا، اور اُن مین یہ وصف پیدا ہوچکا تھا کہ اُن کی درسگاہِ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پاکر نکلین، اس بناپر جن لوگون مین رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، ان مین اس بات کا لحاظ رکھا گیا

کہ استاد اور شاگرد مین وہ اتحادِ مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے، تفحص اور
استقصار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونون مین یہ اتحادِ مذاق ملحوظ
رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت مین سیکڑون اشخاص کی
طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا، قریبًا ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا
کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات مین سے ہے،

حضرت سعید بن زید رضہ عشرۂ مبشرہ مین ہین، ان کے والد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی بعثت سے پہلے ملتِ ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے، اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے،
حضرت سعیدؓ نے اُن ہی کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی، اس لئے اسلام کا نام
سننے کے ساتھ انھون نے لَبَّیْکَ کہا، اُن کی ماں بھی اُن کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام
لائین، حضرت عمرؓ انہی کے گھر مین اور اُن ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے،
علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہ مین تھے، اُن کی اخوت حضرت ابی بن کعب سے
قائم کی گئی، جنھون نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ اُن کو سید المسلمین کہتے تھے، بارگاہ نبوت
مین منصبِ انشا پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے، فن قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہین[1]
حضرت ابو حذیفہ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، جو قریش کا رئیس اعظم تھا، اس مناسبت
سے اُن کو حضرت عباد بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے،

حضرت ابو عبیدہ جراح جن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امین الامۃ کا خطاب
دیا تھا ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے

[1] اصابہ ذکر ابی بن کعبؓ

مقابلہ مین پدری اور فرزندی کے جذبات اُن پر کچھ اثر نہین کر سکتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین جب اُن کے باپ اُن کے مقابلہ مین آئے تو انھون نے پہلے حقوقِ اُبوت کی مراعات کی، لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا، اُن کی تربیت مین حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے، جو قبیلۂ اوس کے رئیسِ اعظم تھے، اُن مین بھی ایثار کا یہ وصف نمایان طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے، اور عرب مین حلیف کا رشتہ اخوت اور اُبوت کے برابر ہوتا تھا، تاہم غزوۂ بنی قریظہ مین جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انھون نے اپنے چار سو حلیفون کو اسلام پر نثار کر دیا،

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ، حضرت سلمانؓ فارسی اور حضرت ابو درداءؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ مین وہ وحدت موجود تھی، جس کی بدولت نہ صرف شاگرد، بلکہ اُستاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا، حضرت عبد الرحمن بنؓ عوف مدینہ مین آئے تو پیغیر سر پر رکھکر بیچتے تھے، حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت مین جو امیر الامراء تھے دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے ہم اوپر لکھ آئے ہین،

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا کی تاریخ مین اس کی نظیر نہین مل سکتی، بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مین اس کو انصار مین تقسیم کر دینا چاہتا ہون، اُنھون نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجرون کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے، تب ہم لینا منظور کرین گے[1]

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا کہ سخت بھوکا

[1] صحیح بخاری فضائل انصار،

ہون، آپ نے گھر مین دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ صرف پانی، آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کوئی ہے؟ جو اُن کو آج اپنا مہمان بنائے، حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کی، مین حاضر ہون، غرض وہ اپنے گھر لوا گئے لیکن وہان بھی برکت تھی، بیوی نے کہا صرف بچون کا کھانا موجود ہے، انھون نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھدو، تینون ساتھ کھانے پر بیٹھے، میان بیوی بھوکے بیٹھے رہے، اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہین، اسی واقعہ[1] کے بارہ مین یہ آیت اُتری ہے،

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر-۱)

اور گو اُن کو خود تنگی ہو تاہم اپنے اوپر دوسرون کو ترجیح دیتے ہین،

صفہ اور اصحاب صفہ اصحاب صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے، گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہین،

"صفہ" سائبان کو کہتے ہین یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ مین سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند لوگون نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی، ان لوگون کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، اُن مین ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیان چُن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیون کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی،

یہ لوگ دن کو بارگاہِ نبوت مین حاضر رہتے اور حدیثین سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ)

[1] صحیح بخاری و فتح الباری فضائل انصار

پڑے رہتے، حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی لوگون مین تھے، ان مین سے کسی کے پاس چادر اور تہمد
دونون چیزین کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکین، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانون تک
لٹک آتی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخین توڑ کر لاتے اور چھت مین لگا دیتے، کھجورین
جو ٹپک ٹپک کر گرتین، یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہین ملتا تھا، اکثر ایسا
ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر
شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت مین گر پڑتے، باہر
کے لوگ آتے اور اُن کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہین[۱]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
جب کہین سے صدقہ کا کھانا آتا تو مسلم اُن کے پاس بھیجدیتے، اور جب دعوت کا کھانا
آتا تو اُن کو بلا لیتے، اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتون کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص
ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے،

حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولتمند تھے، وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانون
کو اپنے ساتھ لے گھر جاتے[۲]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگون کا اس قدر خیال رکھتے تھے
کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ
میرے ہاتھون مین چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہین، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ یہ

---

[۱] جامع ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [۲] زرقانی (ج ۱ صفحہ ۴۷۱ مصر) ذکر اصحاب صفہ
و مسجد نبوی،

نہین ہوسکتا کہ مین تم کو دون اور صفہ والے بھوکے رہین[1]"۔ راتون کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لئے ایک معلم مقرر تھا، اس کے پاس جاکر پڑھتے[2]، اسی بنا پر ان مین سے اکثر "قاری" کہلاتے تھے، دعوت اسلام کے لئے کہین بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوۂ معونہ مین انہی مین سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے، اُن کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی، کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی، لیکن کبھی ایک زمانہ مین اس قدر تعداد نہین ہوئی، نہ صفہ مین اس قدر گنجایش تھی، ان لوگون کا مفصل حال[3] ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۰۴ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف مین لکھا ہے، سلمی نے بھی اُن کے حالات مین ایک الگ کتاب لکھی ہے[4]۔

مدینہ کے یہود اور اُن سے معاہدہ

مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب مین آئے تھے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا تھا، لیکن تاریخی قرائن سے اُس کی تصدیق نہین ہوتی، یہود گو تمام دنیا مین پھیلے لیکن انھون نے اپنے نام کہین نہین بدلے، آج بھی وہ جہان ہین اسرائیلی نام رکھتے ہین، بخلاف اس کے عرب کے یہودیون کے نام، نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہین، یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے

---

[1] زرقانی (ج اوّل صفحہ ۷۴ مصر) ذکر اصحاب صفہ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۳۷ [3] (حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام مین لکھا ہے اس رسالہ مین ستو آدمیون کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہین)

[4] اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم مین جستہ جستہ مذکور ہے، زرقانی نے اور کتابون سے لیکر اضافہ کیا ہے مین نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہین (نیز مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۰ مین بھی ہین)

ہین، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے ۔

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ	تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو، ہم یہان
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مَائِدَہ - ۴)	بیٹھے رہین گے ،

بخلاف اس[1] کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے ،

ان قرائنِ عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہو کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے ،

ثم کانت وقعۃ بنی النضیر	پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا، یہ قبیلہ جذام کا ایک
وھم فخذ من جذام الا انھم	خاندان تھا، لیکن یہودی ہو گیا تھا اور
تھوّدوا ... وکذلک قریظۃ[2]	اسی طرح قریظہ بھی ،

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ[3] مین ایک روایت لکھی ہے ، کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے کسی زمانہ مین عمالقہ سے اور ان کی بُت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے "۔

یہ تین قبیلے تھے بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ، مدینہ کے اطراف مین آباد تھے، اور مضبوط برج اور قلعے بنا لئے تھے ،

انصار کے جو دو قبیلے تھے، یعنی اوس اور خزرج، ان مین باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا، (جنگ بعاث)

---

[1] مسٹر مرگولیوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے، ان کا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیون کی اس بڑی آبادی مین ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی ان مین شامل ہوتے گئے [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹ [3] مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۴۷ ،

اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا، یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائین،

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانون اور یہودیون کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائین آپنے انصار اور یہود کو بلا کر حسبِ ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونون فریق نے منظور کیا

یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے:-

۱- خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا.

۲- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی، اور اُن کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہین کیا جائیگا،

۳- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھین گے،

۴- یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا،

۵- کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا،

۶- مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق شریک یکدگر ہون گے،

۷- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی،

واقعات متفرقہ | اس سال انصار مین سے دو نہایت معزز شخصون نے جو مقربین خاص مین تھے، وفات پائی، حضرت کلثومؓ بن ہدم اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ، کلثومؓ وہ شخص ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا مین تشریف لائے تو انہی کے مکان مین ٹھہرے،

اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی انہی کے گھر اُترے تھے، حضرت اسعد بن زرارہ اُن چھ شخصوں میں ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مکہ میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور ابن سعد کی روایت کے موافق اُن چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا، یہی اسعدؓ تھے، یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ میں آکر جمعہ کی نماز قائم کی،

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے، اس لئے اُن کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اُن کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے، چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اوروں کو رشک ہوگا، اس لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "میں خود تمہارا نقیب ہوں" چونکہ آپ کی ننہال اسی قبیلہ میں تھی، اس لئے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا،

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہایت صدمہ ہوا، منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے تو اُن کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا، آپ نے سُنا تو فرمایا،

لا املک لنفسی ولا لصاحبی	میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے
من اللہ شیئاً۔ (طبری صفحہ ۱۲۶۱)	خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا،

یہ عجب اتفاق ہے کہ عین اُسی زمانہ میں دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی یعنی ولید بن المغیرۃ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا، اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے

طبری صفحہ ۱۲۶۲

حضرت عمروؓ بن عاص ہین، جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے،

اسی زمانہ مین حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی ولادت ہوئی، ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی تھے اور اُن کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھین، اب تک مہاجرین مین سے کسی کے اولاد نہین ہوئی تھی اس لئے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیون نے جادو کر دیا ہے، حضرت عبداللہؓ بن زبیر پیدا ہوے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا،

اب تک نمازون مین صرف دو رکعتین تھین، اب ظہر و عصر و عشا مین چار چار ہوگئین، لیکن سفر کے لئے اب بھی وہی دو رکعتین قائم رہین،

۲ھ

تحویلِ قبلہ و آغازِ غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی مین دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہین، ایک یہ کہ اسلام اپنے لئے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے جو اب ۴۵ کرور قلوب کا مرکز ہے، دوسرا یہ کہ دشمنانِ اسلام اب مخالفت کے لئے تلوار اٹھاتے ہین اور مسلمان اسکی مدافعت کے لئے تیار ہوتے ہین)

تحویل قبلہ، شعبان ۲ھ ہر گروہ، ہر قوم، اور ہر مذہب کے لئے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے، جس کے بغیر اُس قوم کی مستقل ہستی قائم نہین ہو سکتی، اسلام نے یہ شعار قبلہ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حِکَم و اسرار کا جامع ہے، اسلام کا خاص نمایان وصف مساوات و اعلم، جمہوریت اور توحیدِ عمل ہے، یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحد الجہۃ نظر آئین، مذہبِ اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہے، جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے، نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے، لیکن اس طرح کہ ہزارون لاکھون اشخاص کی منفرد ہستیان مٹ کر ایک ہستی بن جائے، اسی بنا پر نماز جماعت مین ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیون کی ایک ایک حرکت اُس کے اشارون سے وابستہ ہوتی ہے، اس لئے ضرور ہے کہ سب کا مرجعِ عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہے جس کی

بنا پر نماز کے لئے ایک قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے، اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے، یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے، کیونکہ اُن کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی، لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشینؐ کے لئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا، جو اُس موحدِ اعظم کی یادگار اور توحیدِ خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک مکہ مین تھے دو ضرورتین ایک ساتھ درپیش تھین، ملتِ ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رُخ کرنے کی ضرورت تھی، لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہین حاصل ہوتی تھی، کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، جس کا رُخ بیت المقدس کی طرف تھا اس طرح دونون قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ مین دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہلِ کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے، شرک کے مقابلہ مین یہودیت اور نصرانیت دونون کو ترجیح تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی تقریباً (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، لیکن جب مدینہ مین اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رُخ کیا جاتا، اس بنا پر یہ آیت اُتری اور دفعۃً قبلہ بدل گیا[1]

[1] اس مضمون مین جس قدر واقعات ہین وہ صحیح بخاری (حدیث قبلۂ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہین،

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ	تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیرو
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا	اور جہان کہین رہو اسی طرف
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (بقرہ - ۱۰)	منہ پھیرو

تحویلِ قبلہ نے یہودیون کو سخت برہم کر دیا۔ اُن کو مشرکین کے مقابلہ مین مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا، اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی اُن کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے یہان تک کہ (جیسا ابو داؤد مین روایت ہی) جن لوگون کی اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہیگا تو ہم اس کو یہودی بنائین گے، اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا، تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لئے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رُخ کرتا ہے، جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو اُن کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہوگیا، انھون نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات مین ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہین اس لئے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے، ڈانوڈول اور ضعیف الایمان مسلمانون کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہین، اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویلِ قبلہ کے مصالح کی متعلق چند آیتین اترین جن سے یہ مشکلین حل ہوتی ہین،

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ	سفہا یہ اعتراض کرینگے کہ مسلمانون کا جو
مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا	قبلہ تھا، اس سے اُن کو کس نے پھیر دیا

عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ	کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہی
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ	تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے
كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ	پھر قبلہ کردیا تو اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ معلوم
يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ	ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہی، اور پیچھے
عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً	پھر جانے والا کون ہی، اور بے شبہہ یہ قبلہ
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ	نہایت گران اور ناگوار ہی بجز ان لوگون کے
(بقرہ - ۱۷)	جن کو خدا نے ہدایت کی ہے،
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	پورب پچھم رخ کرنا ہی کوئی ثواب کی
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ	بات نہین ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر،
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	قیامت پر، ملائکہ پر، خدا کی کتابون پر،
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ	پیغمبرون پر ایمان لائے، اور خدا کی محبت
وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ	مین عزیزون کو، یتیمون کو، مسکینون کو،
ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	مسافرون کو، سائلون کو، غلامون کو
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	(آزاد کرانے مین) اپنی دولت
وَفِي الرِّقَابِ (بقرہ - ۲۲)	دے،

ان آیتون مین خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین، خدا کی عبادت کے لئے پورب پچھم سب برابر ہین، خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہی، پھر قبلہ

کی تعیین کی ضرورت بتائی گہ وہ اختصاصی شعار ہے، اور اصلی اور نمایشی مسلمانون کو الگ کر دیتا ہے، بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانون کے ساتھ نمازمین بھی شرکت کرتے تھے، یہ اسلام کے لئے مارِ آستین تھے، لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہوگیا، کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہین کرسکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیّت ا مذہب، بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے، (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے، پھر دوبارہ خدانے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا، کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رُخ کرنا اصلی ثواب نہین بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کا نام ہے،

سلسلۂ غزوات[1]

کیا عجیب بات ہے. ارباب سیر مغازی کی داستان جس قدر زیادہ درازنفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہین، یورپ اُسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اُس کو اسلام کے جور و ستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اُس کے نقش و نگار کے لئے لہو کے چند قطرے نہین بلکہ چشمہ ہاے خون درکار ہین،

یورپ کے تمام مورخون نے سیرت نبوی کو اس انداز مین لکھا ہے کہ وہ لڑائیون کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین،

لیکن یہ خیال چونکہ واقع مین غلط اور سرتاپا غلط ہے، اس لئے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جاے،

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ مین تھا، مصائب گوناگون کا آماج گاہ تھا مدینہ مین آکر اس کی کلفتین دور ہوئین، مگر یہ خیال صحیح نہین، مکہ مین جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ مین آکر وہ متعدد اور گوناگون بن گئی، مکہ کل ایک قوم تھا،

---

[1] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا، اور جس قسم کے واقعات غزوات مین پیش آئے اُن کے لئے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہو کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہین ہو سکتے تھے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسی وقت ذہن نشین ہو سکتا ہو کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گذر جائین اس لئے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہی ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھین،

مدینہ مین انصار کے ساتھ یہود بھی تھے، جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت مین انصار سے بالکل مختلف اور اُن کے حریف مقابل تھے، اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا، جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونون سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو مین آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنین خم ہوجاتین، لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامگاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنادیا،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن اُبی کو جو واقعہ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لئے تیاری کرلی تھی[1]، خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے،

انکم آویتم صاحبنا و انا نقسم	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہان پناہ دی
باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ	ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہین کہ یا تو تم لوگ
او لنسیرن الیکم باجمعنا	ان کو قتل کرڈالو، یا مدینہ سے نکال دو،
حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح	ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرین گے،
نساءکم (سنن ابوداؤد صفحہ ۶۷	اور تم کو فنا کرکے تمھاری عورتون پر تصرف
جلد ۲ باب خبر النضیر)	کرین گے،

جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف

[1] بخاری باب (التسلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین و المشرکین) منہ۔

لے گئے، اس کو سمجھایا کہ "کیا تم خود اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑو گے"؟ چونکہ انصار اکثر مسلمان ہوچکے تھے، اس لئے عبداللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کرسکا، بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا چنانچہ اُس کی تفصیل آگے آئے گی،

(تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ مین یعنی بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنوالحارث بن خزرج کے محلہ مین سوار ہو کر تشریف لے گئے، ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے، گدھے کے چلنے سے گرد اڑی، تو عبداللہ بن اُبی نے منھ پر کپڑا ڈال دیا، اور حقارت سے بولا "گرد نہ اڑاؤ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتین سنائین، عبداللہ نے کہا "اے شخص مجھ کو یہ پسند نہین، اگر تمہاری بات سچ بھی ہو، تو ہماری مجلس مین آکر ہم کو نہ ستایا کرو، جو تمہارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو" مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہوگئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونون کو ٹھنڈا کیا)

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے رئیس الاعظم تھے، عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے، اُمیّہ بن خلف سے اور اُن سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا، اس تعلق سے حضرت سعدؓ اب بھی اُمیّہ ہی کے مہمان ہوے، ایک دن وہ اُمیّہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے، اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آگیا، اُمیّہ سے اس نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اُمیّہ نے کہا "سعد ہین" ابوجہل نے کہا "تم لوگون نے

ل صحیح مسلم صفحہ ۹ جلد ۲ و بخاری باب مذکور،

صابیون (کفار آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے، مین کبھی یہ نہین دیکھ سکتا کہ تم کعبہ مین آسکو، خدا کی قسم اگر تم امیّہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہین جا سکتے تھے"۔ حضرت سعدؓ نے کہا "اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک[1] دین گے"۔ (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا، اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے[2]، اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا، ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہین پہنچ سکتے تھے، چنانچہ ۶ھ مین جب بحرین سے عبد القیس کی سفارت آئی تو لوگون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہین دیتے، اس لئے ہم صرف ایامِ حج مین جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے، آپ کی خدمت مین آ سکتے ہین[3]۔

قریش نے انہی باتون پر اکتفا نہین کیا، بلکہ جیسا کہ انھون نے عبد اللہ بن اُبی کو لکھا تھا اُس کی تیاریان کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دین، مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) راتون کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے، صحیح نسائی مین ہے،

---

[1] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا مین مذکور ہے[2] ابن ہشام واقعات وفود مین ہے وذلك ان قریشًا کانوا امام الناس..... وقادة العرب لا ینکرون ذلك وکانت قریش ھی التی نصبت الحرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] وفد بنی عبد القیس کے ذکر مین صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابون مین یہ واقعہ مذکور ہے،

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اول	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ مین
ما قدم المدينة يسهر من الليل	آئے تو راتون کو جاگا کرتے تھے،

صحیح بخاری باب الجہاد مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا"، چنانچہ حضرت سعدؓ وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا تب آپنے آرام فرمایا، اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے یہ الفاظ ہین،

عن ابی بن کعب قال لما قدم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ
رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه	جب مدینہ آئے اور انصارؓ نے اُن کو
المدينة وآوتهم الانصار	پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ
رمتهم العرب عن قوس واحدة	اُن سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہؓ
وكانوا لا يبيتون الا بالسلاح	صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے
ولا يصبحون الا فيه[1]	تھے،

مورخین مغازی کی ابتدا انہی واقعات سے کرتے ہین کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی، لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا، مواہب لدنیہ اور زرقانی مین لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ مین جہاد کی اجازت دی، اس کی سند مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ مسند دارمی مین بھی یہ روایت مذکور ہے،

اول اٰیۃٍ نزلت فی الاذن بالقتال اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ا صفحہ ۲۴۴)	پہلی آیت جو قتال کی اجازت مین نازل ہوئی وہ یہ ہے اُذِنَ لِلَّذِیْنَ الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ اُن پر ظلم کیا جاتا ہے اور خدا اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

تفسیر ابن جریر مین ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے،

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ، (بقرہ - ۲۴)	اور خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین،

لیکن غور سے دیکھو کہ دونون آیتون مین انھی لوگون سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانون سے لڑنے آتے ہین، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے تھے،

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مین آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی، کیونکہ اس جرم مین کہ انصار نے مسلمانون کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا، اور اپنے تمام قبائل متحدہ مین یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیرین اختیار کین،

اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو اُن کا مایۂ غرور تھی بند کر دی جائے تاکہ وہ صلح پر مجبور ہو جائین، اور یاد ہوگا کہ حضرت سعد بن معاذؓ نے مکہ مین ابو جہل کو اسی کی دھمکی دی تھی،

دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہیں اُن سے امن وامان کا معاہدہ ہو جائے۔

غرض اِن حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں، ابوا، کی مہم سے پہلے بذاتِ خاص آپؐ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی، اس ابوا، کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپؐ نے خود شرکت فرمائی تھی، اربابِ سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے جن کو اُن کی زبان میں سریہ کہتے ہیں، سریۂ حمزہؓ، سریۂ عبیدہ بن حارث، سریۂ سعد بن ابی وقاص، لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت وخون نہیں ہوا، یا بیچ بچاؤ ہو گیا، یا بچ کر نکل گئے، اربابِ سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لئے بھیجے جاتے تھے، یعنی حضرت سعدؓ کی تصریح کے مطابق اُن کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا، مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی، لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے، کہ اوّل تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت تر گناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟)

دورے پہلے جو نہیں بھیجی گئیں

جہینہ

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لئے مہم بھیجی گئی، ان میں سب سے پہلے جُہینہ کا قبیلہ ہے، جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور اُن کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا، اُن سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں تعلقات رکھیں گے، یعنی

ؔ اس واقعہ کا ذکر مؤرخین نے مستقل طور پر نہیں کیا بلکہ جہاں سب سے پہلے سریۂ حمزہ کا ذکر کیا ہے وہاں مجدی جہنی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے کہ وہ موادعا للفریقین، یعنی اس نے دونوں فریق سے صلح کر رکھی تھی۔

دونون سے الگ رہین گے،

صفر سنہ ۲ھ مین آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے، اور ابواء تک گئے جب (کے قریب ہی غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان واقع ہوا) اور جہان آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے، ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے اور جہان قبیلۂ مزینہ آباد ہے، اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہے، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے، ان اطراف مین قبیلۂ بنو ضمرہ آباد تھا اور یہ نواح اُن کی حدودِ حکومت مین داخل تھے، یہان آپ نے چند روز قیام کر کے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا، جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا، معاہدہ کے یہ الفاظ تھے:

هٰذا كتابٌ من محمد رسول الله	یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے
لبنی ضمرة فانهم آمنون على	بنو ضمرہ کے لئے اُن لوگون کا جان اور مال
اموالهم وانفسهم وانّ لهم	محفوظ رہیگا اور جو شخص ان پر حملہ کریگا
النصر على من رامهم الّا ان	اس کے مقابلہ مین ان کی مدد کی جائے گی
يحاربوا فی دين الله ما بلّ بحرٌ	بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب
صوفة وانّ النبیّ اذا دعاهم	کے مقابلہ مین لڑین اور پیغمبر جب ان کو
لنصرة اجابوه الخ (روض الانف	مدد کے لئے بلائین گے، تو یہ مدد کو
ج ۲ ص ۵۸ و زرقانی جلد ا صفحہ ۷۵۹)	آئین گے۔

تمام محدثین، مغازی کی ابتدا اسی واقعہ سے کرتے ہین، صحیح بخاری مین بھی اسی کو اوّل الغزوات قرار دیا ہے،

قریباً ایک مہینہ کے بعد کُرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا میں تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مویشی لوٹ لئے، اس کا تعاقب کیا گیا، لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا، (کرز بعد کو مسلمان ہوے اور فتح مکہ مین تنہا راہ چلتے شہید ہوے)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپؐ دو سَو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذو العُشیرة پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا، یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی مین ہے،

بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ مین داخل ہو چکے تھے، اس لئے انھون نے آسانی سے یہ شرطین منظور کر لین[1]،

چند روز کے بعد یعنی رجب ۲ھ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ مین مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے، آپؐ نے حضرت عبد اللہؓ کو

---

[1] اصابہ ذکر کرز فہری ۱۲ مین تسلیم کرتا ہون کہ مورخین نے دونون پہلے واقعون کی نسبت لکھا ہے کہ انکا مقصد قریش کے کاروان کا لوٹنا تھا، لیکن اتفاق سے کاروان ہاتھ نہ آیا اور بچ کر نکل گیا؛ لیکن مین واقعات کا پابند ہون، راے اور قیاس سے غرض نہین، اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات تک گئے اور وہان کے قبائل سے معاہدہ کیا، اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصود تھا، گو یہ مقصود نہ حاصل ہو سکا، اگر خدانخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی، اور قافلہ بچ بچ کر نکل جاتا تھا، یہان تک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر مین اسی قسم کی ناکامیابی ہوئی اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا،

ایک خط دے کر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا، حضرت عبد اللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ مین قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لیے آتے تھے، سامنے سے نکلے، حضرت عبد اللہؓ نے اُن پر حملہ کیا، ان مین سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبد اللہؓ نے مدینہ مین آکر یہ واقعہ بیان کیا، اور غنیمت کی چیزین پیش کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مین نے تم کو یہ اجازت نہین دی تھی، غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا، صحابہؓ نے حضرت عبد اللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صنعتم مالم تومروا به وقاتلتم	تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہین
فی الشهر الحرام ولم تومروا	دیا گیا تھا اور ماہِ حرام مین لڑے حالانکہ اس مہینہ
بقتال، (طبری صفحہ ۱۲۷۵)	مین تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا،

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبد اللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کا دادا) کا حلیف[1] تھا، حرب قریش کا رئیس اعظم تھا، اور عبد المطلب کے بعد ریاست عام اُسی کو حاصل ہوئی تھی، جو لوگ گرفتار ہوے، یعنی عثمان و نوفل دونون مغیرہ کے پوتے تھے مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالد کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا، ا[2]

[1] اصابہ ترجمہ علاء حضرمی [2] طبری صفحہ ۱۲۷۴،

بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ اور ثار یعنی انتقامِ خون کی بنیاد قائم ہو گئی، معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے، حضرت عروۃ بن زبیر حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، انھون نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیان جو قریش سے پیش آئین سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے، علامۂ طبریؒ لکھتے ہین :-

وکان الذی ھاج وقعة بدر	اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا(۱)
وسائر الحروب التی کانت	وہ تمام لڑائیان چھیڑ دین، جو آنحضرت
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش مین
وبین مشرکی قریش فیما	پیش آئین سب کا سبب یہی
قال عروۃ بن الزبیر ما کان	تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو
من قتل واقد بن عبد اللہ	قتل کر دیا تھا،
السھمی عمرو بن الحضرمی،	

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے، اس لئے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت مین لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کرین گے۔

(۱) طبری ص ۱۲۸۴ ، س ۱

غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

رمضان سنہ ۲ھ

بدر ایک گاؤن کا نام ہے جہان سال کے سال میلہ لگتا ہے، یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہان شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیون مین سے ہو کر گذرتا ہے، مدینۂ منورہ سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کر دی تھین، عبداللہ بن اُبی کو انھون نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، یا ہم آکر اُن کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہین، قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھین، کُرز فہری مدینہ کی چراگاہون تک آکر غارت گری کر گیا تھا،

حملہ کے لئے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اس لئے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا، اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی کل کی کل دے دی،[1]

[1] ابن سعد صفحہ ۔۔ مین ابوسفیان سردارِ قافلہ کا قول لکھا ہے، واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ لہ نشٌ فصاعداً الا بعث بہ معنا، ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہین ہوتی، اس لیے انھون نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا، لیکن ان کو احساس نہین کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اگل دینے کی ضرورت کیا تھی،

نہ صرف مرد بلکہ عورتین جو کاروبار تجارت مین بہت کم حصہ لیتی ہین، اُن کا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہین ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا، جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا،

اسی اثنا مین یہ غلط خبر مکہ معظمہ مین پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہین، قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھاگیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا، حضرت ابو بکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریرین کین. لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انصار کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اُٹھائین گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھائین، حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے اُٹھ کر کہا "کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم آپؐ فرمائین تو ہم سمندر مین کو دپڑین"

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے. بخاری مین ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہین گے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑین ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے بائین سے، سامنے سے، پیچھے سے، لڑین گے"، اُن کی اس تقریر سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا چہرہ چمک اٹھا،

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپؐ تقریبًا تین سو جان نثارون کے ساتھ شہر سے نکلے ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا جو کم عمر تھے واپس کردیئے گئے، کہ ایسے پُرخطر موقع پر بچون

ابن سعد صفحہ ۸

کا کام نہین، عمیر بن ابی وقاص ایک کمسن بچہ تھے جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی، عمیرؓ کے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص نے
کمسن سپاہی کے گلے مین تلوار حمائل کی[1]، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس مین ساٹھ مہاجر
اور باقی انصار تھے، چونکہ غیبت کی حالت مین منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان
نہ تھا، اس لئے ابو لبابہ بن عبد المنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائین
عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا، ان انتظامات کے بعد آپؐ
بدر کی طرف بڑھے، جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رسان بُسَیْسَہ اور عدی آگے
روانہ کردیئے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین، ذُو حار، مُنصرَف، ذات
اجذال، مَعلاۃ، اُثیل سے گذرتے ہوے، ار رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، خبر سانون
نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
یہین رک گئے اور فوجین اتر پڑین،

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سرو سامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی سَو
سوار دن کا رسالہ تھا، رؤسائے قریش سب شریک تھے، ابو لہب مجبوری کی وجہ
سے نہ آسکا تھا، اس لیے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیجدیا تھا، رسد کا یہ انتظام
تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث
ابو جہل، امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگون کو

---

[1] منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر، بدر،

کہلاتے تھے، عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا،[1]

قریش کو بدر کے قریب پہنچکر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا "اب لڑنا ضرور نہیں" لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی،

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انھوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا، زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پانوں ریتی میں دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حبابؓ بن منذر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو سے ہے؟ یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہیں ہے"، حضرت حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیئے جائیں[2] آپ نے رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینھ برس گیا جس سے گرد جم گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنالئے گئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ	اور جبکہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا
مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ ، (انفال-۲)	کہ تم کو پاک کرے،

---

[1] معارف ابن قتیبہ (باب اسماء المطعمین من قریش فی غزاۃ بدر، سیرۃ ابن اسحاق بہ روایت ابن ہشام غزوۂ بدر [2] ابن ہشام۔

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقی کوثر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیض عام تھا اس لئے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی، یہ رات کا وقت تھا: تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا، لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور معروف دعا رہی، صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی. بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔

قریش جنگ کے لئے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے، جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے، ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جاکر کہا آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے، عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے، عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضرور تھا حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا، عتبہ کا پیام سن کر بولا "ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا" عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے، اور اس معرکہ میں انحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے، کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے،

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو! تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور

لہ ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۶ سے منتخب کنز العمال غزوہ بدر بہ روایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ،

گرد اڑا کر واعمروہ واعمروہ کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج مین آگ لگادی

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدانِ جنگ بتادیگا

کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے، یہ کہہ کر مغفر مانگا، لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی

مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجے،

چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہین فرماتے

تھے اصحابؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپ اس مین تشریف

رکھین، حضرت سعد بنؓ معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے

اگرچہ بارگاہِ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہوچکا تھا، عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے، ملائکہ

کی فوجین ہمرکاب تھین، تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپ نے اصولِ جنگ کے مطابق

فوجین مرتب کین، مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار

حضرت حبابؓ بن منذر اور اوس کے حضرت سعد بنؓ معاذ مقرر ہوئے،

صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی، دستِ مبارک مین ایک تیر تھا

اس کے اشارہ سے صفین قائم کرتے تھے، کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے،

لڑائی مین شور و غل عام بات ہے لیکن منع کردیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نکلنے پائے

اس موقع پر بھی جبکہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانون کی طرف

ایک آدمی بھی آکر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن وفا

تھے (حضرت) حذیفہؓ بن الیمان اور (حضرت) حسیلؓ دو صحابی کہین سے آرہے تھے، راہ مین

کفار نے روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جارہے ہو؟ انھون نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔ فرمایا ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرین گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔[1]

اب دو صفین آمنے سامنے مقابل تھین، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ	جو لوگ باہم لڑے اُن مین تمہارے لئے
الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	عبرت کا نشان ہے، ایک خدا کی راہ مین
وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ ، (آل عمران - ۲)	لڑ رہا تھا اور دوسرا منکر خدا تھا،

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا مین توحید کی قسمت صرف چند جانون پر منحصر تھی، صحیحین مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونون ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے "خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" محویت اور بیخودی کے عالم مین چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدہ مین گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائیگا۔

اس بیقراری پر بندگان خاص کو رقت آگئی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی "حضور خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا، آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ	فوج کو شکست دی جائے گی، اور وہ
(قمر - ۳)	پشت پھیر دین گے،

[1] صحیح مسلم (باب الوفاء بالعہد، کتاب الجہاد والسیر) ص:

بڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے،

قریش کی فوجین اب بالکل قریب آگئین تاہم آپؐ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائین تو تیر سے رُوکو،

یہ معرکہ ایثار اور جان بازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونون فوجین سامنے آئین تو لوگون کو نظر آیا کہ خود اُن کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہین، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جواب تک کافر تھے) میدانِ جنگ مین بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچکر نکلے، عتبہ میدان مین آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی،

لڑائی کا آغاز یون ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا، آگے بڑھا، مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا،

عتبہ جو سردار لشکر تھا، ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان مین نکلا، اور مبارزطلبی کی، عرب مین دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدانِ جنگ مین جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شترمرغ کے پر تھے، حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصارؓ ہین تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہین، پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کرکے پکارا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہین ہین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق

لہ استیعاب ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۲ھ سیرت ابن ہشام (۴۰۰ مطبع محمد علی مصر) ۳ھ کتب حدیث

انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان مین آئے، چونکہ یہ لوگ خُود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ گئے تھے[1]) عتبہ نے پوچھا تم کون ہو، سب نے نام و نسب بتائے، عتبہ نے کہا "ہان اب ہمارا جوڑ ہے"۔

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا، اور دونون مارے گئے، لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا، حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا مین دولتِ شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہین تم نے شہادت پائی"۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ اُن کے اس شعر کا مستحق مین ہون[2]،

ونسلمہ حتی نصرع حولہ — ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس وقت دشمنون کے حوالہ کرینگے
ونذھل عن ابنائنا والحلائل — جب اُن کے گرد لڑ کر مر جائین، اور ہم اپنے بیٹون اور بی بیون سے بھلا نہ دیئے جائین،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳) مین جو الفاظ ہین مختلف ہین، ابو داؤد (کتاب الجہاد) مین ہی کہ عتبہ نے کہا کہ ہم کو اپنے برادران عم زاد سے غرض ہی، تم سے کام نہین، انصاری محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہی کہ اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہی انصار سے نہین"، لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے تھے صحیح روایتون مین مذکور ہی کہ جب ابوجہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا کاش مجھ کو خلاحون (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا، انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا[1]

[1] (ابن سعد غزوہ بدر و بدایہ و نہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۳ مصر) [2] زرقانی ان واقعات مین روایتین مختلف ہین اور قریباً سب

ہم مرتبہ ہین اس لیے جو روایت اختیار کر لی جائے قابل الزام نہین۔

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدۃ) سر سے پانون تک لوہے مین ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا کہ مین ابوکرش ہون۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے، اور چونکہ صرف اُس کی آنکھین نظر آتی تھین، تاک کر آنکھ مین برچھی ماری، وہ زمین پر گرا اور مرگیا، برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پانون اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی، لیکن دونون سرے خم ہوگئے، یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی، پھر چارون خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبداللہؓ بن زبیر کے پاس آئی[1]

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ مین کئی کاری زخم اٹھائے، شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اُس مین انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ اُن کے بیٹے (عروۃ) بچپن مین اُن زخمون سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے، وہ لڑتے لڑتے کرگئی تھی چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروۃ سے کہا تم زبیر کی تلوار پہچان لو گے؟ انھون نے کہا ہان، عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ مین اس مین دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرع پڑھا، بھن فلول من قراع الکتائب، عبدالملک نے تلوار عروہ کو دیدی، انھون نے اُس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا،

اب عام حملہ شروع ہوگیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، لیکن ادھر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر مین پورا واقعہ منقول ہی [2] پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر مین ہے:

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیِ اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار مین سے مُعوّذ اور مُعاذ[1] دو بھائیون نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہان نظر آجائے گا یا اس کو مٹادین گے یا خود مٹ جائین گے،

حضرت عبد الرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ مین صف مین تھا کہ دفعۃً مجھ کو داہنے بائین دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان مین پوچھا کہ ابوجہل کہان ہے؟ مین نے کہا برادرزادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ مین نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہان دیکھ لون گا یا اُسے قتل کردون گا یا خود لڑکر مارا جاؤن گا؟ مین جواب نہین دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانون مین یہی باتین کہین، مین نے دونون کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے؛ بتانا تھا کہ دونون باز کی طرح جھپٹے، اور ابوجہل خاک پر تھا، دونون جوان عفراء کے بیٹے تھے

"معوذ و معاذ" ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائین شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا، مُعاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا، مُعاذ اسی حالت مین لڑ رہے تھے، لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ کو پاؤن کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا، اور اب وہ آزاد تھے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہین اُن مین ایسے بھی لوگ ہین جو خوشی سے نہین بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہین؛ اُن لوگون کے نام بھی آپ نے بتادیے تھے، اُن مین ابوالبختری بھی تھا، مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی، مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] بعض روایتون مین معاذ بن عمرو معاذ بن عفراء ہو

نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے، اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں، ابو البختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا، ابو البختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا نہیں، ابو البختری نے کہا تو میں خاتونان عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہکر ابو البختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا، اور مارا گیا،

لن یسلم ابن حُرۃٍ زمیلہ — شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا،

حتیٰ یموت او یریٰ سبیلہ — جبتک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے،

عتبہ اور ابو جہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا، اور فوج میں بے دلی چھا گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن اُمیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئیگا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے، بدر میں اُس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے، اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے، اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کردی، دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے، اُنھوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا لوگوں نے اس کو قتل کر دیا، لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے، انھوں نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ، یہ لیٹ گیا تو یہ اُس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اُس کو قتل کر دیا، حضرت عبدالرحمٰن

کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتون تک قائم رہا[1]،

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانون نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا،

حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی)، نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے، ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جا کر لاشون مین دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا. بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے"

ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا، جنھون نے اس کے انتقام مین اس کی گردن پر پانون رکھا، ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہان پانون رکھتا ہے. حضرت عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمون پر ڈالدیا[2]،

مغربی مورخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب مین جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہین، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیون نے ایک ہزار جن مین سو سوارون کا رسالہ تھا، کیونکر فتح پائی، لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہین، تاہم اس واقعہ مین ظاہر بینون کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہین، اول تو قریش مین باہم اتفاق نہ تھا، عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا، قبیلۂ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے،

---

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری مین ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی مین نہین بلکہ کتاب الوکالۃ مین ہے، اس لئے ارباب سیر کی نظر نہین پڑی
[2] بخاری غزوۂ بدر) [illegible] ایضاً.

پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریش جہان صف آرا تھے وہان کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا، قریش مرعوب ہوکر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا، چنانچہ قرآن مجید مین ہے،

یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ	وہ اپنی آنکھون سے مسلمانون کو اپنے
(آل عمران ۲)	آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے،

کفار کی فوج مین کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی، بخلاف اس کے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود دست مبارک مین تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفین درست کی تھین، مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے صبح اٹھے تو تازہ دم تھے، بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے،

تاہم یہ اسباب ہین، اُن کا اجتماع اور تہیہ بھی تائید الٰہی ہے، پھر قریش اور مسلمانون کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانون کی فتح کی مقتضی تھی قریش کی فوج مین بڑے بڑے دولتمند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے، مسلمانون کے پاس کچھ نہ تھا، قریش کی تعداد ایک ہزار تھی، مسلمان صرف ۳۰۰ تھے، قریش مین سو سوار تھے، مسلمانون کی فوج مین صرف دو گھوڑے تھے، مسلمانون مین بہت کم سپاہی تمام ہتھیارون سے پورے تھے، اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے مین غرق تھا،

بااین ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانون مین سے صرف ۱۴ شخصون نے شہادت پائی، جن مین ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے، لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی،

اور رؤسائے قریش جو شجاعت مین نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کرکے مارے گئے، اُن مین شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، اُمیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، قریش کے سرتاج تھے، قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اسیرانِ جنگ مین سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کردیئے گئے، باقی گرفتار ہوکر مدینہ مین آئے، ان مین حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد) بھی تھے،

لڑائیون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہان کوئی لاش نظر آتی تھی، آپ اس کو زمین مین دفن کرادیتے تھے، لیکن اس موقع پر کشتون کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنوان تھا، تمام لاشین آپؐ نے اس مین ڈلوادین، لیکن اُمیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہین رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے، اس لئے وہین خاک مین دبادی گئی،

اسیرانِ جنگ جب مدینہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھین، ان قیدیون مین اُن کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے، اُن پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھین کہ تم نے بھی عورتون کی طرح خود بیڑیان پہن لین، یہ نہ ہوسکا کہ لڑکر مرجاتے،

اسیرانِ جنگ دو دو، چار چار صحابہ کو تقسیم کردیئے گئے، اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ

---

[۱] روض الانف [۲] ابن ہشام،

رکھے جائین، صحابہؓ نے اُن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ اُن کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیون مین ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیرؓ کے بھائی تھے، اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریون نے اپنے گھر مین قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھدیتے اور خود کھجورین اٹھالیتے، مجھ کو شرم آتی اور مین روٹی اُن کے ہاتھ مین دیدیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے، اور یہ اس بنا پر تھا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیون کیساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔[1]

(قیدیون مین ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریرین کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یارسول اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مین اگر اس کے عضو بگاڑون گا (مثلہ) تو گو نبی ہون، لیکن خدا اس کی جزا مین میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔[2])

حضرت عباسؓ (کے بدن پر کرتا نہ تھا، لیکن اُن) کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ اُن کے بدن پر ٹھیک نہین اترتا تھا، عبداللہ بن اُبی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا، صحیح بخاری مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے کفن کے لئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔[3]

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ

[1] طبری صفحہ ۱۳۳۸، [2] ایضاً ۱۳۴۴، [3] صحیح بخاری صفحہ ۴۲۲، (باب الکسوۃ للاساری)

کے معاملہ مین کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز اقارب مین فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائین. لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ مین دوست دشمن، عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی، اس لئے انھون نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیے جائین ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس پر خدا کا عتاب آیا اور یہ آیت اُتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال - ۹) — اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے،

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور اور احادیث مین بھی موجود ہے، لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہے، ترمذی مین جو روایت ہے اُس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے، عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت مین مصروف ہوگئے، اس پر عتاب آیا، لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہین دیا گیا تھا، اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا، اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے،

قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین،

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا. (انفال - ۹) — تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے

اس آیت مین صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا، اور وہ

مال غنیمت تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے، یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا، صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین، کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ابکی الذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء یعنی تمھارے ساتھیون نے جو فدیہ لیا، اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر مین رو رہا ہون۔ عموماً لوگون نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیرانِ جنگ کو قتل کیون نہین کر ڈالا، چنانچہ لوگون نے اس آیت سے استدلال کیا ہے،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (انفال - ۹)

کسی نبی کو یہ مناسب نہین کہ بغیر اچھی طرح خونریزی کرنے کے لوگون کو قیدی بنائے۔

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدانِ جنگ مین جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے، قیدی بنانا مناسب نہین، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کئے جا سکتے ہین؛

بہرحال اسیرانِ جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہین کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے، ان مین سے جو لکھنا جانتے تھے اُن کو حکم ہوا کہ دس دس بچون کو لکھنا سکھا دینؐ تو چھوڑ دیے جائین گے. حضرت زید بن ثابتؓ نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،

ﻟﮧ مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۲۴۷ ﮯ طبقات ابن سعد صفحہ ۱۴،

انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں، ہم اُن کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا[1] اور اُن کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا، فدیہ کی عام مقدار ۴، ۴ ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا، حضرت عباسؓ دولتمند تھے، اس لئے اُن سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، لیکن اُن کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی، اس میں قریب وبعید، عزیز وبیگانہ، عام وخاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے۔ (لیکن ایک طرف تو اداے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سُن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے، لوگوں نے اُنکی گرہ کھولی تو آپؐ نے آرام فرمایا)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابو العاص بھی اسیرانِ جنگ میں آئے تھے اُن کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیجدیں، حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں اُن کو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اُتار کر بھیجدیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہ سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کردو، سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار

---

[1] بخاری صفحہ ۵۷۰، (ج اوّل کتاب المغازی)

واپس کردیا، [1]

(ابو العاص رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجدیا، ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے، واپسی مین مسلمان دستون نے اُن کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کرلیا، اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا، یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے، انھون نے پناہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کردو، پھر تسلیم کی گردنین جھک گئین اور سپاہیون نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کردیا، اب یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابو العاص مکہ آئے اور تمام شرکا کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے، اور کہدیا کہ مین اس لئے یہان آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہون تاکہ یہ نہ کہو کہ ابو العاصؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا[2])

بدر کی خبر مکہ مین پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرادی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے، اس کا دل اُمنڈا آتا تھا، لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہین سکتا تھا، اتفاق یہ کہ ایکدن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی، سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دیدی ہے، نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہوگئی، میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہے جی کھول کر رولون تو تسکین ہوجائے، آدمی نے آکر کہا ایک عورت کا

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸ و ابو داؤد، [2] تاریخ طبری)

اونٹ گم ہوگیا ہے، اس کے لیے رُو رہی ہے، اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے،

اتبکی ان یضلّ لها بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے،
ویمنعها من النوم السهود	اور اس کو نیند نہیں آتی (اونٹ
ولا تبکی علی بکر ولکن	پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہان
علی بدر تقاصرت الجدود	قسمت نے کمی کی، تجھ کو رونا ہی،
فبکی ان بکیت علی عقیل	تو عقیل پر رو، اور حارث پر رو
وبکی حارثا اسد الاسود	جو شیرون کا شیر تھا

(عمیر بن وہب قریش مین اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن اُمیہ حجر مین بیٹھے ہوئے متقولین بدر کا ماتم کر رہے تھے، صفوان نے کہا خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہین" عمیر نے کہا سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچون کا خیال نہ ہوتا تو مین سوار ہو کر جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا، میرا بیٹا بھی وہان قید ہے، صفوان نے کہا تم قرض کی، اور بچون کی فکر نہ کرو، اُن کا مین ذمہ دار ہون، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر مین بجھائی اور مدینہ پہنچا، حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے، گلا دبائے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین لائے، آپؐ نے فرمایا عمر! چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ سے آئے جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہون، فرمایا تلوار کیون حمائل ہی؟ عمیر نے کہا آخر تلوارین بدر مین کس کام آئین، فرمایا کیون نہین، تم نے اور صفوان نے حجر مین بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہین کی؟ عمیرؓ یہ بات سُن کر سناٹے مین آگیا، بے اختیار ہو کر بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی، قریش جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انھون نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی

حضرت عمیرؓ مسلمان ہوکر بہادرانہ مکہ مین آئے جہان کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، اُن کو اسلام کے دوستون سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ اب دشمنان اسلام کے دشمن تھے، یہان پہنچکر انھون نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کردیا[1])

غزوۂ بدر کا بیان قرآن مین (اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہین اُن مین ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک مین اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات و نعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقۂ بدر کی توضیح کے لئے مخصوص کردیا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لئے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہین،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا	مومن وہ ہین کہ جب خدا کا نام لیا جائے
ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ	تو اُن کے دل دہل جائین اور جب اسکی
وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ	آیتین پڑھ کر سنائی جائین تو اُن کا ایمان
زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ	بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ
یَتَوَکَّلُوْنَ ۔ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ	کرتے ہین، جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہین،

[1] یہ تمام واقعات تاریخ طبری مین بحوالہ عروہ بن زبیرؓ مذکور ہین، صفحہ ۱۳۵۲)

Arabic	Urdu
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ	اور خدا نے جو اُن کو روزی دی ہے، اس سے
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ	راہِ خدا میں بھی کچھ دیتے ہیں، یہ ہیں سچے
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ	مومن، اُن کے لئے خدا کے پاس رُتبے ہیں
كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ	بخشش ہے، اور اچھی روزی ہے، جس طرح اے
مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ	پیغمبرؐ خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر) تک
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ	نکال لایا، حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا	اس سے ناخوش تھا وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى	پیچھے بھی جھگڑتا ہے، گویا کہ وہ موت کی طرف
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ	ہنکائے جا رہے ہیں، اور وہ موت کو دیکھ
اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى	رہے ہیں، اور جب خدا تم سے قریش کے قافلے
الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ	اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا
اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ	ہے کہ وہ تمہارے لئے ہے، تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ
لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ	والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ	خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے
لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ	اور باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس سے رنجیدہ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ	ہوں، یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ	فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری سنی (اور کہا)

بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ	مین تمہاری لگاتار ہزار فرشتون سے مدد کرونگا
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى	خدا نے یہ صرف مسلمانون کی خوشی اور اطمینان
وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ	قلب کے لئے کیا اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہے
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ	خدا غالب و دانا ہے یاد کرو جب تمہارے چین
حَكِيْمٌ ۝ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً	کے لئے اپنی طرف سے اونگھ تم پر طاری کر رہا تھا
مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ	اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے
عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ	دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے، یاد کرو
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ	جب خدا فرشتون کو حکم دے رہا تھا کہ مین تمہارے
اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ	ساتھ ہون، مسلمانون کو ثابت قدم رکھنا،
مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ	مین کافرون کے دل مین رعب ڈال دونگا
فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ	کافرون کی گردنین مارو اور ہر جوڑ پر مارو،
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا	یہ اس لئے کہ انھون نے خدا اور خدا کے رسول
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	سے دشمنی کی ہے، اور جو خدا اور خدا کے رسول
شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ	سے دشمنی کرے گا خدا اس کو سخت عذاب دیگا
يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ	ہی یہ ہے عذاب! اس کا مزہ چکھو، کافرون کیلیے
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ	عذاب دوزخ ہے، مسلمانو! جب میدان جنگ

فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ
دُبُرَهٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا
اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۝ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ
وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ رَمٰى ۝ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ
مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ
كَيْدِ الْكَافِرِيْنَ ۝ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا
فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۝ وَاِنْ تَنْتَهُوْا
فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا
نَعُدْ ۝ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ
شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

جب کافرون کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو،
اور بجز اس کے کہ لڑنے کے لئے مڑے یا کسی دستہ
کی طرف پھرے، جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا
کا غضب لائیگا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور
کیا برا ٹھکانا ہے، مسلمانو! ان کافرون کو تم نے
نہین مارا لیکن خدا نے مارا، اور اے محمدؐ!
تم نے نہین پھینکا جب تم نے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا،
تاکہ اپنی طرف سے اہل ایمان کو اچھا
انعام دے، خدا دانا اور بینا ہے، اور
کافرون کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا
ہے، اگر فتح چاہتے تھے، تو فتح آچکی، اب
اگر رک جاؤ تو بہتر ہے، اور تم پھر مخالفت
پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر مسلمانون کی
مدد کرین گے، یاد رکھو کہ تمہاری جمعیت
کچھ مفید نہین، گو وہ کتنی ہی کثیر ہو،
اور خدا مومنون کے ساتھ ہے،

(انفال - ۲)

(٢) وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ
اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا
اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ
فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى
مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ
فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ

(٣) اُنھیں جان لو کہ جو مالِ غنیمت ملے تو اس کا
پانچوان حصّہ خدا کے لئے اور اس کے رسول
کے لئے، اہلِ قرابت کے لئے، یتیمون کیلئے،
مسکینون کے لئے اور مسافرون کے لئے ہے
اگر خدا پر تم ایمان لا چکے ہو، اور حق و باطل
مین فرق کر دینے والے دن مین (یعنی
بدر مین) خدا نے اپنے بندہ پر جو (فتح) اتاری
اس کو مان چکے، جب دونون فوجین آمنے
سامنے آگئین، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے
جب تم قریب کے میدان مین اور قریش کی فوج
دور کے میدان مین اور قافلہ تم سے نیچے تھا اگر تم
ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے تو
وقت مین اختلاف ہو جاتا، لیکن (خدا نے یہ
اس لئے کر دیا) تاکہ جو ہونے والا تھا، خدا
اس کو کر دے، تاکہ جس کو مرنا ہو وہ بھی
دلیل دیکھ کے مرے، اور جس کو زندہ رہنا
ہے وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے، اور

كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ — سننے والا اور جاننے والا ہے، یاد کرو جب خدا

وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ — تم کو جنگ کی حالت میں ان کو تھوڑا دکھا

الصُّدُورِ ۝ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ — رہا تھا، اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو تم سست

إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا — پڑ جاتے اور باہم جھگڑ پڑتے، لیکن خدا نے

وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ — محفوظ رکھا، وہ سینوں کے بھید سے واقف

أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ — ہے، جب تمہاری نظر میں خدا ان کو تھوڑا

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ — دکھا رہا تھا اور تم کو اُن کی نگاہ میں تاکہ جو

آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا — ہونے والا ہے خدا اس کو پورا کرے اور

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ — اسی کی طرف تمام معاملے پھرتے ہیں مسلمانو!

تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَ — جب کسی دستہ فوج سے مقابلہ آ پڑے تو

رَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا — ثابت قدم رہو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو،

وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا — تاکہ کامیاب ہو، اور خدا اور اس کے رسول

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا — کی اطاعت کرو، اور جھگڑا نہ کرو، ورنہ سست

تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن — پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائیگی، مستقل

دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ — رہو خدا مستقل لوگوں کے ساتھ ہے، اور ان لوگوں

وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ — (یعنی قریش) کی طرح نہ ہو جو اپنے گھروں سے

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ (انفال) مغرورانہ، نمائش اور دکھاوے کیساتھ اور خدا کی

راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے، اور خدا ان کے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے،

(۳) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (انفال-۹) ۝ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (انفال-۱۰)

(۳) پیغمبر کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں تاآنکہ خوب زمین میں لڑ نہ لے، تم دنیا کی دولت چاہتے ہو (قیدی چھوڑ دوگے تو فدیہ ہاتھ آئیگا) اور خدا آخرت چاہتا ہے، خدا دانا اور توانا ہے، اگر خدا کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیوں سے لے لیا، اس پر دردناک عذاب پہنچتا، اب جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا، کھاؤ، وہ حلال طیب ہے، اور خدا سے ڈرا کرو، خدا آمرزگار اور مہربان ہے، اے پیغمبر تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھیگا تو تم سے جو لیا گیا ہے اس کے بدلہ وہ نیکی عطا کریگا، اور تمہیں معاف کریگا، وہ بخشش اور مہربانی والا ہے، اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، اسی لئے تو خدا نے ان کو تمہارے قابو میں، کر دیا، اور خدا دانا اور حکمت والا ہے (۴)

خدا نے اسی احسان کو اُحد کے موقع پر یاد دلایا ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ، (آل عمران-۱۳)

یقیناً خدا نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تاکہ تم شکرگذار بنجاؤ،

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے، کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا، یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا،

مین اس بات سے خوب واقف ہون کہ تاریخ اور محکمۂ عدالت مین فرق ہے، مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے، مین اس کو بھی تسلیم کرتا ہون کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے، فیصلہ نویسی نہین، لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعہ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہے، اس لئے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصل مقدمہ کا قلم ہاتھ مین لینا پڑتا ہے،

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہین کہ اس فیصلہ مین عام مورخین اور ارباب سیر میرے حریفِ مقابل ہین، نہایت جلد نظر آجائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پاسکتا ہے؛ سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیشِ نظر رکھنے کے لئے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہئے کہ (ہماری تحقیقات کے رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کردیا تھا، اور اس سلسلہ مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان بھی پیش آگئین، دونون فریق ایک دوسرے سے پرخذر

رہتے تھے، اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہے غلط خبرین خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی

ہین، اسی اثنا مین ابو سفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام مین تھا کہ یہ خبر

وہان مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین، ابو سفیان نے وہین سے مکہ کو آدمی

دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے، قریش نے لڑائی کی تیاریان شروع کر دین، مدینہ مین یہ مشہور ہوا

کہ قریش ایک جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ آرہے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کا

قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا،

اس بحث کے فیصلہ کے لئے سب سے پہلے اُن واقعات کو یکجا لکھدینا چاہئے، جن پر دونون

فریق کا اتفاق ہے تاکہ وہ انفصالِ بحث مین اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئین، وہ یہ ہین،

(۱) قرآن مجید مین اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اُس کے مقابلہ مین کسی روایت یا

تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا،

(۲) کتبِ حدیث مین صحت کے لحاظ سے باہم جو فرقِ مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائیگا،

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی

تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہین، تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر اُن کا استمزاج کیا، مہاجرین

نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی مرضی دریافت

کرنا چاہتے تھے، یہ دیکھ کر سعدؓ یا اور کوئی معزز انصاری اُٹھے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ کا

روے سخن ہماری طرف ہے؟ ہم وہ لوگ نہین ہین جنھون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا

خدا دونون جا کر لڑو ہم یہین بیٹھے رہین گے، خدا کی قسم اگر آپ حکم دین تو ہم آگ اور سمندر مین

کود پڑین۔

یہ بھی مسلم ہے کہ صحابہ مین کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید مین تصریح ہے،

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِھُوْنَ (انفال-۱) اور مسلمانون کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا،

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضا مندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ مین جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کرینگے: یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑین گے، ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے کہ "یہ واقعات کہان پیش آئے" ارباب سیر لکھتے ہین کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجین لئے چلے آتے ہین، اُس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائین آگے کے واقعات یہین پیش آئے، لیکن کتب سیر، تاریخ، اور تمام دیگر شہادتون سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے:

کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ	جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر
بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ	نکالا در آنحالیکہ مسلمانون کا ایک گروہ اس کو
لَکَارِھُوْنَ ۙ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ	پسند نہین کرتا تھا، یہ لوگ حق کے ظاہر ہوے
بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ	پیچھے تجھ سے حق بات مین جھگڑا کرتے تھے گویا

اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَ	کہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہین، اور موت
اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ	کو آنکھون سے دیکھ رہے ہین، اور جبکہ خدا تم
اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ	سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتون مین کوئی جماعت
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ	تم کو ہات آئے گی، اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ	والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (انفال ع-۱)	تھا کہ حق کو اپنی باتون سے قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے

(۱) ترکیب نحوی کے رو سے وَاِنَّ مین جو واؤ ہے، حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہین، کہ مسلمانون کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے، یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپؐ مدینہ سے نکل رہے تھے، نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپؐ آگے بڑھے. کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت، اور اس گروہ کے جی چُرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے،

(۲) آیت مذکورہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اُس وقت دو گروہ سامنے تھے، ایک کاروانِ تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی، ارباب سیر کہتے ہین کہ آیت قرآنی مین یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچکر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ "دونون مین سے ایک کا وعدہ ہے" اس لئے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونون گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو، اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مین تھے، اور دونون طرف کی خبرین آگئی تھین کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لیکر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہین۔

(۳) سب سے زیادہ قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورۂ بالا مین کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے، ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحب شوکت یعنی کفارِ قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے آرہے تھے، آیت مین تصریح ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے خدا نے ان لوگون پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	اور تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ تم کو ہاتھ
تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ	آجائے، اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتون
يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ	سے حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ
الْكَافِرِينَ، (انفال ع-۱)	کاٹ دے،

ایک طرف وہ لوگ ہین جو قافلہ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہین، دوسری طرف خدا ہے، جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو مین سے کس کے ساتھ ہین؟ عام روایتون کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا، مین اس تصور سے کانپ اٹھتا ہون،

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہین کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ

ہین، ان مین فاتح خیبر اور حضرت امیر حمزہؓ سید الشہدا بھی ہین، جن مین سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے، باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید مین یہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے کچھ صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور اُن کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منھ مین لیے جاتا ہے،

وَاِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ	اور مسلمانون کی ایک جماعت کارہ تھی،
لَكَارِهُونَ، يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ	وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ	کرتی تھی، گویا کہ موت کی طرف ہنکائے
إِلَى الْمَوْتِ ، (انفال-۱)	جارہے ہین،

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی، اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیجدیئے گئے تھے، اور کبھی ان کو ضرر نہین پہنچا تھا، اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہین، یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی مین خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہین،

(۵) قرآن مجید مین ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپؐ مدینہ ہی مین تشریف رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء مین تصریحًا مذکور ہے، آیت یہ ہے،

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ	بجز معذورون کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے،
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ	اور وہ لوگ جو خدا کی راہ مین اپنے مال اور

وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ — جان سے جہاد کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے،

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ — خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد

الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ — کرتے ہیں ادرجہ میں فضیلت دی

عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (نساء ۱۳) — ہے،

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر میں نہیں شریک ہوے اور وہ جو شریک ہوئے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غیراولی الضرر کا جملہ نہ تھا، آیت سُن کر حضرت عبد اللہ بن مکتوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا، اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا "غیراولی الضرر" یعنی معذوروں کے سوا۔ یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے،

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے اُن کی نسبت قرآن مجید میں ہے،

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ — اور (اُن لوگوں کی طرح نہ بنو) جو اپنے گھروں

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَ — سے مغرورانہ نمایش اور خدا کی راہ سے روکتے

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. (انفال ۶) — ہوئے نکلے،

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کے بچانے کے لئے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لئے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوے نکلے، اس میں اظہار شان

اور دکھاوے کی کیا بات تھی، اور خدا کی راہ سے لوگون کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے نکلے تھے، جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان ونمایش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا، اس لئے خدا نے اس کو غرور ونمایش اور صدعن سبیل اللہ کہا،

(قرآن مجید کے بعد احادیثِ نبوی کا درجہ ہے، احادیث کی متعدد کتابون مین غزوۂ بدر کا مفصل ومجمل ذکر ہے، لیکن حضرت کعبؓ بن مالک والی حدیث کے سوا، اور کسی حدیث مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدر مین قریش کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کے لئے نکلے تھے،

حضرت کعبؓ کی حدیث یہ ہے،

عن عبد اللہ بن کعب قال کعب	کعبؓ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم اتخلف عن رسول اللہ صلعم	کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہین رہا، بجز
فی غزوۃ غزاھا الا غزوۃ تبوک	غزوۂ تبوک کے، اور ہان غزوۂ بدر مین بھی
غیر انی کنت تخلفت فی غزوۃ	شریک نہ تھا، اور جو اس مین شریک نہ ہوا
بدر ولم یعاتب احد تخلف	اس پر کچھ عتاب نہین ہوا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ
عنھا، انما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے لئے نکلے تھے کہ خدا نے
یرید عیر قریش حتی جمع اللہ	دونون فریق کو اچانک مقابل
بینہ وبینھم علی غیر میعاد،	کردیا،

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم مین ہی،

۱۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان قال فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ فقام سعد بن عبادۃ فقال ایانا تريد يا رسول اللہ والذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضها البحر لاخضناها۔ ولو امرتنا ان نضرب اکبادها الی برک الغماد لفعلنا قال فندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس فانطلقوا حتی نزلوا بدرا۔

۱۔ انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ابو سفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپؐ نے مشورہ طلب کیا حضرت ابوبکرؓ بولے تو آپؐ نے توجہ نہ فرمائی، پھر حضرت عمرؓ بولے آپؐ نے اُن کی طرف بھی توجہ نہ کی، پھر حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف ہے، خدا کی قسم اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپؐ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے، اور اگر برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم کرینگے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کو شرکتِ جنگ کی دعوت دی لوگ

۲۔ وورد ت علیھم روایا قریش و فیھم غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوہ فکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسألونہ عن ابی سفیان واصحابہ فیقول مالی علم بابی

۲۔ اور (پہلے) قریش کا ہراول آکر اترا، اس میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا مسلمانوں نے اس کو گرفتار کرلیا، اور اس سے ابو سفیان کا حال پوچھنے لگے، وہ کہتا تھا مجھے ابو سفیان کی خبر نہیں لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف

سفیان ولکن هذا ابوجهل	آ رہے ہیں، جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے
وعتبة وشيبة وامية بن خلف	وہ کہتا اچھا ابوسفیان کو بتاتا ہوں تب اُسکو
فاذا قال ذلك ضربوه فقال	چھوڑ دیتے، تو پھر پوچھتے تو وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان
نعم انا اخبركم هذا ابوسفيان	کی خبر نہیں لیکن ابوجہل عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف
فاذا تركوه فسألوه فقال ما لي بابي	رؤسائے قریش آ رہے ہیں، لیکن جب وہ یہ کہتا
سفیان علم ولكن هذا ابوجهل	تب بھی اس کو مارتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں
وعتبه وشيبه وامية بن	مشغول تھے، آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا تم
خلف في الناس فاذا قال	اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے
هذا ايضا ضربوه ورسول الله	جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور
صلى الله عليه وسلم قائم يصلي	جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔

فلما رأى ذلك انصرف قال والذي نفسي بيده لتضربوه اذا صدقكم وتتركوه اذا كذبكم

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا اسی وقت آپؐ نے مہاجرین و انصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی۔ اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا، اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لئے آپؐ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی، حالانکہ ارباب سیر کے

مطابق واقع یہ ہونا چاہئے، کہ انصار معاہدہ اور معمولِ سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا! اور اس کے بعد شرکت کے لئے آمادہ ہوگیا! ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے،

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے یہ وضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے، گو عام لوگون کو یہ معلوم نہ ہو،

اس حدیث مین ایک گرہ اور کھولنا ہے، اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اصرار اور سروسامان سے کیون اجتماع کا اہتمام فرماتے؟ اس لئے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضا یہ ہے کہ یہ ہو کہ جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی؟ چنانچہ اسی واقعہ کو ان ہی الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبل نے مسند[1] مین، ابن ابی شیبہ نے مصنف[2] مین، ابن جریر نے تاریخ[3] مین اور بیہقی نے دلائل مین روایت کیا ہے، اور اس کو "صحیح" کہا ہے اور اس کے راوی معرکۂ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی بن ابی طالب ہین،

عن علی قال لما قدمنا المدینۃ	حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ جب ہم مدینہ آئے تو
اصبنا من ثمارھا فاجتویناھا	وہان پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق
واصابنا بھا وعك وکان النبی صلعم	مزاج تھے، اس لئے ہم لوگ بیمار ہوگئے، آنحضرت

---

[1] جلد اوّل صفحہ ۱۱۷ [2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر [3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۰۹،

یتخبر عن بدر، فلما بلغنا ان	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے، جب
المشرکین قد اقبلوا سار	ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہیں تو رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے، بدر ایک کنوئیں
بدر بئر فسبقنا المشرکین	کا نام ہے، جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ
الیھا (اس کے بعد بدر کے تمام واقعات	گئے،

(تفسیر ابن جریر)

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سُن کر آپ نکلے تھے اور بدر آکر قیام فرمایا تھا، اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے،

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعاتِ ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے جس قدر سرایا بھیجے اور جن میں بیس تیس آدمی سے لیکر سو سو، دو دو سو تک کی جمعیت تھی، ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا، اربابِ سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہیں اور اس تصریح کی اس لئے ضرورت سمجھتے ہیں کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا، اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلہ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے، حالانکہ اس واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی، یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی، جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے،

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی کہ قریش

مدینہ پر آرہے ہیں، اسی بنا پر آپؐ نے انصار کو مخاطب کیا کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق آب انصار سے کام لینے کا وقت آچکا تھا،

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا، اس بنا پر اگر کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا، یہ بالکل خلافِ قیاس ہے، کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے اور آپؐ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے،

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ قریش نے عبداللہ بن اُبَی کو خط لکھا کہ "محمدؐ اور اُن کے رفقا کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ آکر تم کو بھی برباد کر دیں گے" (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گذر چکا)

۲۔ ابو جہل نے سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے، اگر اُمیّہ کی ضمانت نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر دیتا،

۳۔ کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲؁ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اونٹ لوٹ لیے،

۴۔ اس کے بعد ہی رجب ۲؁ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحشؓ کو

تجسّس کے لیے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین،

۵- عبداللہ بن جحش نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کئے۔

قریش نے مکہ مین جو کچھ مسلمانون کے ساتھ کیا تھا اس کو پیش نظر رکھو، پھر یہ خیال کرو کہ اُن کا جوشِ انتقام کسی طرح کم نہین ہوتا اور وہ عبداللہ بن اُبی کو لکھتے ہین کہ ہم مدینہ آکر تم کو اور محمد دونون کو فنا کردین گے، کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہے، اسی اثنا مین قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش نے اُن کا قافلہ لوٹ لیا، اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کرلئے، ان تمام باتون کے ساتھ قریش صبر کرتے ہین اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہین کرتے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے قافلہ کو جس مین مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لئے نکلتے ہین، تب مجبوراً اُن کو مدافعت کے لئے نکلنا پڑتا ہے، اس پر بھی بدر کے قریب پہنچکر جب اُن کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو اُن کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہین واپس چلنا چاہئے، کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوشِ عداوت اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شانِ نبوت کے موافق ہے؟

(۴) اربابِ سیر عموماً لکھتے ہین کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ مین صحابہ رض کو کاروانِ تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگون نے چندان مستعدی ظاہر نہین کی، کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ وجہاد نہین ہے، بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے، اس لیے جن

لوگون کو مال کی حاجت بھی دو مسگئے، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ انصار مین جس قدر اعیانِ قوم اور سرگروہ تھے، سب کے سب، زرومال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے، لیکن جانے والون مین انصار کی تعداد مہاجرین سے دوگنی تگنی ہی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استمزاج کے جواب مین جن لوگون نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے، مہاجرین مین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے، اور انصار مین حضرت سعد بن عبادہؓ تھے حضرت سعد بن عبادہ غزوۂ بدر مین شریک ہو سکے تھے اور مدینہ سے باہر نہین جا سکے تھے اس لئے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی مین دیا تھا اور وہین قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس لئے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی مین اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے،

۸- عام ارباب سیر بلکہ احادیث کی کتابون مین بھی منقول ہو کہ غزوۂ بدر مین جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو چلنے کی ترغیب دی تو کچھ لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہین ہے، صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے، اس لئے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہی جس کا جی چاہے جائے جس کا جی چاہے نہ جائے، طبری مین ہے،

قالوا لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لوگون نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت
بابی سفیان مقبلاً من الشام	صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کا شام سے روانہ ہونا
ندب المسلمین الیھم و	سنا تو مسلمانون کو بلایا اور فرمایا کہ یہ قریش کا

لہ صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوۂ بدر،

وقال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم فاخرجوا الیھا لعل اللہ ان ینفلکموھا فانتدب الناس فخف بعضھم وثقل بعضھم وذلک انھم لم یظنوا ان

قافلہ آرہا ہے، جس مین ان کا مال ہے، چلو شاید خدا تم کو اس مین سے مالِ غنیمت دلوائے لوگ آمادہ ہوئے، لیکن بعضون نے پہلو تہی کی، کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑائی تو پیش نہین آئے گی؛

(صفحہ ۱۲۹۶ [illegible])

لیکن یہ واقعات صریح آیاتِ قرآنی کے خلاف ہین، قرآن مجید مین بہ تصریح موجود ہو کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمساتے تھے، وہ عدمِ ضرورت کی وجہ سے نہین بلکہ اس وجہ سے کہ اُن کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ مین جا رہے ہین،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ۔ (انفال - ۱)

اور مسلمانون کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا، وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا تھا، وہ گویا موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہین،

(۲) تمام کتب احادیث اور سیر مین تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بیر ابی عنبہ مین) آپؐ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیجدیئے گئے کہ اُن کی عمرین پندرہ برس سے کم تھین، یا یہ کہ سنِ بلوغ کو نہین پہنچے تھے، اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہین، لیکن چونکہ واقع مین جہاد مقصود تھا جو ایک فریضۂ الٰہی ہے، اور اس کیلئے بلوغ کی

قید ہے اس لئے نابالغ لوگ واپس کر دیئے گئے کہ ابھی اس کے اہل نہین.

(۷) حافظ ابن عبد البر نے استیعاب[1] مین روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خیثمہؓ نے جو ایک انصاری تھے اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہان مستورات کی خبرگیری کرو، سعدؓ نے کہا "حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور مین آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا، لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے مین اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہون"؛ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا، سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے،

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہین بلکہ جہاد پیشِ نظر تھا، اور لوگون کو دولتِ شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو ہے،

غزوۂ بدر کا اصلی سبب عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا، دونون طرف ٹڈی دل اُمنڈ آتا تھا اور خون کی ندیان بہ جاتی تھین، یہ لڑائیان مدتون تک قائم رہتی تھین قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے، تاہم یہ سلسلہ بند نہین ہوتا تھا، عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر، خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، بچون کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے، داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیان جو چالیس برس قائم رہین اور جن مین ہزارون لاکھون جانین برباد ہوگئین، اسی بنا پر ہوئین،

---

[1] استیعاب تذکرۂ سعدؓ بن خیثمہ اصابہ اور طبقات مین یہ واقعہ بہ اختلاف الفاظ منقول ہے،

عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں، اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عبداللہ بن جحش[1] کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا، حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا، بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا، عروہ بن زبیر (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بتصریح بیان کیا ہے،

وکان الذی هاج وقعة بدر	جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیاں
وسائر الحروب التی کانت بین	برپا کیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی	عرب کے درمیان واقع ہوئیں، وہ جیسا کہ
قریش فیما قال عروة بن الزبیر	عروہ بن زبیر کا بیان ہے، عمرو بن حضرمی کا
ما کان من قتل واقد بن عبد اللہ	قتل کیا جانا ہے جس کو واقد بن عبد اللہ
التمیمی عمرو بن الحضرمی، (تاریخ طبری ۱۲۸۴)	تیمی نے قتل کر دیا تھا،

ایک عام غلطی جس نے واقعہ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی، حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں، عروہ بن الزبیر نے غزوۂ بدر کے متعلق عبد الملک کو جو خط لکھا تھا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں،

[1] عبداللہ بن جحش جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی تھے، قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے، اور حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک زندہ رہے، دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ،

ان اباسفیان بن حرب اقبل	ابوسفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کیساتھ
من الشام فی قریب من سبعین	شام سے آرہا تھا، جو کل کے کل قریشی تھے،
راکبا من قبائل قریش فذکروا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اس کا
الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ	تذکرہ ہوا، اور دونوں فریق میں لڑائی
وقد کانت الحرب بینھم	شروع ہو چکی تھی، اور اُدھر کے چند لوگ
فقتلت قتلی وقتل ابن الحضرمی	جن میں ابن حضرمی بھی تھا، مارے جا چکے
فی اناس بنخلة واسرت اساری	تھے، اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے......
من قریش...... وکانت	...........اور اسی واقعہ
تلک الوقعة ھاجت الحرب	نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین	میں جنگ برپا کردی تھی اور یہی سب سے
قریش واول ما اصاب بہ	پہلا واقعہ تھا جس میں دونوں فریق نے
بعضھم بعضا من الحرب و	ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا، اور یہ
ذالک قبل مخرج ابی سفیان	لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے
واصحابہ الی الشام (طبری ص ۱۲۸۴)	پہلے وقوع میں آچکی تھی۔

اس میں تصریح ہے کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا، اُسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی، غزوۂ بدر ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے، اصلیت واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفان جنگ کی

شہادت بہم پہنچائی جائے، اس قسم کی شہادتین بہت کم ہاتھ آسکتی ہین، لیکن خوش قسمتی سے یہان اس قسم کی شہادت موجود ہے، حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر مین شریک تھے اور اُس وقت تک کافر تھے، وہ عمر مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پانچ برس بڑے تھے، اور گو زمانۂ جاہلیت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی تاہم فتحِ مکہ تک ایمان نہین لائے، وہ رؤسائے قریش مین تھے، حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ ان ہی کے ہاتھ مین تھا، دار الندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی تھے، وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے، ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے، مروان نے نہایت تعظیم وتکریم کی، صدرِ مجلس سے اُٹھ کر ان کے پاس آبیٹھا اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجئے، انھون نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا کہ جب ہماری فوجین میدان مین اُتریں تو مین عتبہ کے پاس گیا، اور مین نے اس سے یہ کہا،

یا ابا الولید ھل لک ان تذھب	اے ابوالولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لئے
بشرف ھذا الیوم ما بقیت، قال	ساری نیکنامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے
افعل ماذا؟ قلت انکم لا تطلبون	کہا کیونکر؟ مین نے کہا، تم (یعنی قریش) محمدؐ
من محمد الا دم ابن الحضرمی وھو	سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہین
حلیفک فتحمل دیتہ فترجع	چاہتے اور وہ تمہارا حلیف تھا، اس لئے تم اس کا
بالناس ؏	خون بہا ادا کر دو کہ سب لوگ واپس چلے جائین

ؔ اصابہ تذکرہ حکیم بن حزام ؔ طبری صفحہ ۱۳۱۳ (و سیرۃ ابن ہشام بمعناہ ذکر غزوۂ بدر) "س"

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی، لیکن ابوجہل نے نہ مانا، اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا خون کا بدلا سامنے ہے، کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو، عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہو گیا اور پکارا[1]،

واعمراہ واعمراہ — ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر!

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ مین نکلا، وہ یہی عامر حضرمی تھا، حکیم بن حزام، اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے، عتبہ و ابوجہل جو سرداران قریش تھے، کفر پر تادم مرگ قائم رہے، اگر اس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے، تو ہم کو کچھ پروا نہین کرنی چاہئے کہ اورون نے جو اس کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے اس کا سبب قافلۂ تجارت کا بچانا سمجھا، وشتان بینهما،

ایک ضروری نکتہ گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیون غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ مین یہ تصریحات کیون پائی جاتی ہین کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات مین یہ ظاہر نہین کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین حضرت کعب بن مالک جو مشہور صحابی ہین، اُن کا قول نقل کیا ہے،

[1] پوری تفصیل طبری صفحہ ۱۳۱۳ تا ۱۳۱۶ مین ہے،

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا ورّی بغیرھا،	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے،

"توریہ" کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہین کہ "آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے"۔ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی مین صحیح نہین تاہم واقعات کے استقصا سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعون پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر مین سعد بن خثیمہ کو پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ نہین بلکہ فوج کا مقابلہ ہے، بخلاف اس کے صحیح بخاری مین ان ہی کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر مین صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا،

دیباچہ مین ہم لکھ آئے ہین کہ راوی (جس مین صحابہؓ بھی داخل ہین) بہت سے موقعون پر جو واقعہ بیان کرتا ہے، وہ حقیقت مین واقعہ نہین بلکہ اُس کا استنباط ہوتا ہے یعنی اس نے اس کو یون ہی سمجھا، بدر مین بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کئے اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا،

بدر کے نتائج

(بدر) کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کئے، اور حقیقت مین یہ اسلام کی ترقی کا قدم اوّلین تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا جن مین سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ مین سدّ آہن تھا، فنا ہوگئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا، جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا، لیکن

قریش کے اصلی زور وطاقت کا معیار گھٹ گیا،

مدینہ مین اب تک عبد اللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا، لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ مین آگیا، گو تمام عمر منافق رہا، اور اسی حالت مین جان دی، قبائلِ عرب جو سلسلہ واقعات کا رُخ دیکھتے تھے، اگرچہ رام نہین ہوے لیکن سہم گئے،

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب مین بھی انقلاب شروع ہوگیا، یہود سے معاہدہ ہوچکا تھا کہ وہ ہر معاملہ مین یکسو رہین گے، لیکن اس فتح نمایان نے اُن مین حسد کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس کو ضبط نہ کرسکے، چنانچہ اس کی تفصیل یہودیون کے واقعات مین بالتفصیل آتی ہے،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا، اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا، چنانچہ سَوِیق کا واقعہ اور اُحُد کا معرکہ اسی جوش کا منظر تھا

غزوۂ سویق، ذی الحجہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا، اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض، غزوۂ بدر کا انتقام تھا، اُس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام نہ لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر مین تیل ڈالیگا؛ چنانچہ دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانون کے مقابلہ مین مدد دین گے، اس لئے پہلے حَیّ بن اخطب کے پاس گیا، لیکن اُس نے دروازہ نہ کھولا، مایوس ہوکر سلام بن مِشکَم کے پاس آیا، وہ یہودِ بنو نضیر کا سردار تھا، اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اُس نے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے،

شراب پلوائی، مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عُریض پر حملہ آور ہوا، جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمرو تھا قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیئے، ان باتون سے اُس کے نزدیک قسم پوری ہوگئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا گھبراہٹ مین ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانون کے ہاتھ آئے، عربی مین ستو کو سویق کہتے ہین، اس لئے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے،

حضرت فاطمہ زہرا کی شادی ذیحجہ سنہ ۲ھ

حضرت فاطمہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیون مین سب سے کمسن تھین اب اُن کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا، پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی، ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہین دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابن سعد کی اکثر روایتین حضرت فاطمہؓ کے حال مین روایت کی ہین، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے،

بہرحال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہین، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر مین دینے کے لئے کیا ہے، بولے کچھ نہین، آپ نے فرمایا، اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر مین ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے،

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہین تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپیے[1] زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے. شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لین، حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن مین سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اُنہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے، آپؐ نے فرمایا کہ کہان تک؟ اب اُن سے کہتے شرم آتی ہے، حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور مین اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپ کا ہی، خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہین مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس بچا رہے، غرض اُنھون نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس مین اُٹھ گئین،

شہنشاہ کونینؐ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجاے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیان، اور دو مٹی کے گھڑے،

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر مین جالین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس تشریف لے گئے، دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن مین پانی منگوایا، دونون ہاتھ اس مین ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازؤن پر پانی چھڑکا، پھر حضرت

(1) غلطی سے پہلے اور دوسرے اڈیشن مین سوا روپے چھپ گیا ہی، اس کی تصحیح کر لی جائے. س)

فاطمہؓ کو بلایا، وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئین، اُن پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ مین نے اپنے خاندان مین سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے[1]،

واقعات متفرقہ ۲ھ — مورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے،

صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا، جس مین اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا،

عید الفطر کی نماز با جماعت عیدگاہ مین بھی اسی سال ادا فرمائی، اس سے پہلے عید کی نماز نہین ہوتی تھی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوہ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات مین ہونا چاہئے تھا لیکن اتصال و تسلسل واقعہ کی بنا پر وہ آیندہ مذکور ہوگا)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے،

سنہ ۳ھ

غزوۂ احد[1]

(وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران)[2]

عرب مین صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑون برس تک ختم نہین ہو سکتا تھا طرفین مین سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی قائم نہین رہ سکتی تھی، بدر مین قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن مین اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج و افسر تھے، اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا،

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے مین نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا، اس کا راس المال حصہ دارون کو تقسیم کر دیا گیا تھا، لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا،

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا، چند سردارانِ قریش جن مین ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگون کو جن کے عزیز و اقارب

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے [2] (دیکھو بخاری باب غزوۂ احد مین ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد مین نازل ہوئی)

جنگ بدر میں قتل ہوچکے تھے. ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا، اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے، وہ اس کام میں صرف کیا جائے، یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانوں کے قوت و زور کا اندازہ ہو چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اُس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے، عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش میں دو شاعر، شاعری میں مشہور تھے، عمرو جمحی اور مسافع، عمرو جمحی غزوۂ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا، قریش کی درخواست پر، وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے،

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی تھیں، عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی، بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی، اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گے، غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں، اُن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں[۲]،

ان کا ذکر کیا ہے، ان میں خناس، ہند، سعاد، اور عمرو، ابن سعد کے سوا اور تمام خواتین بعد کو مسلمان ہو گئیں، خناس اور عمرو کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے، (زرقانی علی المواہب، ص ۱۰)

(۱) طبری (ج ۳ صفحہ ۳) (۲) زرقانی (ج ۲ ص ۳۰) نے ان چھ خواتین کے سوا اُمّ خناس بنت سعد اور عمرہ بنت علقمہ دو اور خاتونوں کا

۱- ہند،	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں
۲- اُمِ حکیم،	عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی،
۳- فاطمہ (بنت ولید)	حضرت خالدؓ کی بہن،
۴- بَرزہ،	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اسکی بیٹی
۵- ریطہ،	عمرو بن العاص کی زوجہ،
۶- خناس،	حضرت مُصعب بن عُمیر کی ماں،

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر مین قتل کیا تھا، جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی مین کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ مین وہ آزاد کردیا جائے گا،

حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا گو اسلام لاچکے تھے، لیکن اب تک مکہ ہی مین مقیم تھے، انھون نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے، اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن مین مدینہ پہنچ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے پانچوین شوال ۳ھ کو دو خبر رسان جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے، انھون نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو اُن کے گھوڑون نے صاف کردیا،

آپ نے حباب بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں، انھون نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے، حضرت سعدؓ بن عبادہ، اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبویؐ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے،

صبح کو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعون مین بھیجدی جائین اور شہر مین پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے،
عبد اللہ بن ابی بن سلول جو اب تک کبھی شریک مشورہ نہین کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی، لیکن ان نوخیز صحابہؓ نے جو جنگ بدر مین شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین تشریف لے گئے، اور زرہ پہنکر باہر تشریف لائے، اب لوگون کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہین، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہین کہ ہتھیار پہن کر اتار دے،

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبد اللہ بن اُبی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا، لیکن یہ کہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے، ان مین ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو

لہ طبری (ج ۳ ص ۱۳۸۵ مطبوعہ یورپ) س (۲) زرقانی ج ۲ ص ۲۵) س

لوگ کمسن تھے واپس کر دیئے گئے، ان میں حضرت زید بن ثابت، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبد اللہ بن عمر اور حضرت عرابہ اوسی بھی تھے، لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافع بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے، چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لئے گئے[1]، سمرۃ ایک نوجوان، جو ان کے ہمسن تھے، انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں، اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیے، دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ نے رافع کو زمین پر دے مارا، اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُحُد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، حضرت مصعب بن عُمیر کو علم عنایت کیا، حضرت زُبیر بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہ کو اس حصۂ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن اُدھر سے آئیں، اس لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں، حضرت عبد اللہ بن جُبیر ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی،

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۹۰، یہ طبری کی روایت ہے، لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافع کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دیدی، ابن ہشام ذکر غزوۂ احد و زرقانی ج ۲ ص ۲۹ و بدایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵، ابن سعد

[2] ایضاً ص ۱۳۹۴،

میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سواروں کا دستہ صفوان بن اُمیّہ کی کمان میں تھا، جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا، طلحہ علمبردار تھا، دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں،

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پہ اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں، اشعار یہ تھے،

نحنُ بناتُ طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نَمْشِی علی النّمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تُقبِلُوا نُعانِق	اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملیں گے،
اَو تُدبِرُوا نُفَارِق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گے،

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابوعامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبولِ عام شخص تھا، اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا، چونکہ اُس کو خیال تھا کہ انصار جب اُس کو دیکھیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے، میدان میں آ کر پکارا "مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابوعامر ہوں"۔ انصار نے کہا "ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں خدا تیری آرزو بر نہ لائے"۔

قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا "کیون مسلمانو! تم مین کوئی ہے؟ کہ یا مجھ کو جلد دوزخ مین پہنچا دے یا خود میرے ہاتھون بہشت مین پہنچ جائے" حضرت علی مرتضیٰ نے صف سے نکل کر کہا "مین ہون" یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتین اشعار پڑھتی آتی تھین، علم ہاتھ مین لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا

اِنَّ عَلٰی اَھلِ اللِّوَاءِ حَقًّا	علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون
اَنْ تَخْضِبَ الصَّعْدَۃَ اَوتَنْدَقَّا	مین رنگ دے، یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی، ساتھ ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "مین ساقیِ حجاج کا بیٹا ہون"

اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت ابودجانہ، فوجون کے دل مین گھسے اور صفین کی صفین صاف کر دین، حضرت ابودجانہ عرب کے مشہور پہلوان تھے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دست مبارک مین تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہ کے نصیب مین تھا، اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا، سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت پسند ہے" حضرت ابودجانہ فوجون کو چیرتے لاشون پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے، یہان تک کہ ہند سامنے آ گئی، اس کے

لہ یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہین۔

سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفین کی صفین صاف ہو جاتی تھیں، اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آگیا، پکارے کہ "او ختانۃ النساء کے بچے! کہاں جاتا ہے" یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا، اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہ برابر آئے، تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے، اور روح پرواز کر گئی[۱]

کفار کے علم بردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے، تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا، ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا، علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا، اور علم کو سینہ سے دبالیا، اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا" علم دیر تک خاک پر پڑا رہا، آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا، یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔

---

[۱] صحیح بخاری باب قتل حمزہ، صفحہ ۵۸۳ و ۲ ابن ہشام وطبری (ج ۳ ص ۱۴۰۱) نسخ

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا، لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے، انہون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ مین لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے، حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے دفعۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر اُن کے وار کو روکا اور اُن کو شہید کر دیا، تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانون ہی کی طرف بھاری تھا، علم بردارون کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ کے بے پناہ حملون سے فوج کے پانون اکھڑ گئے، بہادر نازنینین جو رجز سے دلون کو ابھار رہی تھین بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹین اور مطلع صاف ہو گیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیرانداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے،

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ رُک نہ سکے، تیراندازون کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، عبداللہ بن جبیرؓ چند جانبازون کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے، اب راستہ صاف تھا، خالد نے سوارون کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا، لوگ لوٹنے مین مصروف تھے، مڑ کر دیکھا تو تلوارین برس رہی ہین، بدحواسی مین دونون فوجین اس طرح باہم مل گئین کہ خود مسلمان مسلمانون کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد، صفحہ ۵۷۹،

مین مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے اُن کو شہید کر دیا، اور غل مچ گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پائی، اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی، بڑے بڑے دلیرون کے پانون اکھڑ گئے، بدحواسی مین اگلی صفین پچھلی صفون پر ٹوٹ پڑین اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش مین آگئے اور اُن پر تلوارین برس پڑین، حضرت حذیفہ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہین، لیکن کون سنتا تھا. غرض وہ شہید ہو گئے، اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ مین کہا "مسلمانو! خدا تم کو بخش دے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو مین ہین جن مین حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے، صحیح بخاری مین یہ روایت ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے،

اس ہلچل اور اضطراب مین اکثرون نے تو بالکل ہمت ہار دی، لیکن جانبازون کا بھی زور نہین چلتا تھا، جو جہان تھا وہین گھر کر رہ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی کو خبر نہ تھی، حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنون کی صفین الٹتے جاتے تھے، لیکن کعبۂ مقصود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ نہ تھا، حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے، پوچھا میان کیا کرتے ہو؟ بولے "اب لڑ کر کیا کرین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی" ابن نضر نے کہا اُن کے

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد ص۵۸۱ ج۲ یہ عام ارباب سیر کی روایت ہی، صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہی لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہین،

بعد ہم زندہ رہ کر کیا کرینگے" یہ کہہ کر فوج مین گھس گئے اور لڑکر شہادت پائی، لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر، تلوار، اور نیزے کے زخم تھے، کوئی شخص پہچان تک نہ سکا، اُن کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا[1]،

جان نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہین سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈھتی تھین، سب سے پہلے حضرت کعب رضؓ بن مالک کی نظر پڑی، چہرۂ مبارک پر مغفر تھا، لیکن آنکھین نظر آتی تھین، حضرت کعب رضؓ نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہین" یہ سُن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا، دَل کا دَل ہجوم کرکے بڑھتا تھا، لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" زیاد رضؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے، اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانین فدا کر دین[2]، حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اُن کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدمون پر منھ رکھدیا، اور اسی حالت مین جان دی

بچہ ناز رفتہ باشد ز جہان نیاز مندے   کہ بوقتِ جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

ایک بہادر مسلمان اس عالم مین بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجورین کھارہا تھا،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۷۹ و صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۰، باب ثبوت الجنة للشہید) [2] صحیح مسلم غزوۂ اُحد مین ہو کہ سات انصاری تھے اور ساتون نے باری باری اپنی جانین فدا کین)

اُس نے بڑھ کر پوچھا کہ "یا رسول اللہ! اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟" آپ نے فرمایا "جنت میں" اس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا[1])

عبد اللہ بن قمیۃ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری، اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا، ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے اُن کی پیٹھ پر آتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر رُوکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا، بے درد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے، اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے،

رب اغفر قومی فانھم لا یعلمون   اے خدا میری قوم کو بخشدے وہ جانتے نہیں

حضرت ابو طلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے، مشہور قدر انداز تھے، انھوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانیں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں، انھوں نے سپر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے آپ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے، (حضرت سعد وقاصؓ بھی مشہور تیر انداز تھے، اور اس وقت آپ کے رکاب میں حاضر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش اس کے آگے ڈال دیا، اور فرمایا "تم پر میرے ماں باپ قربان"

(۱) بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۷۹، ۲ مسلم غزوۂ اُحد ج ۲ ص ۹۰، ۳ صحیح بخاری غزوۂ اُحد صفحہ ۵۸۱،

تیر مارتے جاؤ۔[1]

اسی حالت میں آپ کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا "وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے"، بارگاہِ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت اتری:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ — تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ اُحد میں یہ واقعہ مذکور ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے، کہ دشمن اِدھر نہیں آسکتے تھے، ابو سفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا، لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[2]

آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے، جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے، حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے، جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا، بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، اور زخم پر رکھ دیا، خون فوراً تھم گیا۔[3]

ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہوسکا، بول اُٹھے، "او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں۔"

ابو سفیان نے کہا،

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد (ص ۵۸۳)
[2] طبری ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱ و ۱۴۱۵
[3] صحیح بخاری غزوۂ احد (ج ۲ ص ۵۸۴)

اُعلُ ھُبَل[1] — اے ہبل تو اونچا رہ،

صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کہا،

اَللّٰہُ اَعْلیٰ وَاَجَلّ — خدا اونچا اور بڑا ہے،

ابوسفیان نے کہا

لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُم — ہمارے پاس عزّیٰ[2] ہو تمہارے پاس نہیں

صحابہؓ نے کہا،

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلیٰ لَکُمْ، — خدا ہمارا آقا ہی اور تمہارا کوئی آقا نہیں

ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہی، فوج کے لوگون نے مُردون کے ناک کان کاٹ لئے ہین، مین نے یہ حکم نہین دیا تھا، لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہین ہوا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچون کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت مین مدینہ کے پاس کے قلعون مین بھیج دیا تھا، ان لوگون کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے، حضرت ثابتؓ مشرکون کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجومِ عام مین پہچان نہ سکے، اُن پر تلوارین برس پڑین، اُن کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہرچند "ہان ہان" کہا اور پہچنوایا کہ میرے باپ ہین لیکن ہنگامہ مین کون سنتا تھا، حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے کہ مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخشدے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت یمانؓ کا خونبہا مسلمانون کی طرف سے ادا کرنا چاہا، لیکن

---

[1] بت کا نام [2] بت کا نام ہو لفظی معنی عزت کے ہین [3] یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ احد کے ذکر مین ہو،

حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا، ابن ہشام مین یہ واقعہ بتفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری مین بھی ہے، لیکن مختصر ہے،

خاتونانِ قریش نے انتقامِ بدر کے جوش مین مسلمانون کی لاشون سے بھی بدلہ لیا، ان کے ناک کان کاٹ لیے، ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی مان) نے ان پھولون کا ہار بنایا، اور اپنے گلے مین ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا، اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اُگل دینا پڑا، تاریخون مین ہند کا لقب جو جگر خوارہ لکھا جاتا ہے، اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتحِ مکہ مین ایمان لائی، لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے، تفصیل آگے آئے گی،

اس غزوہ مین اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمّ سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی مان تھین زخمیون کو پانی پلاتی تھین، صحیح بخاری مین حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ مین نے حضرت عائشہؓ اور اُمّ سلیمؓ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھین اور زخمیون کو پانی پلاتی تھین، مشک خالی ہو جاتی تھی تو جا کر بھر لاتی تھین[1]، ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت اُمّ سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی مان تھین یہی خدمت انجام دی[2]،

عین اس وقت جبکہ کافرون نے عام حملہ کر دیا تھا، اور آپ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے، حضرت اُمِّ عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچین اور سینہ سپر ہو گئین، کفار

[1] (صفحہ ۵۸۰ کتاب المغازی غزوۂ اُحد) [2] صحیح بخاری صفحہ ۵۸۲ ذکر ام سلیط،

جب آپ پر بڑھتے تھے تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیہ جب دُر آتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا، چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا، انھوں نے بھی تلوار ماری، لیکن وہ دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا، اس لئے کارگر نہ ہوئی،[1]

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سُن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، لاش پر گئیں، خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن انا للہ وانا الیہ راجعون، کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی،[2]

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے، باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں! اس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور بے اختیار پکار اٹھی:[3]

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ	تیرے ہوتے سب مصیبتیں ہیچ ہیں،
میں بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا	اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

(مسلمانوں کی طرف ستر آدمی مارے گئے، جن میں زیادہ تر انصار تھے، لیکن

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۰ (مطبع محمد علی مصر) [2] طبری ۱۴۲۷ [3] طبری ص ۱۴۲۵،

مسلمانون کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہوسکتی، حضرت مُصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے کہ ان کا پانون چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پانون کھل جاتا، آخر پانون اذخر کی گھاس سے چھپا دیئے گئے، یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانون کو یاد آجاتا تو آنکھین تر ہو جاتین، شہدا بے غسل اسی طرح خون مین لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر مین دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا، ان شہدا پر نمازِ جنازہ بھی اس وقت نہین پڑھی گئی[۱]۔ آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپ پر رقت طاری ہوئی۔ اور اس طرح آپؐ نے پُردرد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندون اور مردون سے رخصت ہو رہا ہو۔ اور اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہین کہ پھر مشرک بنجاؤ گے، لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا مین نہ پھنس جاؤ[۲]"

دونون فوجین جب میدان سے الگ ہوئین تو مسلمان زخم سے چور تھے تاہم یہ خیال کرکے کہ ابوسفیان مسلمانون کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپ نے مسلمانون کی طرف روئے خطاب کرکے فرمایا کہ کون اُن کا تعاقب کرے گا، فوراً

---

[۱] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، لیکن دوسری کتابون مین بعض ایسی روایتین بھی ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہدا پر بھی نماز جنازہ پڑھی یہ شہداء ایک ایک کرکے اور بعض مین ہے کہ دس دس کرکے لائے جاتے تھے اور آپ اُن پر نماز جنازہ پڑھتے تھے، اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کیساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی، شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوٰۃ علی الشہداء و نصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی الشہید و مغازی واقدی صفحہ ۳۰۰ مطبوعہ کلکتہ (س ع) [۲] یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ اُحد کے متفرق ابواب مین ہین،

ستر آدمیون کی ایک جماعت اس مہم کے لئے تیار ہو گئی جن مین حضرت ابو بکرؓ و زبیرؓ بھی داخل تھے،

ابوسفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا، یہان خیال آیا کہ کام ناتمام

رہ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن آپ نے اعلان

کرادیا کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ حمراء اسد تک جو مدینہ سے ۸ میل ہے تشریف لے گئے،

قبیلۂ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا، لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا، اس کا رئیس

معبد خزاعی شکست کی خبر سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا، اور واپس جا کر ابوسفیان

سے ملا، ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا "مین دیکھتا آتا ہون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

اس سر و سامان سے آرہے ہین کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے" غرض ابوسفیان واپس گیا، یہی

واقعہ ہے جس کو مورخین نے تکثیرِ غزوات کے شوق مین ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے، اور حمراء الاسد

کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپ

جس طرف سے گذرتے تھے گھرون سے ماتم کی آوازین آتی تھین، آپ کو عبرت ہوئی کہ

سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہین، لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خوان

نہین ہے، رقت کے جوش مین آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

اَمَّا حَمْزَۃُ فَلَا بَوَاکِیَ لَہٗ، لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہین،

انصارؓ نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اُٹھے، سب نے جا کر اپنی بیویون کو حکم دیا کہ دولتکدہ

(۱) صحیح بخاری صفحہ ۵۸۴ (۲) ص ۲، طبری صفحہ ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ (۳) مسند احمد ج ۲ ص ۸۴ "س"

پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی، اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا، اُن کے حق مین دعائے خیر کی اور فرمایا مین تمہاری ہمدردی کا شکرگذار ہون، لیکن مُردون پر نوحہ کرنا جائز نہین، (عرب مین دستور تھا کہ مُردون پر عورتین زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھین، کپڑے پھاڑ لیتی تھین، گال نوچتی گالون پر تھپڑ مارتی تھین اور چیخنی چلاتی تھین، یہ رسم بد اسی دن سے بند کردی گئی، اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے[1]، یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہین[2])

(قرآن مجید مین سورۂ آل عمران مین غزوۂ اُحد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعاتِ متفرقہ ۳ھ | اس سال یعنی ۳ھ حضرت امام حسنؓ (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی، رمضان کی پندرہوین تاریخ تھی، اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھین، اور غزوۂ بدر کے زمانہ مین بیوہ ہو گئی تھین نکاح کیا، اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی،

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت مین ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا، اُن کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی، مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا، اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی)

---

[1] ابن ہشام (غزوۂ اُحد) اور مسند احمد (ج ۲ ص ۴۰) [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز (ص ۱۷۲)

سنہ ۴ھ

سلسلۂ غزوات وسرایا[1]

تمام قبائل عرب، بجز ایک دو کے، اسلام کے دشمن تھے، دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین وآئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا، حج کے زمانہ میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارتگری تھی، اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا، اس لئے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہو گیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا، جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے، لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی، اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے، سیرت نبوی میں سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیاں) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے، اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں، عام مورخوں نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیوں کے ذکر میں ان کے اسباب سے بحث نہیں کی، لیکن ابن سعد نے

---

[1] غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اس کی نسبت علماء سیرت مختلف الرائے ہیں، زیادہ مقبول رائے یہ ہے کہ جن واقعات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے ہیں وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جن میں صحابہ افسر مقرر کرکے بھیج دیئے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا،

طبقات مین، اور اور ائمہ فن نے قریبا ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے، یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدافعت کے لئے فوجین بھیجین،

سریۂ ابی سلمہ

۱- سب سے پہلے (محرم سنہ ۴ھ مین طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن مین رہتا تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے حضرت ابو سلمہ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا، یہ خبر سن کر ان کی جماعت منتشر ہو گئی،[1]

سریۂ ابن انیس

۲- اس کے بعد محرم سنہ ۴ھ مین سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کوہستان عرنہ کا رئیس تھا، مدینہ پر حملہ کا قصد کیا، اس کے مقابلہ کے لئے آپ نے حضرت عبد اللہ بن انیس کو بھیجا جنھون نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا،[2]

صفر سنہ ۴ھ مین ابو براء کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ چند لوگون کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دین، آپ نے فرمایا مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے،[3] ابو براء نے

---

[1] ابن سعد صفحہ ۳۵ (ج ۲ قسم اول) اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان طلیحة وسلمة ابنی خویلد قد سارا فی قومھما ومن اطاعھما یدعوانھم الی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

[2] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۶. اصل عبارت یہ ہے وذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سفیان بن خالد الھذلی ... قد جمع الجموع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

[3] ابو براء کو اسلام لائے یا نہین اس مین اہل علم کا اختلاف ہے، ذہبی کہتے ہین کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اسلام نہین لائے، اصابہ مین ہے کہ ان کے قبول اسلام کی کوئی روایت نہین ہے، تاہم بعض روایات کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے (اصابہ ج ۲ صفحہ [illegible]) اس لئے (اور یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا) عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتین ہین، بادیہ کے مالک تم ہو، اور شہرون کا مین ہون، یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ، ورنہ غطفان

کہا ان کا مین ضامن ہون"، آپ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیئے، یہ لوگ نہایت مقدس اللہ درویش تھے، اور اکثر اصحاب صفہ مین سے تھے، اُن کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیان چنتے شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لئے رکھتے

بیر معونہ

ان لوگون نے بیر معونہ پہنچکر قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیکر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا، جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا، اور آس پاس کے جو قبائل تھے، یعنی عُصَیّہ، رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئین، ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا، اور عامر کی سرداری مین آگے بڑا، صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے، راستہ مین عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے اُن کو گھیر لیا، اور سبؓ کو قتل کر دیا، صرف عمرو بنؓ امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری مان نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی مین تجھ کو آزاد کرتا ہون" یہ کہہ کر اُن کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہین ہوا، مہینہ بھر نماز فجر مین ان ظالمون کے حق مین بددعا کی، حضرت عمرو بنؓ اُمیہ نے (واپسی مین راستہ مین بنی عامر کے) دو آدمیون کو قتل کر دیا تھا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے، مگر حضرت عمروؓ بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا، وہ یہ سمجھے کہ ہم نے

[1] صحابہ کی اس جماعت مین حضرت کعبؓ بن زید بھی تھے، کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے ہین، لیکن ان مین جان باقی تھی، اور بعد کو زندہ بچ گئے، اور غزوۂ خندق مین شہید ہوئے، زرقانی ج ۲ صفحہ ۸۶،

[2] حضرت عمروؓ بنؓ امیہ اور حضرت منذرؓ بن محمد عقبہ انصاری پیچھے تھے، جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا، اور حضرت عمرو بن امیہ کو قید کر لیا گیا اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے، زرقانی ج ۲ صفحہ ۸۶

بنی عامر سے اُن کی اس بے وفائی کا بدلہ لے لیا جو انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کیساتھ کیا ہی[1] (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو) اس پر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی اور دونون کے خونبہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا،

واقعۂ رجیع

انہی دنون عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے ہین، اُن کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، چند لوگون کو ہمارے ہان بھیجئے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائین، آپ نے دس شخص ساتھ کر دیئے، جن کے سردار حضرت عاصم بن ثابت تھے، یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے جو عسفان اور مکہ کے وسط مین ہے تو ان غدارون نے بدعہدی کی، اور قبیلہ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دین، بنو لحیان کے دو سو آدمی کہ جن مین ایک سو تیر انداز تھے، ان لوگون کے تعاقب مین چلے اور ان کے قریب آگئے، ان لوگون نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی تیر اندازون نے اُن سے کہا کہ "اُترآؤ ہم تم کو امن دیتے ہین" حضرت عاصم نے کہا "مین کافر کی پناہ مین نہین آتا" یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے" غرض وہ مع سات آدمیون کے لڑ کر تیر اندازون کے ہاتھ سے شہید ہوئے، (قریش نے چند آدمیون کو بھیجا کہ عاصم کے بدن کا گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائین کہ اُن کی شناخت ہو، قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی شہد کی مکھیون نے لاش پر پڑا ڈال دیا، قریش ناکام پھر گئے) لیکن (تین) شخصون نے جن

[1] البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۷۳ زرقانی ج ۲ ص ۹۲ (۲ بخاری کتاب المغازی) نے اس موقع پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے ان کا نام نہین لکھا ہے ابن اسحاق نے ان کا نام حضرت عبداللہ بن طارق بتلایا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ اسی وقت اسی موقع پر شہید کر دیئے گئے، لیکن دوسری روایتون مین ہو کہ وہ ان سے آگے چل کر مکہ کے راستہ مین بمقام ظہران ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، زرقانی ج ۲ ص ۷۴، س

(مین سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ (رضی اللہ عنہ) تھے، کافرون کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے، کافرون نے بدعہدی کرکے اُن کی مشکین کس لین، اور مکہ مین لیجا کر بیچ ڈالا، حضرت خبیبؓ نے جنگ اُحد مین حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے اُن کو حارث کے لڑکون نے خریدا کہ باپ کے بدلہ مین قتل کرینگے، چند روز انہی کے گھر مین رہے ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے، اتفاق سے ہاتھ مین چھری تھی، بچی کی ماں اتفاقاً کہین سے آگئی، دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ مین ننگی چھری ہے، کانپ اٹھی حضرت خبیبؓ نے کہا "کیا تو یہ سمجھی کہ مین اس کو قتل کر دون گا، ہمارا یہ کام نہین"۔ خاندان حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا، انھون نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلون نے اجازت دی، انھون نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا "دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا، لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہون" پھر یہ اشعار پڑھے،

وماان ابالی حین اقتل مسلما	جب مین اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہون
علی ای شق کان للہ مصرعی	تو مجھ کو اس کی پروا نہین کہ کس پہلو قتل کیا جاؤنگا
وذلک فی ذات الالٰہ وان یشأ	یہ جو کچھ ہو خاص خدا کے لئے ہے، اگر وہ چاہیگا تو
یبارک علی اوصال شلو ممزع	جسم کے اُن پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل کریگا

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہین تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا

---

(۱) حارث کے بیٹے ابو سروعہ جنھون نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا، بعد کو مسلمان ہوئے اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے، زرقانی ج ۲ ص۸۲ (اس موقع پر صحیح بخاری مین اسرہ لکھا ہے) "ش"

کرلیتا ہے، (اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے)

دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے، ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا، ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے، جن میں ابوسفیان بھی تھا، جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا، "سچ کہنا اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کئے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟ بولے خدا کی قسم میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں میں کانٹا چبھ جائے" صفوان کے غلام نسطاسؓ نے اُن کی گردن ماردی،

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے، اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان کی سرگذشت تاریخ اسلام سے گوناگون تعلقات رکھتی ہے، اس لئے ہم اُن کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لئے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا،

---

[۱] طبری صفحہ ۱۴۳۲ و طبقات ابن سعد، اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لئے گئے ہیں نیز صحیح بخاری باب یستاسر ومن لم یستاسر وصلی رکعتین عند القتل، ([۲] اس نماز کے استحباب کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی اول ص۱۵۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس استحسان نے اس نماز کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا، (الروض الانف ج۲ ص۱۷۴) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں یعنی حضور کے سامنے کوئی فعل کیا گیا ہو یا حضورؐ کی عدم موجودگی میں کیا گیا ہو اور حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی ہو، مگر آپ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائیگا) ([۳] نسطاسؓ نے بعد کو اسلام قبول کیا، زرقانی ج۲ ص۷۵)

واقعات متفرقہ ۴ھ | اسی سال شعبان مین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی،

اسی سال ازواجِ مطہرات مین سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا، انؓ سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا،

اسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لین، اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہین، تاریخون مین لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن مین عبرانی زبان سیکھ لی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے،

اسی سال شوال مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا،

اسی سال یہودیون نے آپ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا، اور آپؐ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا، (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصون مین آئیگی)

بعض مورخون کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا، لیکن اس مین روایتین نہایت مختلف ہین، پوری تحقیق احکامِ شرعیہ کے ذکر مین آئے گی،

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ و سنہ ۳ و سنہ ۴

اوپر گذر چکا ہے کہ یہود مدت دراز سے مدینہ پر فرمان روا تھے، انصار نے آکر اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کئے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا، لیکن جنگِ بعاث نے اُن کی قومی طاقت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کرسکتے،

یہود کے تین قبیلے تھے، قینقاع، نضیر، قریظہ، یہ سب مدینہ کے اطراف و در حوالی میں آباد تھے، اور عموماً زمیندار، دولتمند، تجارت پیشہ اور صناع تھے، قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور چونکہ سب میں زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لئے ہمیشہ اُن کے پاس اسلحۂ جنگ کے ذخیرے تیار رہتے تھے، انصار عموماً اُن کے مقروض اور زیر بار تھے، ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ اُن لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا، انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے، اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شایستہ سمجھتے تھے، جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے، وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اُس کو یہودی بنادیں گے، چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیہ[1] موجود تھے،

یہود میں امتداد زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے، اُن کے امتیازی خصائص

[1] ابوداؤد (ج ۲ ص ۹) کتاب الجہاد باب الاسیر،

زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، اور تمام آبادی اُن کے قرضوں مین زیر بار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحین مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت مین لوگون کے بال بچے یہان تک مستورات کو رہن رکھواتے تھے، کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستون سے یہی درخواست کی تھی[1]، اور مختلف طریقون سے لوگون کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے،

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچون کو دو چار روپے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے[2]، دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لئے ان کو سزا نہین دے سکتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری شریعت مین زنا کی سزا صرف دُرہ مارنا ہے؟ اس نے کہا نہین بلکہ سنگسار کرنا ہے، لیکن ہمارے شرفا مین زنا کی کثرت ہو گئی اور جب کوئی شریف اس جرم مین پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے، البتہ عام آدمیون کو یہ سزا دیتے تھے، بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا دُرہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکسان سزا دیجا سکے[3]،

اسلام مدینہ مین آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب اُن کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہین رہ سکتا، اسلام جس قدر روز بروز مدینہ مین پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیون کے مذہبی وقار کو

---

[1] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب اشرف، [2] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۰ کتاب الدیات، باب اذا قتل بحجر او بعصا تی، [3] اسباب النزول، واحدی صفحہ ۱۵۸ مصر (وصحیح مسلم (مص ۹۱۸)، ذکر رجم الیہود) مص،

جو اُن کو مدتوں سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعۃً رک گئی، نئے نئے فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولتمند ہوتے جاتے تھے یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے، یہودیوں میں جو اخلاق بد عموماً پھیلے ہوے تھے اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا، اب ان کا راز فاش ہونے لگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ اُن کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا، اور اُن کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی، لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے، ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرضِ نبوت تھا، قرآن مجید میں اُن کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتیں نازل ہوتی تھیں،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ، (مائدہ - ۶)	وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے، اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں،
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ - ۹)	اور تو ان میں سے اکثروں کو دیکھیگا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں،
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء - ۲۲)	اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہیں حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا، اور چونکہ یہ لوگوں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں،

ان اسباب نے تمام یہود میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی،

انھون نے طرح طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتین دینی اور اسلام کے خلاف کوششین کرنی شروع کین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ اُن کی ہر طرح کی ایذا رسانیون کی برداشت کرین

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	اور اہل کتاب اور مشرکون سے تم بہت
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا	سی ایذا (کی باتین) سنوگے، اور اگر
أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا	صبر کئے رہو اور پرہیزگاری پر قائم
فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (آل عمران ۱۹)	رہو تو یہ ہمت کے کام ہین

یہودیون نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام علیکم کرتے تو بجائے السلام علیک کے السام علیک کہتے تھے جس کے معنی یہ ہین کہ تجھ کو موت آئے" ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھین، انھون نے سنا تو اُن کو سخت غصہ آیا، اور بے اختیار ہو کر بول اٹھین کہ کمبختو! تم کو موت آئے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو حضرت عائشہؓ نے کہا آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگون نے کیا کہا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہان، لیکن یہ کافی ہے کہ مین نے علیک کہ دیا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجاملت اور درگذر ہی پر اکتفا نہین فرماتے تھے، اگر معاشرت کی باتون مین یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے اہل عرب کی عادت تھی کہ بالون مین مانگ نکالتے تھے، بخلاف اس کے یہودی بالون کو یون ہی چھوڑ دیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہودیون ہی کی موافقت کرتے تھے

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے۔

صحیح بخاری مین ہے،

وکان یحب موافقۃ اھل الکتاب	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن چیزون مین جن مین
فیما لم یؤمر فیہ بشیٔ، (بخاری	کوئی خاص حکم الٰہی نہین ہوتا تھا، اہل کتاب
کتاب اللباس باب الفرق) (ج ۲ ص ۸۷۷)	کی موافقت پسند فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے، آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھین[1]، کسی یہودی کا جنازہ گذرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہوجاتے[2]،

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسٰی کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہین، اس پر ایک انصاری کو غصہ آگیا، انھون نے اُس کو تھپڑ مارا، یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپ نے فرمایا مجھ کو اور پیغمبرون پر (ایسی) فضیلت نہ دو (جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بیہوش ہوجائین گے اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا، اس وقت مین دیکھون گا کہ موسٰی عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہین[3]،

احکام الٰہی جو قرآن مجید مین نازل ہو رہے تھے، سرتاپا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب مین تھے،

---

[1] بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۶۲ (باب اتیان الیہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ) [2] بخاری (ج ص ۱۷۵) کتاب الجنائز [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۸ تفسیر سورۂ اعراف،

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ ۔ (مائدہ - ۱)

اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے،

عموماً اُن کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا،

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۔ (بقرہ)

اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تم کو دین اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی ہے،

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اس قدر تھا،

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔ (آل عمران-ع ۷)

کہدو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکسان مانتے ہیں، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے تو اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہدو کہ اچھا تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں

ان باتوں میں سے ایک بھی اُن کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہار لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انھوں نے ہر طرح سے

اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا،

اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لئے مشرکون سے کہتے تھے کہ مذہب مین مسلمانون سے تم ہی اچھے ہو،

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ	اور کافرون کی نسبت کہتے ہین کہ مسلمانون
اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (نسآء-۸)	سے یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہین،

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لئے یہان تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائین تاکہ لوگون کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کرکے کوئی کیون چھوڑ دیتا،

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اور اہل کتاب مین سے ایک گروہ کہتا ہو کہ
اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ	مسلمانون پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا	لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید
اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران-۸)	کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائین

ان باتون کے علاوہ، اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیرین اختیار کین. وہ یہ جانتے تھے، کہ مسلمانون کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسلام نے اُن کو باہم متحد کر دیا ہے، ان دونون کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہو جائے گا، عرب مین پچھلی کینہ آوریون کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا، ایک دفعہ دونون قبیلون کے بہت سے آدمی جلسہ مین بیٹھ کر بات چیت

کررہے تھے. چند یہودیون نے اس صحبت مین جاکر جنگِ بعاث کا تذکرہ چھیڑا، یہ وہ لڑائی تھی جس مین انصار کے یہ دونون قبیلے آپس مین لڑے تھے، اور اسی لڑائی نے اُن کی تمام قوت برباد کردی تھی، اس لڑائی کے تذکرہ نے دونون کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعةً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، طعن وطعن سے گذر کر تلوارین کھنچ گئین. حسنِ اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی، آپ نے فوراً موقع پر پہنچکر وعظ وپند سے دونون فریق کو ٹھنڈا کیا، اس پر یہ آیت اتری[1]؛

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا	مسلمانو! اگر تم اہلِ کتاب کے بعض لوگون
فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	کا کہنا مانوگے تو وہ تم کو ایمان لائے بعد
يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ (آل عمران)	پھر کافر بنا دین گے،

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا، جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہوگیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا، اس گروہ کا سردار عبد اللہ بن اُبی بن سلول تھا، یہودیون نے اس کو نہایت آسانی سے دربردہ ملالیا، اور اُن کے ساتھ ملکر سازش شروع کی. اتفاق یہ کہ عبد اللہ بن اُبی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا،

قریش نے بدر سے پہلے عبد اللہ بن اُبی کو لکھا تھا کہ "مسلمانون کو نکال دو، ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کردین گے" لیکن جب اس مین کامیابی نہین ہوئی، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تو بدر کے بعد انھون نے یہود کو خط لکھا؛

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی، مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۸۰،

انکم اهل الحلقة والحصون	تم لوگون کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعجات
وانکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن	ہین، تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)
کذا وکذا، ولا یحول بیننا	سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کرینگے
وبین خدم نسائکم شیء[1]	اور یہ کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتون کے
	کڑون تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی،

ابوداؤد نے چونکہ بنو نضیر کے ذکر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس لئے صرف بنو نضیر کا نام لیا ہی، ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا، اسی بنا پر محدث حاکم نے بنو نضیر اور قینقاع دونون کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے، غرض آج حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتون کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیون کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا، حضرت طلحہ بن برا ایک صحابی تھے، (انھون نے انتقال کے وقت) وصیت کی کہ اگر مین رات کے وقت مرون تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے، ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گذر جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے[2]،

شوال ۲ھ
غزوۂ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا، ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائل یہود مین سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے، اس لئے سب سے پہلے انہی نے اعلان جنگ کی

[1] سنن ابی داؤد ذکر نضیر (کتاب الخراج والامارہ) ص ۔ [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن برا[3] طبقات ابن سعد (ج ۲ قسم اول صفحہ ۱۹)

جرأت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی، ابن ہشام و طبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادۃ انصاری کی روایت نقل کی ہے،

ان بنی قینقاع کانوا اول یھود	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھوں نے اس
نقضوا ما بینھم و بین رسول اللہ	معاہدہ کو جو اُن میں اور آنحضرت صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم وحاربوا فیما بین	علیہ وسلم میں تھا توڑ ڈالا، اور بدر اور
بدر و احد،	اُحد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی

ابن سعد نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذکر میں لکھا ہے،

فلما کانت وقعۃ بدر اظھروا (ابن سعد)	واقعۂ بدر میں یہودیوں نے شورش
البغی و الحسد و نبذوا العھد والمدۃ،	اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ دیا،

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا، ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش آئیں) یہودیوں نے اُن کی بے حرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو، ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے" بولے کہ "ہم قریش نہیں ہیں، ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے" چونکہ ان کی طرف سے نقضِ عہد اور اعلانِ جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے، پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اس پر راضی ہوئے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کرینگے، اُن کو منظور ہوگا، عبد اللہ بن اُبی اُن کا حلیف تھا، اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کردئیے جائین، غرض وہ اذرعات مین جو شام کے علاقہ مین ہے، جلاوطن کردیئے گیے، یہ سات سو شخص تھے جن مین تین سو زرہ پوش تھے،[1] یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے،

قتل کعب بن اشرف
ربیع الاول ۳ھ

یہودیون مین کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا، اس کے باپ اشرف نے جو قبیلۂ طے سے تھا، مدینہ مین بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا، کہ ابو رافع ابن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا، اُس کی لڑکی سے شادی کی، کعب[2] اس کے بطن سے پیدا ہوا، اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا، اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اُس کا عام اثر تھا، رفتہ رفتہ دولتمندی کی وجہ سے تمام یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا، یہودی علماء اور پیشوایانِ مذہب کی تنخواہین مقرر کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے، اور علمائے یہود اس سے ماہوارین لینے آئے تو اُس نے اُن لوگون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رائے دریافت کی، اور جب اپنا ہمخیال بنا لیا تب اُن کے مقررہ روزینے جاری کیے،[3]

---

[1] عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو قتل کردینا چاہتے تھے، عبد اللہ ابن اُبی کے اصرار سے مجبور ہوگئے، لیکن سنن ابی داؤد مین جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے، اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے [2] صحیح بخاری باب قتل الغانم المشرک [3] الخمیس صفحہ ۴۴۴ [4] زرقانی (ج ۲ ص ۹) بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ،

اسکو اسلام سے سخت عداوت تھی، بدر کی لڑائی مین سرداران قریش مارے گئے، تو اُس کو نہایت صدمہ ہوا، تعزیت کے لئے مکہ گیا، کشتگان بدر کے پُر درد مرثیے جن مین انتقام کی ترغیب تھی، لوگون کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رُلاتا تھا، ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کئے ہین، اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہین، تاہم جہان تک اس زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہین

طحنت رحی بدر لمهلك اهله	جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستهل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پیٹنا چاہیے،
کم قد اُصیب به من ابیض ماجد	کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جن کے
ذی بهجة تأوی الیه الضُیّع	یہان اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے،

مدینہ مین واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین اشعار کہنا، اور لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا[1]،

عرب مین شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ مین بڑے بڑے ملکی مدبرون کی پرجوش تقریرون اور نامور اخبارات کی تحریرون کا ہوتا ہے تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ مین شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا،

[1] ابو داؤد مین ہے، وکان کعب بن الاشرف یہجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویحرض علیہ کفار قریش (ابو داؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیہود کتاب الخراج والامارہ) ابن سعد مین ہے کان رجلا شاعرا یہجو النبی واصحابہ ویحرض علیہ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۵ صفحہ ۹۰) مین ہے، ان کعب بن الاشرف انطلق الی المشرکین من کفار قریش فاستجاشہم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وامرہم ان یغزوہ (س)

ایک روایت مین ہے کہ مکہ مین چالیس آدمی لے کر گیا، وہان ابو سفیان سے ملا، اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا، اور ابو سفیان سب کو لے کر حرم مین آیا، سبنے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لین گے،

اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے، علامہ یعقوبی اپنی تاریخ مین بنو نضیر کے واقعہ مین لکھتے ہین،

کعب بن الاشرف الیھودی الذی	کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت
اراد ان یمکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے مین قتل کر دینا چاہا،

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین[۲] (ذکر کعب اشرف) مین عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت مین بلایا اور لوگون کو متعین کر دیا، کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دین، حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہے، لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے،

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہ نے بمشورہ رؤسائے اوس جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ مین قتل کر دیا،

ارباب روایت نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ نے آپ کی خدمت مین یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے" ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہین کہ انھون نے

---

[۱] خمیس صفحہ ۱۰ و غالبا یہ وہی پہلا واقعہ ہو، ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہو (ہ) ج ۲، ص ۲۵۹ تمہ
[۲] ابن سعد، مغازی صفحہ ۲۱،

جھوٹ باتین کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی کیونکہ الحرب

خدعۃ یعنی لڑائی مین دھوکا دینا جائز ہے، لیکن بخاری کی روایت مین صرف یہ لفظ ہے،

فاذن لی ان اقول، ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کرین،

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہان نکلتی ہے؟ لیکن جو گفتگو ہوئی اُس سے کعب اور عموماً یہود

کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمہین سے

کچھ رکھ کر قرض لینا ہے" کعب نے کہا تم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اکتا جاؤگے، اچھا قرض کے لئے

اپنی بیویون کو رہن رکھو" محمد بن مسلمہ نے کہا "تمہارے اس حسن وجمال کے سبب سے ہم کو اپنی

بیویون پر وفاداری کا یقین نہین" اس نے کہا "اچھا اپنے بچون کو گرو رکھو" انھون نے کہا

اس سے تو تمام عرب مین ہماری بدنامی ہوگی، ہم اپنے ہتھیار گرو رکھین گے، اور تم جانتے ہو

آجکل ان کی جیسی ضرورت ہے[1]"،

صحیح بخاری مین جو روایت ہے اس مین قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگون

نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے باہر بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑلی،

اور قتل کرڈالا[2]، لیکن روایت مین یہ مذکور نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتون کی اجازت

دی تھی، اس وقت تک عرب مین ان طریقون سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی، آگے

چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان مین یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقون کی اصلاح کی،

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۱۰ وصحیح بخاری قتل کعب بن اشرف "س"

[2] صحیح بخاری باب قتل کعب (کتاب المغازی) "س"

غزوۂ بنونضیر
ربیع الاول سنہ ۴ھ

حضرت عمروؓ بن امیہ نے قبیلۂ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور جن کا خونبہا اب تک واجب الادا تھا، اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہودی نضیر پر واجب الادا تھا، اس کے مطالبہؔ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے، انھون نے قبول کیا، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرا دے، اتفاق سے اُس وقت آپؐ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ مین کھڑے تھے، عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا، آپؐ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا، اور آپؐ فوراً مدینہ واپس چلے آئے،

اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، ورنہ ہم خود آکر تمھارا بھی استیصال کر دین گے، بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے، قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا، بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ تیس آدمیون کو لے کر آئین، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئین گے، آپؐ کا کلام سن کر اگر ہمارے احبار آپؐ کی تصدیق کرین گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا، چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے، آپؐ نے

(لہ بنی نضیر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے متعلق جو گفتگو فرمائی اس کی دو تشریحین کی گئی ہین، ایک تشریح تو وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے، دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلۂ عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہان دیت کا دستور کیا ہے؟ بنی نضیر اور قبیلۂ عامر کے باہم تعلقات اچھے تھے اس لئے ان سے اس مسئلہ مین گفتگو قرین قیاس بھی ہے، (سیرۃ حلبیہ ج ۲ ص ۲۵۹) "س" یہ روایت ابن ہشام وغیرہ مین مذکور ہے، زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے، یہ عبارت نقل کی ہے، وکانوا اقد دسّوا الی قریش فی قتالہ صلی اللہ علیہ وسلم فحضوھم علی القتال ودلوھم علی العورۃ (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگون نے قریش سے درپردہ سازش کرکے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کو مخفی موقع بتائے،

کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو مین تم پر اعتماد نہین کر سکتا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوے، آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی، انھون نے تعمیل کی، بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ اُن کے برادرانِ دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے، لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے[1]، بالآخر انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمی لے کر آئین، ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہین، یہ علما، اگر آپؐ پر ایمان لائین گے تو ہم بھی لائین گے، آپؐ نے منظور فرمایا، لیکن راہ مین آپؐ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلوارین باندھ کر تیار ہین کہ جب آپؐ تشریف لائین تو آپؐ کو قتل کر دین[2]،

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے، وہ نہایت مضبوط قلعون مین پناہ گزین تھے، جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا، اس کے ساتھ عبداللہ بن اُبی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا، بنو قریظہ تمہارا ساتھ دین گے، اور مین دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کو آؤنگا،

قرآن مجید مین ہے،

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ   تم نے دیکھا، منافق اپنے کافر بھائیون سے

---

[1] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد در خبر النضیر کتاب الخراج والامارہ (ص ۳) مین ہے، تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہین [2] فتح الباری واقعۂ غزوہ بنو نضیر جلد سابع صفحہ ۲۵۵ فتح الباری مین یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا، بخاری مین ترجمۃ الباب یہ ہے باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ	کہتے ہین کہ تم نکلوگے تو ہم بھی تمہارے ساتھ
اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ	نکلین گے، اور ہم تمہارے باب مین کسی کا کہنا
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا	نہ مانین گے، اور اگر تم سے کوئی لڑا تو ہم بھی
وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ، (سورہ حشر-۲)	تمہاری مدد کو آئین گے،

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے، بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہین دیا، اور منافق علانیہ اسلام کے مقابلہ مین آ نہین سکتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا، قلعہ کے گرد جو اُن کے نخلستان تھے اُن کے چند درخت کٹوا دیئے، سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہے کہ سب نخلستان نہین کاٹا گیا، بلکہ صرف لینۃ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہے، اور عرب کی عام خوراک نہین ہے اُس کے درخت کٹوا دیئے گئے تھے، قرآن مجید مین بھی اس کا ذکر ہے،

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	تم نے لینۃ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر
قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ	قائم رہنے دیئے سب خدا کے حکم سے تھا،
وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ، (سورہ حشر-۱)	تاکہ خدا فاسقون کو رسوا کرے،

ممکن ہے کہ درختون کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو اس لئے وہ صاف کرا دیئے گئے کہ محاصرہ مین کوئی چیز حائل نہ ہو[1]،

(۱) مصنف کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہو کہ امام احمدؒ کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ مین اسی وقت کاٹے جاتے ہین جبکہ کاٹے بغیر چارہ کار نہ ہو، محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن مین لکھا ہو، نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہو کہ اسحاق کا قول ہو کہ اگر دشمن درختون (کے آڑ) مین ہو تو ان مین آگ لگا دینا سنت ہو، اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضا تھا۔ عمدۃ القاری ج ۰ ص ۱۹۱ ۱۲ س،

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جاسکین لے جائین، اور مدینہ سے باہر نکل جائین چنانچہ سب گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، ان مین سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحُقَیق، کنانہ بن الربیع، حُیَیّ بن اخطب خیبر چلے گئے، وہان لوگون نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کرلیا[1]، اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے،

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے، لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، اونٹون پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا مطربہ عورتین دف بجاتی اور گاتی تھین، عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا وہ بھی ساتھ ساتھ تھی، اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سروسامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہین گذری تھی[2]، ہتھیارون کا ذخیرہ جو ان لوگون نے چھوڑا، اس مین پچاس زرہین، پچاس خود، اور تین سو چالیس تلوارین تھین،

ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھون نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا، اور یہودی ان کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو نہ جانے دین گے، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری.

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ، یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہے،

ابو داؤد نے کتاب الجہاد "باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام" کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے،

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۵۲، [2] یہ تفصیل طبری مین ہے، (ص ۱۴۵۲)

سنہ ۵ ھ

غزوۂ مریسیع، واقعۂ افک و غزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگا دی، جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دین، سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی ۱۰ محرم سنہ ۵ ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہ کو لے کر نکلے، اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے، لیکن آپ کی آمد سن کر وہ پہاڑون مین بھاگ گئے،

ربیع الاول سنہ ۵ ھ مین یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل مین کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہزار کی جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے،

غزوۂ مریسیع، یا بنی مصطلق شعبان سنہ ۵ ھ

خزاعہ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا، قریش کو ایک زمانہ مین یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہین، اس لئے ہم کو اور دون سے

۱؎ ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع صفحہ ۴۳ (دیکھو بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا، صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ مین ادا کی گئی) (۲؎ ابن اسحاق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے بھی کی ہو، اس غزوہ کو سنہ ۴ ھ مین ذکر کیا ہے موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہو کہ سنہ ۵ ھ مین واقع ہوا، امام بخاری نے

ہر باب مین ممتاز ہونا چاہئے، حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان مین قیام کرنا ہی لیکن چونکہ یہ میدان، حرم کی حدود سے باہر ہے، قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائین، لیکن ہم کو عرفات کے بجاے مزدلفہ مین ٹھہرنا چاہیے، جو حدود حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتین قائم کین، ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا، لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیون کو قبول کر لیتے تھے ان کو بھی یہ لقب دیدیتے، اور ان سے رشتہ ناتہ کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا،

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا، وہ مقام مریسیع مین جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے، آباد تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، اس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو مزید تحقیقات کے لئے حضرت زید بن خصیب کو بھیجا، انھون نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی، آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، ۲ شعبان کو فوجین مدینہ سے روانہ ہوئین، مریسیع مین خبر پہنچی تو حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی، اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع مین جو لوگ آباد تھے، انھون نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے، مسلمانون نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پانون اکھڑ گئے (دس آدمی مارے گئے، اور باقی گرفتار ہو گئے) جن کی تعداد تقریبًا ۶۰۰ سو تھی، غنیمت مین دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریان ہاتھ آئین[۲]

یہ ابن سعد کی روایت ہی صحیح بخاری[۳] اور صحیح مسلم[۳] مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہین (ص ۴۹ جلد اول) [۲] باب العتق [۳] کتاب الجہاد والسیر،

نے بنو المصطلق پر اس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے۔ اور اپنے مویشیون کو پانی پلا رہے تھے ابن سعد نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے۔ لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتون کو ترجیح نہین ہو سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کے رو سے قابلِ حجت نہین کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچکر ختم ہو جاتا ہے، اور جنگ مین شریک ہونا تو ایک طرف۔ نافع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی نہ تھا۔ اس لئے یہ روایت اصطلاح محدثین مین منقطع ہے[1]

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے، جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج مین داخل ہوگئے تھے، یہ بد باطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری مین جھگڑا ہو گیا، انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ مارا، (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معاشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا، نعرے سن کر قریش و انصار نے تلوارین کھینچ لین، اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، لیکن چند لوگون نے بیچ بچاؤ

---

[1] طبقات ابن سعد جلد مغازی صفحہ ۴۵ و ۴۶ ۱۲ رتلہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف آغاز سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے، ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبد اللہ ابن عمر وکان فی ذالک الجیش یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سنا جو اس لڑائی مین شریک تھے، (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب العتق) اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہین باقی رہتی ہے) "س"

کرادیا، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اس کو موقع ہاتھ آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا
"تم نے یہ بلا خود مول لی، مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ
کرتے ہیں، اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے، تم دستگیری سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے
نکل جائیں گے"!

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا، حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، غصہ
سے بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے، آپ نے
فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں؟[1]
یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا، اس کے
صاحبزادے کہ اُن کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جان نثار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن اُبی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں،
یہ سن کر وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر
خدمت گذار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو، میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں،
ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل
کر دوں،" آپ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا۔[2] یہ ارشاد
اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپ نے خود پیراہنِ مبارک عنایت فرمایا،

---

[1] دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۷۲۸، [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں
اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں،

جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں! لیکن دریاے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا،

حضرت جویریہؓ کا واقعہ لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوے، اُن میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں، ابن اسحاق کی روایت ہے، جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیرانِ جنگ لونڈی غلام بناکر تقسیم کردیئے گئے، حضرت جویریہؓ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں، انھوں نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ مکاتبت کرلو، یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو" حضرت ثابتؓ نے منظور کیا، حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کردیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی آئیں، حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں،

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً اُن کی ذاتی راے ہے کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیرین ادا تھیں، میں نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اُن کے حسن وجمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا، غرض وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، "آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جاے تو قبول کروگی، انھوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کردوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں، حضرت جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا"[۱] آپ نے تنہا وہ تمام رقم ادا کردی، اور ان سے شادی کرلی"

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابوداؤد، دونوں میں موجود ہے،

[۱] ابوداؤد کتاب العتاق

لیکن دوسرے طریقِ روایت مین اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے،

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئین تو حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا، اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہین بن سکتی، میری شان اس سے بالاتر ہے، آپؐ اُس کو آزاد کردین، آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جاکر جویریہ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا، انھون نے کہا "مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین رہنا پسند کرتی ہون" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کرلی،

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین، ابن مندہ سے نقل کرکے لکھا ہوکہ اس کی سند صحیح ہے" ابن سعد مین بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن سعد نے طبقات مین یہ روایت بھی کی ہو کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے اُن کا زرِ فدیہ ادا کیا،[۱] اور جب وہ آزاد ہوگئین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے نکاح کیا،

اس نکاح کا اثر

حضرت جویریہؓ سے جب آپؐ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہلِ فوج کے حصہ مین آگئے تھے دفعۃً رہا کردیئے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کرلی وہ غلام نہین ہوسکتا،

واقعۂ افک

واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی، وہ اسی لڑائی سے واپسی مین پیش آیا تھا، احادیث اور سیر کی کتابون مین اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے

[۱] سنن ابی داؤد کتاب العتق (باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ) "س"

نقل کیا ہے، لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید مین صاف مذکور ہی، کہ سننے کے ساتھ لوگون نے یہ کیون نہیں کہدیا کہ "بالکل افترا ہے"! اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چندان ضرورت نہین، البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہئے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے، یہ خبر اصل مین منافقین نے مشہور کی تھی، لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے مین آگئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی، جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ مین مذکور ہے،

آجکل کے عیسائی مورخون نے بھی قدیم منافقون کی طرح اس واقعہ کو اس جوشِ مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود اُن کے قلم مین روانی آگئی ہے، لیکن ہم اُن سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے،

یہ تمام لڑائیان اُس عام جنگ کا پیش خیمہ تھین جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے اور جس کو جنگِ احزاب کہتے ہین،

غزوۂ احزاب
یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ
ذوقعدہ ۵ھ

بنو نضیر[۱] مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انھون نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، اُن کے رؤسا مین سے سلام بن ابی الحُقَیق، حُیَیّ بن اَخطب، کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا

[۱] طبری میں ہے: کان الذی جر غزوة رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر عن دیارھم (ج ۳ - ص ۱۴۶۳) مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷، ص ۳۰۳) غزوۂ احزاب کے ذکر میں اس کی یہ عبارت نقل کی ہے: خرج حیی بن اخطب بعد قتل بنی النضیر الی مکة یحرض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانة بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان ویحضھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینة بن حصن بن حذیفة بن بدر الفزاری الی ذلک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد فاقبل الیھم طلحة بن خویلد فیمن اطاعہ الخ،

استیصال کردیا جاسکتا ہے"[1] قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے، قریش کو آمادہ کرکے یہ لوگ قبیلۂ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل اُن کو ہمیشہ دیا کرین گے، (اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے، قصۂ غزوۂ معونہ مین یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی، اس لئے یہ فوراً تیار ہوگئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجین لے کر آؤ، قبیلۂ بنو سُلیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق سے انھون نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے اُن کو بھی آمادہ کیا، غرض تمام قبائلِ عرب سے لشکر گران تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا، فتح الباری مین تصریح ہے کہ اُن کی تعداد (دس ہزار) تھی[2]

یہ لشکر تین مستقل فوجون مین تقسیم (تھا) غطفان کی فوجین عُیینہ بن حصین فزاری کی کمان مین تھین جو عرب کا مشہور سردار تھا، بنو اسد طلیحہ کی افسری مین تھے، اور ابوسفیان (بن حرب) سپہ سالارِ کل تھا[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبرین سنین تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمانؓ فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انھون نے راے دی کہ کھلے میدان مین

---

[1] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع (د [2] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ و فتح الباری ج ، ص ۳۰۱) "س"
(د [3] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ "س" (د [4] افسرون کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہین ہے بلکہ مصنف نے صرف مشہور قبائل کے فوجی افسرون کا تذکرہ کردیا ہے، اس سلسلہ مین مورخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسرون کے نام بھی بتائے ہین، چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری مین تھے، قبیلۂ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا، بنو مرہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے، حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہوگئے تھے، زرقانی ج ۲ ص ۱۲۱، طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷) "س"
[5] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷) "س"

نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہین، ایک محفوظ مقام مین لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھودی جائے،
خندق دراصل فارسی کندہ کا معرب ہی جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، کاف، خ، سے اور ہائے ہوز
قاف سے بدل گئی ہے، جس طرح پیادہ سے بیدق ہوگیا ہے،

تمام لوگون نے اس رائے کو پسند کیا، اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے،

مدینہ مین تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا، جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف
شامی رُخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی
مقام مین خندق کی تیاریان شروع کین، یہ ذوقعدہ ۵ھ کی ۸ تاریخ تھی،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیون پر
دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا، بیس دن مین ۳ ہزار متبرک ہاتھون سے
انجام پائی،

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرور دو جہان مزدورون کی صورت مین تھے،
آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتین ہین، تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور
انصار اپنی پیٹھون پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہین، اور جوش محبت مین ہم آواز ہو کر کہتے ہین،

نحن الذین بایعوا محمدا　　علی الجھاد ما بقینا ابدا

سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی مٹی پھینک رہے ہین، شکم مبارک پر گرد اَٹ گئی ہے، اسی حالت مین
یہ رجز زبان پر ہے،

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا　　ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاُلی قد بغوا علینا — اذا ارادوا فتنۃً ابینا

اَبَیْنَا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، دو مکرر کہتے تھے[1]، اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے،

اللّٰھم انہ لا خیر الا خیر الآخرۃ — فبارک فی الانصار والمہاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی، کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا، آپ نے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودہ خاک تھی[2]۔

سَلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت سلمہ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ متعین کئے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے،

بنو قُریظہ کے یہود اب تک الگ تھے، لیکن بنو نضیر نے اُن کے ملا لینے کی کوشش کی، حُیَی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اُس نے ملنے سے انکار کیا، حُیَی نے کہا میں فوجوں کا دریائے بیکراں لایا ہوں، قریش اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے، اور ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں، اب اسلام کا خاتمہ ہے"۔ کعب اب بھی راضی نہ تھا، اس نے کہا میں نے محمدؐ کو

[1] صحیح بخاری غزوۂ احزاب [2] ایضاً۔

ہمیشہ صادق الوعد پایا۔ اُن سے عہد شکنی کرنا خلافِ مروت ہے لیکن حیی کا جادو رائگان نہیں جاسکتا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا، تو تحقیق اور اتمام حجت کے لئے سعد بن معاذ اور حضرت

سعد بن عبادہ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اگر درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے، تو وہاں سے آکر

اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونوں صاحبوں نے

بنو قریظہ کو معاہدہ یاد دلایا، تو انھوں نے کہا ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کردیا، قریش، یہود، اور قبائل عرب

کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئیں

کہ مدینہ کی زمین دہل گئی،

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالی نے کھینچی ہے،

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جبکہ دشمن، اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ	سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگ گئیں،
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ	اور کلیجے منہ میں آگئے، اور تم خدا کی نسبت
تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ	طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں
ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا	کی جانچ کا وقت آگیا، اور وہ بڑے زور
زِلْزَالًا شَدِيْدًا (سورۂ احزاب - ۲)	کے زلزلے میں ڈال دیئے گئے،

فوجِ اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن

موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتوں کی بیخوابی، بیشمار فوجوں کا ہجوم، ایسے واقعات تھے،

جنھون نے اُن کا پردہ فاش کر دیا، آ آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہین، ہم کو شہر مین واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے،

يَقُولُونَ اِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ	کہتے ہین کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہین اور وہ کھلے
بِعَوْرَةٍ، اِنْ يُرِيدُونَ اِلَّا فِرَارًا، (احزاب-۲)	نہین بلکہ اُن کو بھاگنا مقصود ہے،

لیکن جان نثاران اسلام کا طلاے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا،

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُونَ الْاَحْزَابَ	جب مسلمانون نے قبائل کی فوجین دیکھین
قَالُوا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ	تو بول اُٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے
وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَمَا	اور اس کے رسولؐ نے کیا تھا اور خدا اور
زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا،	اُس کا رسول دونون سچے تھے اور اس بات
(احزاب-۳)	نے اُن کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا

قریبًا ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہ نے بیتاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہین، لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے، محاصرہ اس قدر شدید اور پر خطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے، لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہین آئی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

ل شمائل ترمذی، عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک مین پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہین جھکنے پاتی تھی۔

اسی موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا[1]،

محاصرین نے اُدھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، اودھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے اہل و عیال یہین قلعون مین پناہ گزین تھے،

محاصرین خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصّون پر فوجین تقسیم کر دی تھین جو محاصرین کے حملون کا مقابلہ کرتی تھین، ایک حصّہ خود آپ کے اہتمام مین تھا،

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو انصار ہمت ہار جائین، اس لئے آپ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث اُن کو دیدیا جائے، حضرت سعدؓ بن عبادہ، اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے بلا کر مشورہ کیا، دونون نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہین، لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت مین بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا، حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ مین لے کر تمام عبارت مٹا دی[2] اور کہا ان لوگون سے جو بن آئے

---

[1] صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب (و صحیح مسلم کتاب الفضائل) لیکن ابن ہشام مین اس موقع پر حضرت حذیفہؓ بن یمان کا نام ہو، اس لئے محدثین مین ان دونون نامون کے واقعون کی تطبیق مین اختلافات ہی، حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہو کہ محاصرین مین سے قریش کی تحقیق حال کے لئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کے لئے حضرت زبیرؓ گئے تھے، یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتون مین کی ہے فتح الباری ج ۷، صفحہ ۳۱۲ و زرقانی ج ۲ صفحہ ۱۳۵ (تس ۲) [2] طبری صفحہ ۱۴۷۴ (ج ۳)۔

کر دکھائین ،

اب مشرکون کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان

خالد بن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی

باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض

چونکہ زیادہ نہ تھا، اس لئے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ مین کامیابی نہین ہوئی اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے،

تمام فوجین یکجا ہوئین، قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً

کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادرون یعنی ضرار، جبیرہ،

نوفل، عمرو بن عبدوُد نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑون کو مہمیز کیا تو اُس پار تھے،

ان مین سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدوُد تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا،

جنگ بدر مین زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لون گا بالون

مین تیل نہ ڈالون گا، اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا،

اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے، حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "مین"

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے، حضرت علیؓ بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز

کا اور کسی طرف سے جواب نہین آتا تھا، عمرو دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا

جواب مین تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے، تو حضرت علیؓ نے

عرض کی کہ ہان مین جانتا ہون کہ یہ عمرو ہے، غرض آپ نے اجازت دی، خود دست مبارک

سے تلوار عنایت کی، سر پر عمامہ باندھا،

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا مین اگر مجھ سے تین باتون کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کرون گا، حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے، پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت علیؓ	مین درخواست کرتا ہون کہ تو اسلام لا،
عمرو،	یہ نہین ہوسکتا،
حضرت علیؓ	لڑائی سے واپس چلا جا،
عمرو	مین خاتونانِ قریش کا طعنہ نہین سُن سکتا،
حضرت علیؓ	مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا، اور کہا مجھکو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی، حضرت علیؓ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اُتر آیا، اور پہلی تلوار گھوڑے کے پانون پر ماری کہ کونچین کٹ گئین، پھر پوچھا کہ تم کون ہو، آپ نے نام بتایا، اس نے کہا مین تم سے لڑنا نہین چاہتا، آپ نے فرمایا ہان" لیکن مین چاہتا ہون" عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پرتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؓ نے سپر پر روکا، لیکن تلوار سپر مین ڈوب کر نکل آئی، اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا، تاہم طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس مین لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخمون کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہاتھ کا

اور ایک ابن عجم کا، دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا، اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور فتح کا اعلان ہو گیا، عمرو کے بعد ضرار اور جبیرۃ نے حملہ کیا، لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا، حضرت عمر فاروقؓ نے ضرار کا تعاقب کیا، ضرار نے مڑکر برچھے کا وار کرنا چاہا، لیکن روک لیا اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا،

نوفل بھاگتے ہوئے خندق مین گرا، صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے، اُس نے کہا "مسلمانو! مین شریفانہ موت چاہتا ہون" حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی اور خندق مین اُترکر تلوار سے مارا کہ شریفون کے شایان تھا[1]،

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا، تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھر دن کا مینھ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی، یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متصل چار نمازین قضا ہوئین[2]، متصل تیر اندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا،

مستورات جس قلعہ مین تھین بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیون نے یہ دیکھکر کہ تمام جمعیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے

---

[1] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابون مین ہین لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے [2] اس امر مین محدثین مین سخت اختلاف ہے کہ چار نمازین قضا ہوئین یا ایک، اور چار قضا ہوئین تو ایک ہی دن یا کئی دن، یا کئی دن کی ملاکر، زرقانی مین یہ بحث مفصل ہے،

پھاٹک تک پہنچ گیا، اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا حضرت صفیہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیے گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے اُن سے کہا کہ اُتر کر اس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جاکر دشمنون کو پتہ دے گا، حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان مین اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہین دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی، اور کہا کہ مین اس کام کا ہوتا تو یہان کیون ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اُکھاڑ لی اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئین اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہین، حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائین، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی، یہودیون کو یقین ہوا کہ قلعہ مین بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر انھون نے حملہ کی جرأت[1] نہ کی،

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیون کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آگیا، خیمون کی طنابین اکھڑ اکھڑ گئین کھانے کے دیگچے چولھون پر اُلٹ اُلٹ جاتے تھے، اس واقعہ نے فوجون سے بڑھ کر کام دیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکر الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

---

[1] زرقانی بحوالہ طبرانی و بزار و ابویعلی بسند حسن، دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲، و ابن ہشام،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو،
نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ	جب کہ تم پر فوجین آپڑین تو ہم نے اُن پر
جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَّ	آندھی بھیجی اور فوجین بھیجین جو تم کو دکھائی
جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا، (احزاب-۲)	نہین دیتی تھین،

نُعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے، قریش، اور یہود دونون اُن کو مانتے تھے وہ اسلام لاچکے تھے، لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انھون نے قریش اور یہود سے الگ الگ جاکر اس قسم کی باتین کین جس سے دونون مین پھوٹ پڑگئی،

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی مین دونون سے (ایسی) باتین کہین جن سے دونون ایک دوسرے سے بدگمان ہوجائین) اور اس بناپر کہین کہ خود آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہین نقل کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہین کہ ایسا واقعہ محض اُن کی سند سے قبول کرلیا جائے، اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونون فریقون کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جاسکتا تھا، کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے، ابن اسحاق کی روایت مین بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہان سے چلے جائین گے تمھارا اور مسلمانون کا ہموطنی کا ساتھ ہے، اس لئے تم کیون بیچ مین پڑکر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو، اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمھارے ہان بھجوادین کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہین

توتم ان لوگون کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہودِ بنو قریظہ اوّل اوّل نقضِ عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمدؐ سے معاہدہ کیون توڑین، لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر اُن کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو مین خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آجاؤن گا۔ قریش اس قسم کی ضمانت نہین منظور کر سکتے تھے، اس لئے جب انھون نے انکار کیا ہوگا تو دونون مین خود پھوٹ پڑ گئی ہوگی، اس لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی[۱]۔

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہین سکتے تھے ابوسفیان نے فوج سے کہا، رسد ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب

---

[۱] مصنف کے اس قیاس کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے ہوتی ہے، جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ مین اور بتفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ مین نقل کیا ہے، اس روایت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کرین گے، لیکن انھون نے اپنی یہ شرط پوری نہین کی اور اس لئے ان کے دل مین قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی، اور انھون نے خفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلا وطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے نُعیم بن مسعود ثقفی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے ایک ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرما دیا، انھون نے جا کر یہ قریش تک پہنچا دیا، اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی، اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق و البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۳ مصر) "س"

محاصرہ بے کار ہے، یہ کہہ کر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے، بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق ۲۰-۲۲ دن تک غبار آلودہ رہ کر صاف ہو گیا،

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ	اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا
لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ	ہٹا دیا کہ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں
الْقِتَالَ، (احزاب - ۳)	کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی،

اس معرکہ میں فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا، یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے، ان کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے،

حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں، حضرت سعدؓ بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی، عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا تو سعد ہاتھ میں حربہ لئے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے،

لَبِثْ قَلِيلاً يُدْرِكُ الْهَيْجَا جَمَلْ	لَا بَأْسَ بِالْمَوْتِ إِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ
ذرا ٹھہر جا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے	وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہو

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے، حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا کاش سعدؓ کی

۱؎ ابن ہشام وطبری وخمیس،

زندہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے لئے مسجد کے صحن مین ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اُن کی تیمارداری شروع کی، اس لڑائی مین رفیدہ ایک خاتون شریک تھین جو اپنے پاس دوائین رکھتی تھین، اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھین، یہ خیمہ اُنہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک مین مشقص لیکر داغا، لیکن پھر ورم کر آیا، دوبارہ داغا، لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انھون نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ قیام مین یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال و مذہب ہر چیز مین امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگون سے تجدیدِ معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا، اور وہ جلاوطن کر دیئے گئے، لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا، چنانچہ اُن کو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم مین ان واقعات

لے یہ خمیس کا بیان ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) مین امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھین جو زخمیون کا علاج کرتی تھین حضرت سعدؓ انہی کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر مین لکھا ہو کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا اسی مین وہ بیمارون اور زخمیون کا علاج کرتی تھین، صحیح بخاری مین بھی رفیدہ کے خیمہ اور ان کے جراح خانہ کا ذکر ہے۔ ؎ مسلم باب التداوی ؎ واقدی نے حیی بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ کر کے ٹھہر جانے کے واقعہ کو اُن کی سازشی چال ظاہر کیا ہے" حیی ابن اخطب نے کہا کہ وہ اس لئے ٹھہر گئے ہین، تاکہ موقع پاکر کفار سے مل کر مسلمانون پر حملہ کر سکین" مغازی واقدی ص ۳۶۲، کلکتہ) "س"

کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ مین بیان کیا ہے،

عن ابن عمر ان یہود بنی النضیر	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ
وقریظۃ حاربوا رسول اللہ	بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم فاجلی رسول اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی تو آپ نے بنو نضیر
صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر واقر	کو جلا وطن کر دیا، اور قریظہ کو رہنے دیا
قریظۃ ومنّ علیھم (صحیح مسلم	اور اُن پر احسان کیا،

(بخاری باب حدیث بنی النضیر)

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تو اُن کے رئیس الاعظم حُیَیّ بن اَخطَب، ابو رافع سلام ابن ابی الحقیق خیبر مین جا کر آباد ہوئے اور وہان ریاست عام حاصل کر لی، جنگ احزاب اُن ہی کی کوششون کا نتیجہ تھی، قبائل عرب مین دورہ کر کے تمام ملک مین آگ لگا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت تک قریظہ معاہدہ پر قائم تھے، لیکن حیی بن خطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے تو مین خیبر چھوڑ کر یہین آ رہونگا چنانچہ اُس نے یہ عہد وفا کیا،

قریظہ نے احزاب مین علانیہ شرکت[1] کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیی بن اخطب کو ساتھ لائے[2]،

---

[1] سر ولیم میور صاحب ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہین کرتے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین کوئی عملی حصہ لیا تھا ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید مین جہان احزاب کا ذکر ہے وہان اس کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن قرآن مین صاف یہ الفاظ مین، وانزل الذین ظاہروھم من اھل الکتاب، مظاہرۃ (امداد) سے بڑھکر اور کون لفظ درکار ہے۔ [2] طبری (ج ۳ ص ۱۴۸۰ و سن) و ابن ہشام صفحہ ۶۹۳ جلد دوم۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں، قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابلِ اطمینان تصفیہ کے بعد اُن کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ اُن کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انھوں نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں[1]، غرض اُن کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینے محاصرہ رہا، بالآخر انھوں نے درخواست پیش کی، کہ حضرت سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے،

حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ (اوس)، قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کی،

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز، رجم، قصاص، بالمثل وغیرہ وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قید ہوں، مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے[2]، توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے

گیا لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا قرظی نہ تھا، صحیح بخاری و مسلم میں صاف تصریح ہے،

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۴۸۵ (یعنی ہو حتی اذا دنا من الحصون سمع منہا مقالة قبیحة لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۵ (باب جواز قتال من نقض العہد وجواز انزال اہل الحصون علی حکم حاکم عدل اہل للحکم ص ۹۵) اور نیز بخاری (باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ص ۵۹۱) میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، مارگولیس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ سعد بن معاذؓ کو اس جنگ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا، جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے، اس لیے انھوں نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بیرحمانہ فیصلہ

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیام دے، اگر وہ صلح تسلیم کریں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے، لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر، اور جب تیرا خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں، سب کو قتل کر دے باقی بچے عورتیں، جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں، سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گی۔"

احادیث میں مذکور ہے کہ سعد نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے اُن کی زبان سے نکلے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے،

حُیَی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا، مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے،

اما واللہ ما لمت نفسی فی عداوتک	ہاں خدا کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے
ولکنہ من یخذل اللہ یخذل	کیوں تیری عداوت کی، لیکن بات یہ ہو کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہو خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ایھا الناس انہ لا باس بامر اللہ	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ
کتاب وقدر وملحمۃ کتبھا اللہ	نہیں، یہ ایک حکم الٰہی تھا، یہ لکھا ہوا تھا، یہ

علیٰ بنی اسرائیل،　　　　سزا تھی جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی،

حُیَی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہو کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا[2]

اس معاہدہ پر اُس نے خدا کو ضامن کیا تھا، لیکن احزاب مین اس نے اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا،

بنو قریظہ کے متعلق مخالفینِ اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے لیکن واقعات حسب ذیل ہین:۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ مین آکر اُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا، جس مین اُنکے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا،

۲۔ بنو قریظہ رتبہ مین بنو نضیر سے کم تھے، یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اُس کو صرف آدھا خونبہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خونبہا ادا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ اُن کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا،[3]

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی،

۴۔ باوجود ان باتون کے عہد شکنی کی اور جنگِ احزاب مین شریک ہوئے،

---

[1] یہ دونون عبارتین ابن ہشام (غزوۂ بنی قریظہ) مین ہین، طبری مین بھی قریبًا یہی الفاظ ہین [2] بلاذری مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۲ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب بنی قریظہ مین بھی مذکور ہے) [3] ابوداؤد (ج ۲ کتاب الدیات باب النفس بالنفس) '' س ''

۵- ازواج مطہراتؓ قلعہ مین حفاظت کے لیے بھیجدی گئی تھین، ان پر حملہ کرنا چاہا،

۶- حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم مین جلاوطن کردیا گیا تھا، جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کرکے جنگ احزاب قائم کردی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا،

ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جاسکتا تھا،

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عرب مین محالفت کا معاہدہ، اخوت حقیقی کے برابر تھا، بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کیساتھ سفارش کی، حضرت سعدؓ بن معاذ اوس کے سردار تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے، وہ سخت کشمکش مین تھے، اُن کے حلیفون کی موت وحیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے، لیکن حضرت سعدؓ بن معاذ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کرسکتے تھے؟

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۔۔۔ سے زائد بیان کی ہے، لیکن صحاح مین ۔۔۔ ہے؛ ان مین صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص مین ماری گئی تھی کہ اُس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلادؓ) کو قتل کردیا تھا، اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابی داؤد مین وہ حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہے،

اُس کو معلوم ہوچکا تھا کہ مقتولین کی فہرست مین اُس کا نام بھی ہے، قتل گاہ مین مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، ایک ایک کا نام پکارا جارہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانون مین آتی تھی، لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتین کرتی جاتی

(۱) ابن ہشام غزوۂ بنی قریظہ نیز ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل النساء (ص)، ۱۲

اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا، وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں، خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا،

حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں،

ریحانہ کا غلط واقعہ

متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اس کی نسبت حکم دیا کہ الگ کرلی جائے، اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم میں داخل کرلیا، چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لونڈیوں سے بھی متمتع ہوتے تھے، انھوں نے دو مثالیں پیش کی ہیں، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ، عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت میں دکھایا ہے، ایک مورخ نہایت طعن آمیز الفاظ میں لکھتا ہے کہ بانیِ اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر پر آکر تفریحِ خاطر کے لئے......

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے،

ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں، لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:-

فاعتقنی وتزوج بی، — پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد کردیا، اور مجھ سے نکاح کرلیا،

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں:۔

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ	اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ (محترم) تھیں، اس مکان میں رہتی تھیں،

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں[1]

واستسریٰ ریحانۃ من بنی قریظۃ ثم اعتقھا فلحقت باھلھا واحتجبت وھی عند اھلھا،	ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں،

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

وھذہ فائدۃ جلیلۃ اغفلھا ابن الاثیر،

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا تھا، اور وہ اپنے خاندان میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں،

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے، اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں، تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں کنیز نہ تھیں۔

قطعاً یہ روایت ابن اسحاق کی ہے، تیسری قسم کی روایت یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کرنا چاہا تو انہوں نے اسلام قبول کیا، تو آپ نے انکو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، یہ روایت واقدی کی ہے، ابن سعد نے واقدی سے نقل کی ہے، اور واقدی نے یہی ثابت کیا ہے، دیکھو کتاب البدایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۰۴ سلیمان ندوی نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے جو اوپر سابق تفصیل کیجئے (اصابہ ذکر ریحانہ) س

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہ (ج ۴ ص ۳۰۹) اس زمانہ حضرت ریحانہ کے متعلق کتب سیر میں تین قسم کی روایتیں ہیں، ایک یہ کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں، یہ روایت ابن مندہ کی ہے مگر اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں، دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح وغیرہ تمام کے لئے رکھنا چاہا، مگر انہوں نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کر کے باندی بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا؟

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ

اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا، نکاح ایک معمولی بات ہے اور اس کی تفصیل کا موقع ازواجِ مطہراتؓ کا عنوان ہے، لیکن اس واقعہ مین ایسے حالات جمع ہوگئے جنھون نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا، عیسائی مورخون نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لئے ان کے نزدیک اور کوئی واقعہ بکار آمد نہین ہو سکتا،

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہین جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنون کو ہاتھ آتا ہے اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے متبنّٰی بنا لیا تھا جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو آپ نے اُن کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھیری بہن تھین، (اُن کی مان اُمیمہ، عبد المطلب کی بیٹی تھین) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی،

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یزوجھا زید بن حارثۃ مولاہ فکرھت ذلک[1]،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے غلام زید سے کردینا چاہا، تو انھون نے ناپسند کیا،

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ ابن ابی حاتم۔

لیکن بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہوگئین، قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح مین رہین لیکن دونون مین ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی، یہان تک کہ زید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر شکایت کی اور اُن کو طلاق دینا چاہا،

جاء زید بن حارثہ فقال یا	زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے
رسول اللہ ان زینب اشتد علی	اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی
لسانھا، وانا ارید ان اطلقھا[1]	کرتی ہین، اور مین اُن کو طلاق دینا چاہتا ہون

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اُن کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دین، قرآن مجید مین ہے:

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ	اور جبکہ تم اُس شخص سے جس پر خدانے اور تم نے
وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ	احسان کیا تھا، یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ (احزاب ۵)	مین لئے رہو، اور خدا سے خوف کرو،

لیکن کسی طرح صحبت برآر نہ ہو سکے، اور آخر حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دیدی حضرت زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن تھین اور آپ ہی کی تربیت مین پلی تھین، آپ کے فرمانے سے انھون نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا، جو اُن کے نزدیک اُن کے خلافِ شان تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مساواتِ اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس مین آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی، بہرحال جب وہ مطلقہ ہوگئین تو آپ نے اُن کی دلجوئی کے لئے خود اُن سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب مین اس وقت تک متبنی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگون کے خیال سے

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ روایت عبد الرزاق از معمر از قتادہ،

آپ تامل فرماتے تھے، لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی،

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ	اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ	خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگون سے
تَخْشَاهُ (احزاب)	ڈرتے ہو، حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہئے،

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا، اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنّیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے، مٹ گئی، اس پر منافقون اور بدگویون نے بہت طعنے دیئے، لیکن امر حق کے اجرا مین مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہے،

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفون نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، گو سرتاپا کذب و افترا ہے، لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انھون نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہان سے مستعار لی ہی،

تاریخ طبری[1] مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے، زید نہ تھے، حضرت زینبؓ کپڑے پہن رہی تھین، اسی حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے،

سُبْحَانَ اللهِ العَظِيمِ سُبْحَانَ اللهِ	پاک ہے خدائے برتر، پاک ہے وہ خدا
مُصَرِّفِ القُلُوبِ،	جو دلون کو پھیر دیتا ہے،

---

[1] تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ھ ہجری،

حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آگئی ہون تو مین اُن کو طلاق دیدون،

مین نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کرکے نقل کی ہے نقل کفر کفر نباشد، یہی روایت ہے جو عیسائی مورخون کا مایۂ استناد ہے، لیکن ان غریبون کو یہ معلوم نہین کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغگو ہے، اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتون سے یہ تھا کہ عباسیون کی عیش پرستی کے لئے سندہات آئے،

طبری کے علاوہ اور لوگون نے بھی اسی قسم کی بیہودہ روایتین نقل کی ہین، لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہین سمجھا کہ اُن سے تعرض کیا جائے، حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہین تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) مین جہان اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہین؛

وورد ت اثار اخری اخرجها	اور اور بہت سی روایتین آئی ہین جن کو
ابن ابی حاتم والطبری ونقلها	ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے
کثیر من المفسرین لاینبغی	اور اکثر مفسرین نے اُن کو نقل کر دیا ہو
التشاغل بها ،	ان روایتون مین مشغول نہ ہونا چاہیے،

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین مین ہین اپنی تفسیر مین لکھتے ہین:-

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر ههنا	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر
اثارا عن بعض السلف رضی اللہ عنهم	بعض اسلاف سے چند روایتین نقل کی ہین

اَحْبَبْنَا ان نضرب عنها صفحا لعدم	جن کو ہم اس لئے نظر انداز کر دینا چاہتے ہین
صحتها فلا نوردها وقد روی	کہ وہ غلط ہین، اور امام احمد نے بھی اس واقعہ
الامام احمد ھھنا ایضا من روایة	کے متعلق انس سے ایک روایت نقل کی
حماد بن زید عن ثابت عن انس	کی ہے جو غریب ہے، ہم نے اس کا
رضی الله عنه فیه غرابة ترکنا سیاقه	ذکر بھی چھوڑ دیا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت منافقون کا بہت زور تھا، حضرت عائشہؓ پر لوگون نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے منافقین ان خبرون کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھین، یہان تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے، جن کو شریعت کے موافق **قذف** کی سزا دی گئی، یہی روایتین ہین جو کبھی کبھی غیر محتاط کتابون مین باقی رہ گئیین، لیکن وہ محدثین جن کا معیارِ تحقیق بلند ہے اور عدالتِ روایت کے حاکمانِ مجاز ہین، مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ، اُن کے ہان ان روایتون کا ذکر تک نہیں آتا،

واقعات متفرقہ ۵ھ

اس سال کی تاریخ مذہبی مین سب سے اہم واقعات عورتون کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے، اب تک مسلمان عورتین عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھین، اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھین، اب حکم ہوا کہ شریف عورتین گھر سے نکلین تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کرین، جس سے منہ بھی چھپ جائے، آنچل سینہ پر ڈال کر چلین پانون جھنک جھنک کر نہ چلین، پردہ کی اوٹ سے بولین، تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولین، ازواجِ مطہراتؓ کے لئے غیر مردون کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا،

منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہ ناجائز تھا، اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی، عفیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا، اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لئے کوئی قانونی سپر نہ تھی، اس سال حد قذف نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تہمت اتہام جرم قرار دیا گیا، بصورت عدم وجود شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا، یعنی زن و شوہر دونوں اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغگوئی کا بحلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے[1]،

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں، اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا،

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے، بروایت صحیح نماز خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی)

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۰۰ و سیرت گازرونی قلمی، ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۱۲۔ نیز فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶، دیکھنا چاہئے، یہ تمام احکام سورۂ نور میں بتقریب واقعۂ افک ۵ھ میں نازل ہوئے،

سنہ ۶

صلحِ حدیبیہ و بیعتِ رضوان

ذوقعدہ سنہ ۶

مکۂ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہی جس کو حدیبیہ کہتے ہین، گانون بھی اسی کوئین کے نام سے مشہور ہوگیا، چونکہ معاہدۂ صلح یہین لکھا گیا اس لئے اس واقعہ کو صلحِ حدیبیہ کہتے ہین،

تاریخِ اسلام مین یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیون کا دیباچہ ہی، اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی، تاہم خدانے قرآن مجید مین اس کو فتح کا لقب دیا ہے،

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی، اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے،

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج - ۱۰) ابراہیم ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو شریعت ملی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی، بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی،

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج - ۱۰) تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب،

زمانہ کے امتداد سے گو اُنھی کی اولاد بت پرست بن گئی تھی تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہِ عام تھا، تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثۂ آبائی سمجھتا تھا، نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیم کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا، عرب کے قبائل سال بھر آپس مین لڑتے رہتے تھے اور یہی غارتگریان ان کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھین، کیونکہ اُن کی معاش بھی اسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہرِ حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیان بند ہو جاتی تھین، قبائلِ عرب دُور دُور سے سفر کر کے آتے اور اس قبلہ گاہِ عام مین عبادت اور عقیدت کے رسوم بجا لاتے تھے، وہ قبائل جن مین سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا، اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے، گویا بھائی بھائی ہین، مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہین گیا تھا اور نہ جا سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے، جس قدر اور قبائل کا ہے، ان کے ساتھ مکہ سے مسلمانون کو گوناگون تعلقات تھے، وہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا، مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت اُن کے کلیجے مین کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلالؓ مکہ مین اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے، اور پکار کر یہ اشعار[1] پڑھتے تھے،

اَلَا لَیْتَ شِعْرِی ھَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَۃً	آہ کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ مین مکہ کی وادی
بِوَادٍ وَحَوْلِی اِذْخِرٌ وَجَلِیْلُ	مین ایک رات بسر کرون اور میرے پاس اذخر
وَھَلْ اَرِدَنْ یَوْمًا مِیَاہَ مَجَنَّۃٍ	اور جلیل ہون، اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ مین مجنہ
وَھَلْ یَبْدُوَنْ لِی شَامَۃٌ وَطَفِیْلُ	کے چشمون پر اترون اور شامہ و طفیل مجھ کو دکھائی دین

[1] یہ اشعار صحیح بخاری مین مدینہ کے ذکر مین (باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ) بھی ہین

اکثر مہاجرین جان بچاکر نکل آئے تھے، لیکن خاندان اور بال بچے وہین رہ گئے تھے،

اسلام کے فرائض چہارگانہ مین حج کعبہ ایک رکنِ اعظم ہے، غرض مختلف اسباب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ[1] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے، یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار جو عرب مین سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے، اس مین بھی یہ شرط ہے کہ نیام مین بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے ۱۵۰۰ شخص اس سفر مین ہمرکاب ہوئے، مقام ذوالحلیفہ مین پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمین ادا ہوگئین، یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، ان کی گردنون مین قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیئے گئے

احتیاطاً کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ عسفان کے قریب پہنچا اس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کرکے کہدیا ہے کہ محمد مکہ مین کبھی نہین آسکتے،

غرض قریش نے بڑے زور و شور سے مقابلہ کی تیاری کی، قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا وہ جمعیت عظیم لے کر آئے، مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجین فراہم ہوئین، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہین لائے تھے دو سو سوار لے کر جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے،

[1] وساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ھشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہین اس لیے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوجِ اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی، تو خالد کو گھوڑون کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکرِ اسلام غمیم تک آ گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ مین پہنچکر مقام کیا، یہان پانی کی قلت تھی، ایک کنوان تھا وہ پہلے ہی آمد مین خالی ہو گیا لیکن اعجاز نبوی سے اس مین اس قدر پانی آ گیا کہ سب سیراب ہو گئے،

قبیلۂ خزاعہ نے اب تک اسلام نہین قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور رازدار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیسِ اعظم بُدیل بن ورقا تھے (فتح مکہ مین اسلام لائے) اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہِ نبوی مین حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجون کا سیلاب آ رہا ہے، وہ آپ کو کعبہ مین نہ جانے دینگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہدو کہ ہم عمرہ[1] کی غرض سے آئے ہین، لڑنا مقصود نہین جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے، ان کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدۂ صلح کر لین اور مجھ کو عرب کے ہاتھ مین چھوڑ دین اس پر بھی اگر وہ راضی نہین تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہو

[1] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہو جس مین حج کی اکثر رسمین ادا کی جاتی ہین، (یعنی اس مین حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہو اور بال منڈوایا کتروا جاتے ہین)

میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے"۔ بدیل نے جا کر قریش سے کہا کہ میں محمد کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں اجازت دو تو کہوں۔ چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ بدیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرطیں پیش کیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا "کیوں قریش! کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں"؟ بولے ہاں عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں۔ سب نے کہا نہیں۔ عروہ نے کہا "اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں محمد نے معقول شرطیں پیش کی ہیں"۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ قریش کا پیغام سنایا اور کہا "محمد فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی"۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ "کیا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے"۔ عروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا ابوبکر، عروہ کہنے لگے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے، جس کا بدلا ابھی تک میں ادا نہیں کر سکا۔

عروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہیں، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے، عروہ سے کہا "اپنا ہاتھ ہٹالے ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس

نہ جا سکے گا"۔ عروہ نے حضرت مغیرہؓ کو پہچانا اور کہا او دغاباز! کیا مین تیری دغابازی کے معاملہ مین تیرا کام نہین کر رہا ہون۔ (حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیے تھے، جن کا خونبہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جا کر کہا کہ مین نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہین، یہ عقیدت اور وارفتگی کہین نہین دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہین تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص اُن کی طرف نظر بھر کر نہین دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہین تو پانی جو گرتا ہے، اُس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھون ہاتھ لیتے ہین اور چہرہ اور ہاتھون مین مل لیتے ہین"

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خراشؓ بن اُمیہ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تھا مار ڈالا اور خود اُن پر بھی یہی گذرنے والی تھی، لیکن قبائلِ متحدہ کے لوگون نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے،

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانون پر حملہ آور ہو، لیکن یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے" گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا، آپ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دیدی، قرآن مجید کی اس آیت مین اسی واقعہ کی

(لہ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط) ص

طرف اشارہ ہے،

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ	اور وہی خدا ہے جس نے مکہ مین اُن لوگون
وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ	کا ہاتھ تم سے اور تمھارا ہاتھ اُن سے روک دیا،
مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ (فتح۳)	بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دیدیا تھا

بیعت رضوان

بالآخر آپ نے گفتگوے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا لیکن انھون نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہین اور مکہ مین میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہین کہ مجھ کو بچا سکے' آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت مین مکہ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے اُن کو نظر بند کرلیا، لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کرڈالے گئے، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، یہ کہہ کر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جن مین زن ومرد دونون شامل تھے ولولۂ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے، اس بیعت کا نام بیعۃ الرضوان ہے، سورۂ فتح مین اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے،

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ	خدا مسلمانون سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے
إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ	ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

لہ ان آیتون کی شان نزول مین سخت اختلاف ہے، لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے،

مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ‎(فتح - ۳)

سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگون کے دلون مین تھا، تو خدا نے اُن پر تسلی نازل کی اور عاجلانہ فتح دی.

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی،

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، چنانچہ لوگون نے ان کو "خطیبِ قریش" کا خطاب دیا تھا، قریش نے ان سے کہدیا صلح صرف اس شرط پر ہوسکتی ہے، کہ محمدؐ اس سال واپس چلے جائین،

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطون پر اتفاق ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کرین، حضرت علیؓ نے عنوان پر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھا، عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا مین "باسمک اللھم" لکھتے تھے: "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے وہ آشنا نہ تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا، آگے کا فقرہ تھا ھٰذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی "وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا" سہیل نے کہا "اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائین" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو لیکن خدا کی قسم مین خدا کا پیغمبر ہون،" یہ کہکر آپ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علیؓ سے

لہٰو زرقانی ج ۲ صفحہ ۲۲۳ ""

زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا، لیکن عالمِ محبت مین ایسے مقام بھی پیش آتے ہین جہان فرمابری سے انکار کرنا پڑتا ہے، حضرت علیؓ نے کہا مین ہرگز آپؐ کا نام نہ مٹاؤن گا، آپؐ نے فرمایا اچھا مجھ کو دکھاؤ، میرا نام کہان ہے، حضرت علیؓ نے اُس جگہ پر انگلی رکھدی، آپؐ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا نہین آتا تھا، اسی بنا پر آپؐ کو "امی" کہتے ہین، یہ واقعہ مسلم مین جہان منقول ہے، لکھا ہے کہ آپؐ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبد اللہ لکھدیا، بخاری مین چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے اس لئے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گذرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے، اس سے اُمیت مین فرق نہین آتا، بے شبہہ امی ہونا آپؐ کا فخر ہے اور خود قرآن مجید مین یہ وصف، شرف و عزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے، اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ، (اعراف - ۱۹)

شرائطِ صلح یہ تھے،

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائین،

۲- اگلے سال آئین اور صرف تین دن قیام کرکے چلے جائین،

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئین، صرف تلوار ساتھ لائین، وہ بھی نیام مین اور نیام بھی جُلبان

سلہ صحیح بخاری کی اس روایت مین حضرت علیؓ کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہین، یہ تصریح بخاری کی اس روایت مین ہے جو کہ کتاب المغازی باب عمرۃ القضا مین مذکور ہے، صحیح مسلم مین بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

(تھیلا وغیرہ) ہین،

۴۔ مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین ان مین سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائین، اور مسلمانون مین سے کوئی مکہ مین رہ جانا چاہے تو اُس کو نہ روکین،

۵۔ کافرون یا مسلمانون مین سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مین جائے[1] تو وہ واپس نہین کیا جائے گا،

۶۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے ساتھ چاہین معاہدہ مین شریک ہوجائین

یہ شرطین بظاہر مسلمانون کے سخت خلاف تھین، اتفاق یہ کہ عین اس وقت جبکہ معاہدہ لکھا جارہا تھا سہیل کے صاحبزادے حضرت ابوجندلؓ جو اسلام لاچکے تھے اور مکہ مین کافرون نے اُن کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے کسی طرح بھاگ کر پانون مین بیڑیان پہنے ہوئے آئے، اور سب کے سامنے گر پڑے، سہیل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے، اس (ابوجندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دیدو،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابھی معاہدہ قلمبند نہین ہو چکا" سہیل نے کہا "تو ہم کو صلح بھی منظور نہین"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ان کو یہین رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا، آپ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا، ابوجندلؓ کو کافرون نے اس قدر مارا تھا کہ اُن کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے، اور کہا، برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت مین دیکھنا چاہتے ہو؟ مین اسلام لاچکا ہون

[1] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح الحدیبیہ) مین بھی ہین،

کیا پھر مجھ کو کافرون کے ہاتھ مین دیتے ہو، تمام مسلمان تڑپ اُٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کرسکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہین ہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہون" حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہان ہم حق پر ہین، حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین مین یہ ذلت کیون گوارا کرین، آپ نے فرمایا "مین خدا کا پیغمبر ہون، اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہین کرسکتا، خدا میری مدد کرے گا" حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے یہ نہین فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کرین گے؟ آپ نے فرمایا "لیکن یہ تو نہین کہا تھا کہ اسی سال کرین گے" حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی، حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ پیغمبر خدا ہین جو کچھ کرتے ہین خدا کے حکم سے کرتے ہین[1]

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری مین اُن سے سرزد ہوئین تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لئے انھون نے نمازین پڑھین، روزے رکھے خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری مین اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے، لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتین گنائی ہین،

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا، ایک طرف (ظاہرین) اسلام کی توہین ہے، حضرت ابوجندلؓ بیڑیان پہنے ہ۱۴ سو جان نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہین، سب کے دل جوش سے برریز ہیں، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ ایما ہوجائے تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لئے موجود ہے۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہوچکے ہین اور ایفاے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوجندلؓ کی طرف

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط، ص ۔

دیکھا اور فرمایا:۔

یا ابا جندل اِصْبِرْ وَاحتسب فان اللّٰہ	ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا
جاعل لک ولمن معک من المستضعفین	تمھارے لئے اور مظلوموں کے لئے کوئی
فرجاً و مخرجاً انا قد عقدنا بیننا	راہ نکالے گا، صلح اب ہو چکی اور ہم
وبین القوم صلحا وانا لانغدر بھم (ابن ہشام)	ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کرسکتے۔

غرض حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں[1] ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انھوں نے کہا آپؐ کسی سے کچھ نہ فرمائیں، بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں، آپؐ نے باہر آکر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اُتارا،

صلح کے بعد تین دن تک آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا، پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ اتری:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا، (فتح۔۱)	ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

---

[1] کتاب الشروط، "س"

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے، خدا نے اس کو فتح کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟
ارشاد ہوا کہ ہان[1] صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہو گئی، اور مطمئن ہو گئے، نتائج مابعد نے
اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی،

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع
ہوئی، خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ مین آتے، مہینون قیام کرتے اور
مسلمانون سے ملتے جلتے تھے، باتون باتون مین اسلامی مسائل کا تذکرہ آ جاتا تھا، اس کے
ساتھ ہر مسلمان اخلاص، حسن عمل، نیکوکاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا، جو
مسلمان مکہ جاتے تھے اُن کی صورتین بھی مناظر پیش کرتی تھین، اس سے خود بخود کفار کے
دل اسلام کی طرف کھچے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لے کر فتح
مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہین لائے تھے، حضرت خالدؓ
(فاتح شام) اور حضرت عمرو بنؓ عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے،

معاہدۂ صلح مین یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائیگا،
اس مین صرف مرد داخل تھے عورتین نہ تھین، عورتون کے متعلق خاص یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ   مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتین ہجرت

[1] صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری مین نہایت تفصیل سے مذکور ہین لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے ذکر مین نہین بلکہ کتاب الشروط مین، اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے، غزوات مین جستہ جستہ واقعات ہین ہم نے ان کو بھی لیا ہے، باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابن ہشام سے ماخوذ ہین،

مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (ممتحنہ - ۲)	کر کے آئین تو اُن کو جانچ لو، خدا اُن کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہین تو اُن کو کافرون کے ہان واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتین کافرون کے قابل ہین اور نہ کافر اُن عورتون کے قابل ہین اور ان عورتون پر ان لوگون نے جو خرچ کیا ہو وہ تم اُن کو دیدو، اور تم اُن سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ اُن کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتون کو اپنے نکاح مین نہ رکھو

جو مسلمان مکہ مین مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار اُن کو سخت تکلیفین دیتے تھے، اس لئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اُسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہ رض سے فرمایا کہ واپس جاؤ، عتبہ نے عرض کی کہ کیا آپ مجھ کو کافرون کے پاس بھیجتے ہین کہ مجھ کو کفر پر مجبور کرین، آپ نے ارشاد فرمایا "خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا" حضرت عتبہ رض مجبوراً دو کافرون کی حراست مین واپس گئے، لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچکر انھون نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا اس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ساتھ ہی ابو بصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے

مجھ کو واپس کر دیا، اب آپؐ پر کوئی ذمہ داری نہین، یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص مین جو سمندر کے کنارے ذو مروہ کے پاس ہے رہنا اختیار کیا، مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگون کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے، تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہان آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی اور اب ان لوگون نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروان تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے، ان حملون مین جو مال غنیمت مل جاتا تھا، وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہین، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے، ہم اس سے تعرض نہ کرین گے، آپؐ نے آوارہ وطن مسلمانون کو لکھ بھیجا کہ یہان چلے آؤ، چنانچہ ابو جندلؓ اور اُن کے ساتھی مدینہ مین آ کر آباد ہو گئے اور کاروان قریش کا راستہ[1] بدستور کھل گیا،

مستورات مین سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھین اور مسلمان ہو چکی تھین، مدینہ ہجرت کر کے آئین لیکن ان کے ساتھ اُن کے دونون بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کو واپس دیدیجئے، آپؐ نے منظور نہین فرمایا، صحابہ مین سے جن لوگون کی ازواج مکہ مین رہ گئی تھین اور اب تک کافرہ تھین صحابہ نے ان کو طلاق دیدی،

---

[1] یہ تفصیل اکتفا، کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر) ۶ھ (یا شروع ۷ھ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے' اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا،" اَیُّھَا النَّاس! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے دیکھو حواریین عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو"۔ اس کے بعد آپؐ نے) قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر، اور رؤسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے۔ اور جن کے نام لے کر گئے اُن کی تفصیل یہ ہے:[1]

(حضرت) دحیہؓ کلبی،	قیصر روم،
(حضرت) عبد اللہؓ بن حذافہ سہمی،	خسرو پرویز کجکلاہِ ایران۔
(حضرت) حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ،	عزیز مصر،
(حضرت) عمروؓ بن امیہ	نجاشی بادشاہ حبش،
(حضرت) سلیط بن عمر بن عبد شمس؛	رؤسائے یمامہ ،

[1] طبری (ج ۳ ص ۱۵۵۹) تس؛ اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک) تس۔

(حضرت) شجاع بن وہب الاسدی رئیس حدودِ شام، حارث غسّانی،

ایرانیون نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کرکے رومیون کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّومُ مین ہے، ہرقل نے اُس کے انتقام کے لئے بڑے سروسامان سے فوجین تیار کین اور ایرانیون پر حملہ کرکے اُن کو سخت شکست دی تھی، اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہان چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے[1]،

شام مین عرب کا جو خاندان قیصر کے زیر حکومت رہا کرتا تھا وہ غسّانی خاندان تھا اور اس کا پایۂ تخت بصریٰ تھا جو دمشق کے علاقہ مین ہے اور آجکل حوران کہلاتا ہے، اس زمانہ مین اس خاندان کا تخت نشین حارث غسّانی تھا، دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک یہین بُصریٰ مین حارث غسّانی کو لاکر دیا، اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس مین بھیجدیا، قیصر کو خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجارِ عرب کے ساتھ غزہ مین مقیم تھے، قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جاکر لائے،

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا، خود تاج شاہی پہنکر تخت پر بیٹھا، تخت کے چارون طرف بطارقہ، قسیس اور رہبان کی صفین قائم کین، اہل عرب کی طرف مخاطب ہوکر

---

[1] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری (ج اوّل ص ۳۱) (تن) شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے، اصل صحیح بخاری (بخاری کیف کان بدء الوحی وکتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ) تن مین مجمل واقعہ ہے، زائد تفصیلین حافظ ابن حجر نے اور کتابون سے بڑھائی ہین،

کہا تم میں سے اس مدعیِ نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر مدعیِ نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان شریف ہے

قیصر اس خاندان مین کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان نہین،

قیصر اس خاندان مین کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان نہیں۔

قیصر جن لوگون نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہین یا صاحبِ اثر؟

ابوسفیان کمزور لوگ ہین،

قیصر اس کے پیرو بڑھ رہے ہین یا گھٹتے جاتے ہین؟

ابوسفیان بڑھتے جاتے ہین،

قیصر کبھی تم لوگون کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہوا؟

ابوسفیان نہین،

قیصر وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان ابھی تک تو نہین کی لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس مین دیکھین وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہین؟

قیصر — تم لوگون نے اس سے کبھی جنگ بھی کی؟

ابوسفیان — ہان،

قیصر — نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان — کبھی ہم غالب آئے، اور کبھی وہ،

قیصر — وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان — کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانون سے پیدا ہوتے ہین، تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہین کیا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان مین کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہین کہا، جو شخص آدمیون سے جھوٹ نہین بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزورون نے پیروی کی ہے، پیغمبرون کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہین، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہین کیا، پیغمبر کبھی فریب نہین کرتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقوی و عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا، مجھ کو یہ ضرور

خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب مین پیدا ہوگا، مین اگر وہان جاسکتا تو خود اُس کے پانون دھوتا۔

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خط پڑھا جائے،[1]

فرمانِ رسالت کے یہ الفاظ تھے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، من محمد	بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد کی طرف سے جو خدا کا
عبد اللہ ورسولہ الی ھرقل	بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے
عظیم الروم سلامٌ علی من	جو روم کا رئیس اعظم ہے، اس کو سلامتی ہو
اتبع الھدیٰ، امّا بعد فانی	جو ہدایت کا پیرو ہے، اس کے بعد مین تجھکو
ادعوک بدعایۃ الاسلام	اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہون، اسلام
اَسْلِمْ تَسْلَمْ یؤتک اللہ اجرک	لا تو سلامت رہیگا، خدا تجھ کو دوگنا اجر دیگا
مرتین فان تولیت فان علیک	اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے
اثم الاریسیین ویا اھل	اوپر ہوگا، اے اہل کتاب! ایک ایسی بات
الکتاب تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ	کی طرف آؤ جو ہم مین اور تم مین یکسان ہے
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ	وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجین
اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا	اور ہم مین سے کوئی کسی کو خدا کو چھوڑ کر
وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	خدا نہ بنائے، اور تم نہین مانتے

[1] یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین منقول ہے، ابتدائے کتاب مین بھی اور باب الجہاد مین بھی

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ؁ تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہین،

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اُس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا، اور گو اس کے دل مین نورِ اسلام آچکا تھا، لیکن تاج و تخت کی تاریکی مین وہ روشنی بجھ کر رہ گئی،

خسرو پرویز (شہنشاہ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک حضرت عبد اللہ بن حذافہ لے کر گئے تھے، یہ تھا:-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ من محمد	خدائے رحمٰن رحیم کے نام سے، محمد پیغمبر کی طرف
رسول اللہ الی کسریٰ عظیم	سے کسریٰ (رئیسِ فارس) کے نام سلام ہو
فارس سلام علی من اتبع الھدیٰ	اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو، اور خدا اور

لہ مسند ابن حنبل صفحہ ۴، جلد ۴ مین ہے کہ حضرت دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبوی مین بھیجا تھا، اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیے تھے، اس نے سوالات پوچھے آپ نے جوابات دیئے اور آخر بغیر اسلام لائے وہ واپس گیا لیکن یہ حدیث صحیح نہین، اس مین ہو کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو بلایا اور انھون نے پڑھ کر سنایا، حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہین لائے تھے، (جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری ج ۸ ص ۹۵ و زرقانی ج ۳ ص ۳۹۰ یہ واقعہ دوسرا ہو اور اسکے بعد کا ہو اور خود اس حدیث مین تصریح ہو کہ یہ تبوک کا واقعہ ہو، اور غزوۂ تبوک فتح مکہ کے بعد رجب ۹ھ مین پیش آیا ہو، اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک یا دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ مین مسلمان ہو چکے تھے، اگر تبوک مین حضرت معاویہؓ کی شرکت کہین مذکور نہین، یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبید القاسم بن سلام صفحہ ۲۵۵ مصر مین بھی موجود ہے) "س"

فَاٰمَنَ باللہ ورسولہ وشھد	پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ
ان لآ الہ الا اللہ وانی رسول اللہ	خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام
الی النّاس کافۃً لینذر من	دنیا کا پیغمبر مقرر کرکے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ
کان حیا اسلم تسلم فان ابیت	شخص کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر
فعلیك اثم المجوس ،	تو سلامت رہیگا، ورنہ مجوسیون کا وبال تیری گردن پر

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اس کی سلطنت مین دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہین ہوا تھا، عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان مین عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامۂ مبارک مین پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یون لکھتا ہے"، پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم کے پرزے اُڑ گئے۔

نظامی نے شیرین خسرو مین یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

دران دوران کہ گیتی رام او بود	ز مشرق تا بہ مغرب نام او بود
رسولِ ما بہ حجت ہاے ظاہر	نبوت در جہان می کرد ظاہر
گہے با سنگ خارا رازمی گفت	گہے ریگش حکایت بازمی گفت

لہ اس سے خسرو مراد ہے،

خلائق را ز دعوت جام در داد — بہ ہر کشور صلاے عام در داد

بفرمود از عطا عطرے سرشتند — بہ نام ہر یکے سطرے نوشتند

چو از نام نجاشی باز پرداخت — ز بہر نام خسرو نامۂ ساخت

چو قاصد عرضہ کرد آن نامۂ نو — بجوشید از غضب اندام خسرو

ز تیزی گشت ہر مویش سنانی — ز گرمی ہر رگش آتش فشانی

سوادے دید روشن ہیبت انگیز — نوشتہ از محمدؐ سوے پرویز

چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید — تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

غرور بادشاہی بردش از راہ — کہ گستاخی کہ یارد؟ با چو من شاہ

کرا زہرہ کہ با این احترامم — نویسد نام خود بالاے نامم

رُخ از گرمی چو آتش گاہِ خود کرد — بخود اندیشۂ بد کرد، و بد کرد

درید آن نامۂ گردن شکن را — نہ نامہ بلکہ نام خویشتن را

فرستادہ چو دید آن خشم ناکی — بہ رجعت پاے خود را کرد خاکی

ازان آتش کہ آن دودِ تہی داشت — چراغ آگہان[1] را آگہی داشت

ز گرمی آن چراغِ گردن افراز — دعا را داد چون پروانہ پرواز

عجم را زان دعا کسریٰ در افتاد — کلاہ از تارکِ کسریٰ در افتاد

زہے شاہنشہے کز بیم و اُمید — قلم رانده بر افریدون جمشید

---

[1] آگہان یعنی اربابِ علم چراغ آگہان سے "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں" آگہی داشت یعنی خبر کی

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامۂ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار مین لائے، باذان نے دو شخصون کو جن مین سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا، مدینہ منورہ روانہ کیا، ان دونون نے بارگاہِ رسالت مین آکر عرض کی کہ شاہنشاہ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے، اگر تعمیلِ حکم نہ کروگے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کردیگا، آپ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہدینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی[۱]، یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن مین آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کرڈالا،

نجاشی (بادشاہِ حبش) کو آپ نے دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا تھا اس کے جواب مین اس نے عریضہ بھیجا کہ "مین گواہی دیتا ہون کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہین" حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کرکے حبش چلے گئے تھے یہین موجود تھے، نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی؛ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبون کے ساتھ بارگاہِ رسالت مین عرضِ نیاز کے لئے بھیجا، لیکن جہاز سمندر مین ڈوب گیا، اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی[۲]،

عام اربابِ سیر لکھتے ہین کہ نجاشی نے ۹ھ مین وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ مین تشریف رکھتے تھے، اور یہ خبر سن کر آپ نے غائبانہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، لیکن یہ غلط ہے، صحیح مسلم مین تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نمازِ جنازہ آپ نے

[۱] طبری (ج ۳) ص ۱۵۷۲،
[۲] طبری ج ۳ ص ۱۵۶۹،

پڑھی وہ یہ نہ تھا، لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑے کو راوی کا وہم بتایا ہے[۱]

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، اُن میں حضرت اُمِّ حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہ کی بہن) بھی تھیں، اُن کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ اُمِّ حبیبہ کو شادی کا پیغام سنا دو، اور میرے پاس بھیجدو، نجاشی نے خالد بن سعید ابن العاص کو مقرر کیا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا، جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں، نکاح کے بعد حضرت اُمِّ حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں، اور مدینہ کے بندرگاہ میں اتریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت اُمِّ حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے،[۲]

عزیزِ مصر (مُقوقِس) کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا:-

لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس	محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف
عظیم القبط سلام علیک	سے سلام علیک کے بعد میں نے آپ کا خط
اما بعد فقد قرأت کتابک	پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا،
وفھمت ما ذکرت فیہ وما	مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے
تدعوا الیہ وقد علمت انّ	ہیں، لیکن میں یہ سمجھا تھا کہ وہ شام
نبیاً بقی وکنتُ اظن ان یخرج	میں ظہور کریں گے، میں نے آپ کے

(۱؎ زاد المعاد) ص ۔ ۲؎ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶۱ "ی"

من الشام وقد اکرمت رسولک	قاصد کی عزت کی اور دو لڑکیاں[1] بھیجتا ہون
وبعثت ایک بجاریتین لہما مکان	جن کی قبطیون مین (مصر کی قوم) بہت
من القبط عظیم وکسوۃ واھدیت ایک	عزت کی جاتی ہے، اور مین آپ کے لئے
بغلۃ لترکبھا والسلام علیک	کپڑا اور سواری کا ایک خچر بھیجتا ہون

باایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہین لایا، دو لڑکیان جو بھیجی تھین اُن مین ایک ماریہ قبطیہ تھین جو حرم نبوی مین داخل ہوئین، دوسری سیرین تھین جو حضرت حسانؓ کے مِلک مین آئین، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابون مین آتا ہے، جنگ حنین مین آپؐ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنین تھین اور حضرت حاطب رضؓ ابن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونون خاتونین خدمت نبوی مین پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھین، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ یہ خاتونین لونڈیان نہ تھین اور اسلام قبول کر چکی تھین، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم مین آئین،

(رؤسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ ابن علی رئیس یمامہ نے لکھا، تم جو باتین کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہین، اگر حکومت مین کچھ میرا بھی حصہ ہو تو مین تمہاری اقتدا کے لئے تیار ہون، اسلام ہوس ملک کے لئے نہین آیا تھا،

[1] ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے، عربی مین جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہین، اور لونڈی کو بھی، اور باب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہین، لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ مصریون مین بڑی عزت ہے، یہ لونڈیون کی شان مین استعمال نہین کئے جاسکتے،

آپؐ نے فرمایا، زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔"

حارث غسانی جو حدود دِ شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں میں حکومت کرتا تھا خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے، اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں[1]

واقعات متفرق ۶ھ
حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے، لیکن اجسام کی نہیں قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی، اُحد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ ان ہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملۂ کاری سے نہ بچ سکا صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا، راستہ میں حضرت عمروؓ بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں، آخر کب تک؟ حضرت عمرو بن العاص نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے[2]، اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف

---

[1] اور جن رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے تھے، ان کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئیگی) س۔
[2] اصابہ ابن حجر بروایت ابن اسحاق (ج اول ص ۴۱۳) س۔

ہو رہا تھا، اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا،

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے سے گذرے تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا خالدؓ ہیں، آپ نے فرمایا

"خدا کی تلوار ہے"[1]

غزوہ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، اور عبد اللہؓ بن رواحہ کے بعد حضرت

خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے،

عہد خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا

(عمرو بن العاصؓ) مصر کا فاتح ہوا)

---

[1] ترمذی. مناقب،

سنہ ۷ھ

خیبر

آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہین، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے، یورپین سیاحون مین ڈاوٹی کئی مہینہ تک یہان ۱۸۷۷ء مین مقیم رہا، اس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۲۰۰ میل لکھا ہے[1]، وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہان یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے، جن مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین،

عرب مین یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب رؤسائے بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر مین آباد ہوئے تو انھون نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا جس کا پہلا منظر احزاب کا معرکہ تھا، ان رؤسا مین سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ مین قتل ہوا جس کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا، یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا قبیلہ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی، اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے، سنہ ۶ھ مین سلام نے خود جا کر قبیلۂ غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلون کو اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا، یہان تک کہ ایک عظیم الشان

---

[1] مارگولیس صفحہ ۳۵۶ [2] ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائل عرب [3] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۵۴ باب غزوۂ خیبر

فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریان کین[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبرین معلوم ہوئین تو آپ کے

ایما سے (رمضان سنہ ۶ھ مین حضرت عبد اللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ

سے اپنے قلعہ خیبر مین سوتا ہوا مارا گیا) سلام کے بعد یہودیون نے اُسیر بن رزام کو مسند

ریاست پر بٹھایا، اس نے قبائل یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ میرے پیشرؤن نے

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کین وہ غلط تھین، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دار الریاست پر حملہ کیا جائے، اور مین یہی طریقہ اختیار کرونگا"

اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل مین دورہ کیا اور ایک فوجِ گران تیار کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے اس افواہ پر اعتماد نہین کیا، بلکہ حضرت

عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کرین، چنانچہ وہ چند آدمیون کو

لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیرین سنین، یہ حالات

آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کئے، آپ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو ۳۰

آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگون نے اُسیر سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے

بھیجا ہے کہ تم اگر حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر

---

[1] ابن سعد صفحہ ۶۶ - اصلی الفاظ یہ ہین :-

کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان ومن حوله من مشرکی العرب وجعل لهم الجعل العظیم لحرب رسول الله (ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کیلئے جمع کی)

دیکھو بخاری باب قتل ابی رافع مین ہو وکان ابو رافع یوذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعین علیہ یعنی ابو رافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اور آپکے دشمنون کو آپکے مقابلہ مین مدد دیا کرتا تھا، اس امداد و اعانت کی تفصیل مرو ابن عروہ فتح الباری (ج ۷، ص ۲۶۳) مین مفصل مذکور ہے (وزرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۹۲، مصر)"س"

خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچ کر اُسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہؓ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی، انھوں نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے، یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اُسیر زد پر آگیا تو تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے، نتیجۂ جنگ یہ تھا کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہیں بچا، یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے[1]؛

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی، جس نے واقعۂ احزاب میں مرکزِ اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی، لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔

جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ با اثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا، جو قبیلۂ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلا وطن ہو کر آیا تھا، اس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا،

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور اُن کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان

[1] یہ تمام واقعہ طبقات ابن سعد سے منقول ہے، بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن انیس نے خود جا کر تنہا اُسیر بن رزام کو قتل کر ڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے، ۱۲

تم سے سر بر نہین ہو سکتے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے چاہا کہ ان لوگون سے معاہدہ ہو جائے، اس بنا پر آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی، ادھر منافقین اُن کو اُبھارتے تھے، اسی زمانہ مین راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہین، لیکن تم ان سے نہ ڈرنا، ان کی ہستی کیا ہے، مٹھی بھر آدمی ہین، جن کے پاس ہتھیار تک نہین، یہود نے یہ سُن کر کنانہ اور ہودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دین گے: (ایک روایت مین ہے کہ) غطفان نے اس کو منظور کیا[1]

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہین تو وہ خود خیبر مین آئے کہ ہم تمہارے شریک ہو کر لڑین گے، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ تم خیبر والون کی مدد سے باز او، خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا، لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا[2]

---

[1] تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۳ عام روایتون مین گو یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانون کے خوف سے اس کو منظور نہین کیا، تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس ناطرفداری پر بھروسہ نہین کیا جا سکتا تھا، [2] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ جنفار کے ذیل مین موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے، اصل الفاظ یہ ہین:-

ذکر موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شہاب قال کانت بنو فزارۃ ممن قدم علی اھل خیبر لیعینھم ثم راسلھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یعینوھم وسأ لھم ان یخرجوا عنھم الخ

(ج ۳ ص ۱۵۲ مصر)

ذی قرد محرم سنہ | غطفان کی شرکت جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کا چراگاہ تھا، اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بسرداری عبدالرحمن ابن عیینہ) چھاپہ مارا، اور ۲۰ اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے، حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے (مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ میں گھس گئے، وہاں) عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا ان کی امداد کو موجود تھا) مسلمانوں میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے سب سے پہلے ان کو اس غارتگری کی خبر معلوم ہوئی، انھوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جالیا وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے، سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کئے، حملہ آور بھاگ نکلے، انھوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے، دربار نبوت میں آکر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں اگر ۱۰۰ آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہوں آپ نے رحمت عام کے لحاظ سے فرمایا۔

ملکت فاسجح ، قابو پاجاؤ تو عفو سے کام لو،

اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

لہ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی مذکور ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی گئی ہے تہ ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے، لیکن طبری نے بروایت سلمہ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے:-

فعلی ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر	تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہو وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہو،

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیازِ خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں، سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلانِ عام کر دیا کہ

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجھاد (ابن سعد) ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبِ جہاد ہوں

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغِ دعوت ہے، اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدِ راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے، نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے، صرف معاہدۂ صلح کافی ہے، جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں، لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے، خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا،

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی کہ ایک مدت تک لوگ[1] جہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۹) حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا، عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا اور یہ بالکل قرینِ قیاس ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۰ باب غزوۂ ذی قرد) اس عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہیں اس لئے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں، لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، (۱؎ یہاں "لوگ" سے مراد منافقین ہیں، یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے، جہاں سخت مقابلہ پیش آنے اور مالِ غنیمت

کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی نہیں
یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ
ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۷ھ
میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے ازواج
مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ ساتھ تھیں، فوج کی تعداد ۱۶۰۰ تھی جن میں ۲۰۰ سوار
اور باقی پیدل تھے، اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں
ہوتی تھیں، یہ پہلا مرتبہ تھا کہ آپ نے تین علم تیار کرائے، دو حضرت حباب بن منذر اور
حضرت سعد بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ
کی چادر سے تیار ہوا تھا جناب امیر کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامر
ابن الاکوع (جو) مشہور شاعر تھے، یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اللھم لولا انت ما اھتدینا	اے خدا! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
ولا تصدقنا ولا صلینا	نہ خیرات کرتے نہ روزہ رکھتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) نہ ملنے کا گمان ہوتا وہ ان غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے چنانچہ اسی وجہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک نہ کئے جائیں، اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمایا کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جن کی غرض محض جہاد اعلاء کلمۃ اللہ ہو، دنیا وی مال ومتاع نہ ہو۔ (زرقانی و ابن سعد باب غزوۂ خیبر) "س" (دملہ ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۷۰ میں جمادی الاولی ۷ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورۂ بالا صحیح نہیں) "س"

فاغفر فداء لک ما اتقینا | ہم تجھ پر فدا ہون، ہم جو احکام نہین بجا لائے
والقین سکینۃ علینا | ان کو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر
انا اذا صیح بنا اتینا | ہم جب فریاد مین پکارے جاتے ہین تو پہنچ
وثبت الاقدام ان لاقینا | جاتے ہین اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم
وبالصیاح عولوا علینا | رکھ، لوگون نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری مین نقل کئے ہین مسند ابن حنبل مین بعض اشعار[1] زیادہ ہین،

(پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) مین بھی ہین،

ان الذین قد بغوا علینا | جن لوگون نے ہم پر دست درازی کی ہے
اذا ارادوا فتنۃ ابینا | جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہین تو ہم ان سے
ونحن عن فضلک ما استغنینا | دبتے نہین اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہین

راہ مین ایک میدان آیا، صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے، چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات مین نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی ارشاد ہوا کہ آہستہ، کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہین پکار رہے ہو، تم جس کو پکارتے ہو وہ تمھارے پاس ہی ہے[2]،

اس غزوہ مین چند خاتونین بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہولی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ان اشعار مین صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنون کی طرف سے تھی، اشعار کے بعض بعض الفاظ مین روایات کا اختلاف ہے [2] صحیح بخاری غزوۂ خیبر،

کو معلوم ہوا تو آپ نے اُن کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ مین فرمایا تم کس کے ساتھ آئین اور کس کے حکم سے آئین؟ بولین کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس لئے آئے ہین کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کرین گے اور اس کام مین مدد دین گے، ہمارے پاس زخمیون کے لئے دوائین بھی ہین، اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لگایا، لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجورین تھین، تمام مجاہدین کو بھی ملا تھا، اور ان پردہ نشینون نے بھی پایا تھا،

یہ واقعہ ابو داؤد (باب فی المرأۃ والعبد یحذیان من الغنیمۃ) مین مذکور ہے، حدیث اور سیرت کی تمام کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات مین مستورات ساتھ رہتی تھین جو زخمیون کی مرہم پٹی کرتی اور پیاسون کو پانی پلاتی تھین، جنگ اُحد مین حضرت عائشہؓ کا مشک مین پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیون کو پلانا اوپر گذر چکا ہے، لیکن یہ امر کہ عورتین میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتی اور مجاہدین کو دیتی تھین، صرف ابو داؤد نے ذکر کیا ہے، لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے اس لئے شک کی گنجایش نہین، یون بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جا سکتی ہے،

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع مین فوجین اُتارین جو غطفان اور خیبر کے بیچ مین ہے، اسباب باربرداری، خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہان چھوڑ دی گئین[1] اور فوجین خیبر کی طرف بڑھین، غطفان یہ سنکر

[1] یہ تفصیل معجم البلدان (ج ۴ ص ۲۳۹) ذکر خیبر مین ہے۔

کہ اسلامی فوجین خیبر کی طرف بڑھ رہی ہین، ہتھیار سج کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب اُن کو معلوم ہوا کہ خود اُن کا گھر خطرہ مین ہے تو واپس چلے گئے[1]،

خیبر مین چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، شق، مربطہ اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے اُن مین بیس ہزار سپاہی موجود تھے[2]، ان سب مین قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا، مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کرلی تھی یہین رہتا تھا،

لشکرِ اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا مین پہنچا تو نمازِ عصر کا وقت آچکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہان ٹھہر کر نمازِ عصر ادا کی، پھر کھانا طلب فرمایا، رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ نے بھی پانی مین گھول کر نوش فرمایا[3]، رات ہوتے ہوتے فوجِ اسلام خیبر کے سواد مین پہنچ گئی عمارتین نظر آئین تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی،

انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ	اے خدا! ہم تجھ سے اس گانون کی اور گانو
وخیر اھلھا وخیر مافیھا	والون کی اور گانون کی چیزون کی بھلائی
ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا	چاہتے ہین اور اُن سب کی برائیون سے

[1] طبری (ج ۳) صفحہ ۱۵۷۵ اصل عبارت یہ ہے، فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جمعوا لہ ثم خرجوا لیظاھروا یہود علیہ حتی اذا ساروا الخ [2] تاریخ یعقوبی (ج ۲ صفحہ ۵۶) [3] صحیح بخاری،

وشرما فیہا. (ابن ہشام) پناہ مانگتے ہین،

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمول عام تھا یعنی جب کسی مقام مین داخل ہوتے تھے، تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے، چونکہ سنتِ نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہین کیا جاتا تھا اس لیے رات بہین بسر کی صبح کو خیبر مین داخلہ ہوا، یہودیون نے مستورات کو ایک محفوظ مقام مین پہنچا دیا اور رسد اور غلہ قلعۂ ناعم مین یکجا کیا اور فوجین قلعۂ نطاۃ اور قموص مین فراہم کین اسلام بن مشکم نضری بیمار تھا، تاہم اُس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور قلعۂ نطاۃ مین آکر فوج کی شرکت کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جنگ نہ تھا، لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس مین اس موقع پر لکھا ہے،

ولما تیقن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان	اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیقن
الیھود تحارب وعظ اصحابہ	ہوگیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہین تو آپ
ونصحھم وحرضھم علی الجھاد.	نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی،

سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر فوجین بڑھین، حضرت محمودؓ بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے لیکن چونکہ سخت گرمی تھی تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ مین بیٹھ گئے، کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ اُن کے سر

لہ صحیح بخاری مین اصل عبارت یہ ہے:۔ اذا اتی قوما بلیل لم یغز بھم حتی یصبح (باب غزوۂ خیبر)

گرایا جس کے صدمہ سے وفات پائی، لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا،[۱]

ناعم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعۂ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے، طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پانوں نہ جم سکے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی، لیکن فوج نے اُن کی نسبت خود بھی شکایت کی۔

اس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے اُس کے راوی عوف ہیں، ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب اُن کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا، یہ لفظ بہت سخت ہے، لیکن اُن کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے، شیعہ کی زبان سے اس روایت کا نتیجہ کیا رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، لیکن محدثین کو اس بات میں شبہہ ہے کہ اُن کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں،

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو

---

[۱] ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ الگ ٹکڑا لکھا ہے، یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل مین اُس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا،
اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہین[1]، یہ
رات نہایت اُمید اور انتظار کی رات تھی، صحابہؓ نے تمام رات اس بیقراری مین کاٹی کہ
دیکھئے یہ تاجِ فخر کس کے ہاتھ آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر
کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہین کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ مین مذکور ہے
اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا مین اُن کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی،
صبح کو دفعۃً یہ آواز کانون مین آئی کہ علیؓ کہان ہین؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ
جناب موصوف کی آنکھون مین آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور
ہین، غرض حسبِ طلب وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی آنکھون مین اپنا
لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی، جب اُن کو علم عنایت ہوا تو انھون نے عرض کی کہ کیا
یہود کو لڑکر مسلمان بنالین" ارشاد ہوا کہ "بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو، اگر ایک شخص
بھی تمھاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹون سے بہتر ہے[2]"
لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہین ہوسکتے تھے۔ مرحب
قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ مین مرحب ہون
شاکی السلاح بطل مجرّب	دلیر ہون، تجربہ کار ہون، سلاح پوش ہون

---

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہین [2] یہ واقعہ بتفصیل مذکور صحیح بخاری مین منقول ہے،

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ مین گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے، یہی خود کہلاتا تھا،

مرحب کے جواب مین حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	مین وہ ہون کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا
کلیث غابات کریہ المنظرہ	مین شیر نیستان کی طرح مہیب وبد منظر ہون

مرحب بڑے طمطراق سے آیا، لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اتر آئی، اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی،[۱] پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اس لیے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہین پھیلادین، معالم التنزیل مین ہے کہ "حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر روکا، لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپ نے قلعہ کا دَر جو سرتاپا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اُس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابورافع نے سات آدمیون کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا" یہ روایتین ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہین، لیکن بازاری قصے ہین، علامہ سخاوی نے مقاصدِ حسنہ مین تصریح کی ہے کہ

کلھا داھیۃ	سب لغو روایتین ہین،

---

[۱] طبری صفحہ ۱۵۷۹ (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوۂ خیبر مین بھی ہین)

علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین علی بن احمد فروخ کے حال مین اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے؛ ابن ہشام نے جن سلسلون سے یہ روایتین نقل کی ہین ان مین سے ایک روایت مین تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے مین اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہین، جن کو امام بخاری اور ابو داؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہین سمجھتے،

ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا، مسند ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم مین بھی ایک روایت ہے، لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ج ۲ ص ۳۹) مین حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے،

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہوگیا، ان معرکون مین ۹۳ یہود مارے گئے، جن مین حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر، زیادہ مشہور ہین، صحابہؓ مین سے ۱۵ بزرگون نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بہ تفصیل لکھے ہین،

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا، لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضے مین رہنے دی جائے ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرین گے، یہ درخواست منظور ہوئی، بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے تھے، وہ غلہ کو دو حصون مین تقسیم کرکے یہود سے کہتے تھے کہ اس مین سے جو حصہ چاہو لے لو، یہود اس عدل پر

لہ میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان،

متحیر ہوکر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں[1]۔ خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے تقسیم کردی گئی، اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس بھی تھا۔

عام روایت ہے کہ مالِ غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر کرلیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں، اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجۂ کنانہ بن الربیع) کو آپؐ نے لے لیا، اور آزاد کرکے اُن سے نکاح کرلیا۔

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث و سیر میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا، پھر کسی نے اُن کے حسن کی تعریف کی تو اُن سے مانگ لیا، اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں دیں۔ مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے، اور جب اصل روایت میں اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہانتک کام لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے، لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتیں ہیں اور وہ باہم مختلف ہیں۔ بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر میں ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگوں نے آپؐ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا آپؐ نے اُن کو اپنے لئے لے لیا، اصلی الفاظ یہ ہیں:-

فلما فتح الله عليه الحصن (جب خدا نے قلعہ فتح کرادیا تو لوگوں نے

[1] فتوح البلدان بلاذری (فتح خیبر) و طبری صفحہ ۱۵۰۹ (اصل روایت ابوداؤد باب المساقات میں موجود ہے)

ذکر لہ جمال صفیۃ بنت حیی بن اخطب وقد قتل زوجہا وکانت عروسا فاصطفاہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ ،

(آپ نے صفیہ بنت حیی کے حسن وجمال کی تعریف کی، اس کا شوہر اس جنگ میں مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند کرلیا)

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب ما یذکر فی الفخذ) (صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ) میں خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے، کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو، آپ نے اُن کو اختیار دیا کہ خود جاکر کوئی لونڈی لے لو، انھوں نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا، لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا، ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا،

یا نبی اللہ اعطیت دحیۃ صفیۃ بنت حیی سیدۃ قریظۃ والنضیر لا تصلح الا لک ،

(اے پیغمبر خدا! آپ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کیا، وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے اور آپکے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں)

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا،[۲] ابوداؤد میں یہ دونوں روایتیں ہیں اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں، ابوداؤد کی شرح میں مازری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو

(۱؎ صحیح مسلم جلد اصفحہ ۴۵۰ باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا)، ۲؎ (ابوداؤد باب ما جاء فی سہم الصفی)

اس لئے حضرت وحیہؓ سے لے کر ان سے عقد کیا کہ

لما فیہ من انتھا کھا مع مرتبتھا	چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں
وکونھا بنت سیدھم	اس لیے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین اس کے قریب قریب لکھا ہے،

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتین وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھین، اُن کا شوہر بھی قبیلۂ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونون قتل کئے جا چکے تھے، اس حالت مین اُن کی پاس خاطر، حفظِ مراتب اور رفع غم کے لئے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے عقد مین لے لیتے وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھین، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خاندانی عزت کے لحاظ سے اُن کو آزاد کر دیا اور پھر نکاح پڑھایا (بلکہ مسند ابن حنبل مین ہے کہ آپ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائین یا آپ کے نکاح مین آنا قبول کرین، انھون نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح مین آجائین[1]) حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزون اور بجا تھی، اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنون کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے،

غزوۂ بنی المصطلق مین حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کی

---

(1) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۳۸ (مصر) "س"

جو اثر ہوا وہ اوپر گذر چکا ہی،

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر مین قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی تاہم ان کا طرزِ عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی، آپ نے فرطِ کرم سے قبول فرمایا زینب نے کھانے مین زہر ملا دیا تھا، آپ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن حضرت بشر بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلا کر پوچھا، اس نے جرم کا اقبال کیا، یہود نے کہا ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہین تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہین ہین تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہین لیتے تھے، اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہین فرمایا، لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص مین قتل کر دی گئی،

ایک دفعہ صحابہ مین سے حضرت عبد اللہ بن سہیل اور حضرت محیصہ قحط سالی کے زمانہ مین خیبر گئے، یہود نے حضرت عبد اللہؓ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر مین ڈال دیا، حضرت محیصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیون نے قتل کیا؟ عرض کیا کہ حضورؐ وہ تو پچاس مسلمانون کو قتل کر کے بھی جھوٹی

تم کھالین گے، غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہین کیا، اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلادیا،[1]

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین یہود نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو سوتے مین کوٹھے پر سے گرادیا کہ ان کا ہاتھ اور پانون ٹوٹ گیا، اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیان کرتے رہتے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کے اضلاع مین جلاوطن کردیا (یہ جملۂ معترضہ سلسلۂ کلام مین آگیا تھا)

خیبر کے واقعات مین اربابِ سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابون مین منقول ہو کر متداول ہوگئی ہے یعنی یہ کہ اوّل آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائین گے، لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپ نے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ سختی کرکے اس سے خزانہ کا پتہ لگائین حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے، یہان تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی؛[2] بالآخر آپ نے کنانہ کو قتل کرادیا اور تمام یہودی لونڈی غلام بنالیے گئے،[3]

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کردیا گیا، لیکن اس کی وجہ یہ نہین کہ وہ خزانہ بتانے سے انکار کرتا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا طبری مین تصریح ہے،

[1] فتوح البلدان، بلاذری (ص ۲۰) اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی جلد اول صفحہ ۳۰۷ (باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک) [2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری مین مذکور ہے۔ ابن ہشام مین بھی اس کے قریب قریب ہے [3] فتوح البلدان بلاذری. (ص ۲۴)

ثمّ دفعه رسول اللّٰه الی محمّد	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ
بن مسلمة فضرب عنقه باخیه	کے حوالہ کیا اُنھون نے اپنے بھائی محمود
محمود بن مسلمة، (صفحہ ۱۵۸۲)	ابن مسلمہ کے قصاص مین اس کو قتل کردیا۔

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونون نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے، لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہین بتایا، محدثین نے رجال کی کتابون مین تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیون سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انہی روایتون مین سمجھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویون کا نام نہین لیتے،

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے، رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے،

وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہین کرتا، کیا چند سکون کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے؟

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا،[1] (بلکہ ایک روایت مین ہے کہ) اس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہوگا،[2]

کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اسکو دیا گیا تھا ٹوٹ گیا، کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو

[1] ابوداؤد باب حکم ارض خیبر، [2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر صفحہ ۷۱ سطر ۲۴،

قتل کیا تھا، اب اُس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا، جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے،

اب دیکھو اس روایت میں کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے،

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا، محمود بن مسلمہ کو اُسی نے قتل کیا تھا، اس لئے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا، اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد نے بکر بن عبد الرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے، اس میں کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہے، یعنی دونوں قتل کئے گئے،

فضرب اعنا قهما وسبیٰ	تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو قتل کرا دیا،
اهلیهما، [1]	ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا یا،

(۲) یہاں تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہے وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے، یعنی دونوں بھائیوں کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لئے گئے،

فلما وجد المال الذی غیبوه	تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انھوں نے اونٹ
فی مسک الجمل سبیٰ نساء هم [2]	کی کھال میں چھپا رکھا تھا تو ان کی عورتیں
	گرفتار کیں اور لونڈیاں بنا لیں،

لیکن جب یہ روایتیں محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہیں تو چھلکے اترتے جاتے

---

[1] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۱ سطر ۲۷، [2] طبقات ابن سعد غزوہ خیبر صفحہ ۸۰،

مین اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے یہود کا قتل اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہین کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت تک موجود تھا،

صحیح بخاری مین ہے،

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاہ	پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کرلیا تو
احد بنی ابی الحقیق فقال	ابو الحقیق کا ایک بیٹا انکے پاس آیا اور کہا کہ
یا امیر المؤمنین اتخرجنا	امیر المومنین آپ ہم کو نکالتے ہین حالانکہ
وقد اقرنا محمد و عاملنا علی	ہم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے رہنے دیا تھا،
الاموال۱	اور خراج پر معاملہ کیا تھا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد مین عام روایتون کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

ولم یقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد ابن
بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق	ابی الحقیق کے دونون بیٹون کے سوا اور
(ذکر غزوۂ خیبر)	کسی کو قتل نہین کیا،

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارتِ مذکورۂ بالا پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی،

۱؎ صحیح بخاری جلد اول مطبع مصطفائی صفحہ ۳۰۰، باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک،

ابوداؤد مین جہان ارضِ خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے، یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ابوداؤد مین لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا لڑائیون مین صرف ہوگیا، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا، یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص مین ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے،

مؤرخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفاے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم مین اور لوگ بھی شریک تھے اس لئے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا،

ایک ادبی نکتہ اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم مین پیش آیا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخین تھین، محرم مین لڑائی شرعاً ممنوع ہے، اس لیے محدثین اور فقہا مین اس کی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہے کہ اوائل مین البتہ ان مہینون مین لڑائی شرعاً ممنوع تھی، لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا، علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کے رو سے تھا،

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ	کہدو کہ اس مہینہ مین لڑنا بڑا گناہ ہے،
عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ، (بقرہ - ۲۷)	اور خدا کی راہ سے روکنا ہے،

پھر سورۂ مائدہ مین یہ آیت اُتری

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللّٰهِ	مسلمانو! خدا کی حد بندیون کی اور ماہِ حرام
وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ، (مائدہ - ۱)	کی بے حرمتی نہ کرو،

یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی، اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا، اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہوگیا،

وَلَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِهِ نَاسِخٌ لِحُكْمِهَا ،	اور خدا کی کتاب اور حدیث مین آنحضرت کے حکم کا کوئی ناسخ نہین،

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعتِ رضوان، یہ سب ماہِ حرام مین ہوئے تھے، اس لئے اگر ماہِ حرام مین لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کیونکر جائز رکھتے، حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہِ حرام مین ابتداءً جنگ کرنا حرام ہے، لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش دستی نہین کی تھی، بلکہ دفاع کیا گیا تھا، بیعتِ رضوان اس لئے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہوگئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا، طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی، بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا جس مین خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے، فتحِ حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی[1]،

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ مین وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نامنفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے اُستاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع

[1] زاد المعاد ذکر غزوۂ خیبر،

پر اشتباہ ہوا، انھون نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح مین لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لڑائیان کین سب دفاعی تھین صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہین، لیکن اگر علامۂ موصوف زیادہ استقصار کرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہین، بدر کا بیان اوپر گذر چکا ہے، خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریان کر چکے تھے،

تقسیم زمین خیبر کی زمین دو برابر حصون مین تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ مین شریک تھے، مساوی حصون مین تقسیم کیا گیا، کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی، دو سو سوار تھے، سوارون کو گھوڑون کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی، اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو حصے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصہ مین ایک حصہ آیا، جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا،[1]

ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل سھم واحد‌ھم — اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگون کی طرح ایک حصہ تھا،

ملکی حالت اور احکام فقہی خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے، اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب مین موجود تھے، لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہین رکھتے تھے، مشرکین اور یہود اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے

[1] فتوح البلدان بلاذری، ذکر غزوۂ خیبر (ابوداؤد حکم ارض خیبر مین ہے، النبی صلی اللہ علیہ وسلم معھم لہ سھم کسھم احدھم) "س"

لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر اُن مین اتحاد پیدا ہو گیا تھا، مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے، اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کنفس واحدۃ ہو گئے، خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا،

اب تک اسلام چارون طرف سے نرغہ کی حالت مین تھا، اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا، شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے حالات کے اقتضاء سے بتدریج آئے ہین، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی، خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیون سے نجات ملی، اُدھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اس بنا پر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے،

ارباب سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ مین عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل[1] ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تبلیغ کی، اُن کی تفصیل یہ ہے،

(۱) پنجہ سے شکار کرنے والے پرند حرام ہوے

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے،

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا،

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیون سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا، اب استبراء کی

---

[1] یہان نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہین ہے،

قید ہو گئی، یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہین،

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خرید نا حرام ہوا،

(۶) بعض روایتون مین ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ مین حرام ہوا،

وادی القریٰ اور فدک | تیمار اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس مین بہت سی بستیان آباد ہین، اس کو وادی القریٰ کہتے ہین، قدیم زمانہ مین عاد وثمود یہان آباد تھے، یاقوت نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ عاد وثمود کے آثارات اب بھی باقی ہین، اسلام سے پہلے ان بستیون مین یہود آکر آباد ہوئے اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی اور اب یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا[1]،

خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رخ کیا، لیکن لڑنا مقصود نہ تھا، مگر یہود پہلے سے تیار تھے، انھون نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محمل آپ کے غلام (حضرت مدعم) اتار رہے تھے، کہ ایک تیر آیا اور وہ جان بحق ہوئے[2]،
عام مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہین کیا ہے، لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے[3]،

وقد استقبلتنا یہود بالرمی	یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے
ولم نکن علی تعبئۃ،	نکلے اور ہم تیار نہ تھے،

بہر حال جنگ شروع ہو گئی، لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی، اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہو گئی،

[1] معجم البلدان لفظ قریٰ دج، ص ۳۴۴، [2] زرقانی بر موطا، [3] بحوالہ بیہقی باب الجہاد ذکر غلول (ج ۲ص ۲۱۳) شرح

ادائے عمرہ | صلح حدیبیہ مین قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مین آکر عمرہ ادا کرین گے اور تین دن قیام کرکے واپس چلے جائین گے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا، اور اعلان کرا دیا، کہ جو لوگ واقعہ حدیبیہ مین شریک تھے ان مین سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز ان لوگون کے جو اس اثنا مین مر چکے تھے، سب نے یہ سعادت حاصل کی،

معاہدہ مین شرط تھی کہ مسلمان مکہ مین آئین تو ہتھیار ساتھ نہ لائین، اس لئے اسلحۂ جنگ بطنِ یاجج مین جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیئے گئے، اور دو سو سوارون کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے[1]،

خلوابنی الکفار عن سبیله	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ،
الیوم نضربکم علی تنزیله	آج جو تم نے اتر نے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کرینگے،
ضربا یزیل الهام عن مقیله	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کر دے،
ویذهل الخلیل عن خلیله	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے،

صحابہ کا ہجوم غفیر ساتھ تھا، اور برسون کی دیرینہ تمنا، اور فرضِ مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا، اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانون کو مدینہ کی آب وہوا نے کمزور کر دیا ہے،

[1] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل مین نقل کیا ہے۔

اس بنا پر آپؐ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیرون مین اکڑتے ہوے چلین، عربی زبان مین اس کو "رمل" کہتے ہین، چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے،

اہلِ مکہ نے اگرچہ چار ناچار عمرہ کی اجازت دیدی تھی تاہم اُن کی آنکھین اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہین لاسکتی تھین، روساے قریش نے عموماً شہر خالی کردیا، اور پہاڑون پر چلے گئے، تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آے اور کہا "محمدؐ سے کہدو کہ شرط پوری ہوچکی اب مکہ سے نکل جائین" حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، آپؐ اسی وقت روانہ ہوگئے، چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہ جو مکہ مین رہ گئی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس "چچا چچا" کہتی دوڑی آئین، حضرت علیؓ نے ہاتھون مین اٹھالیا، لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود مین آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماء کی گود مین دیا، وہ امامہ کی خالہ تھین، پھر فرمایا کہ "خالہ ان کے برابر ہوتی ہے"

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ مین ان کے بھائی تھے لیکن انھون نے تعظیماً کہا (اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہؓ دونون رضاعی بھائی تھے) [2] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے، بعض زائد تفصیلین زرقانی سے لی گئی ہین، جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہین،

سنہ ۸ھ

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ سنہ ۸ھ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے اس طرف ہے، عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں[۱]، کثیر مشہور شاعر کہتا ہے،

صَوَارِمُ یجلوھا بِمُوتۃ صَیقلُ (وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے)

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا، عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمراں تھے اُن میں ایک شرحبیل بن عمرو بھی تھا، جو اسی علاقہ بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمراں تھا، یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے شرحبیل نے اُن کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زیدؓ بن حارثہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں[۲]، حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے، حضرت جعفر طیارؓ، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ معجم البلدان لفظ موتہ (ج ۸ ص ۱۹۰) ۲؎ صحیح بخاری غزوۂ موتہ،

کے مقرب خاص تھے، حضرت عبداللہ بن رضؓ رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے، اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفرؓ و حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ہوتے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہے، چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے[1] لیکن اسلام جس مساواتِ عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا، اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ "تم لوگوں نے ان کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے" چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہے،

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغِ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوتِ اسلام دی جائے[2]، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہارِ ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارثؓ بن عمیر نے ادائے فرض میں جان دی ہے، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے،

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی، ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائلِ عرب کی بے شمار فوج

[1] فتح الباری ج ۷، ص ۳۹۳ (تس) [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۹۳) (تس)

سے کرماب میں خیمہ زن ہوا، جو بلقار کے اضلاع میں ہے، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربارِ رسالت کو اطلاع دی جائے، اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولتِ شہادت[1] ہے جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے، غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا، حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے، ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پانون پر تلوار ماری کہ اس کی کونچین کٹ گئین، پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلوارون سے چور ہو کر گر پڑے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ مین نے ان کی لاش دیکھی تھی، تلوارون اور برچھیون[2] کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہین اٹھایا تھا، حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ مین لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری مین ہے کہ آٹھ تلوارین ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرین[3] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجون کو دشمن کی زد سے بچا لائے، جب یہ شکست[4] خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہلِ شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے ان کے چہرون پر خاک پھینکتے تھے کہ او فراریو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے،

[1] ابن ہشام غزوۂ موتہ

[2] صحیح بخاری (۳) صحیح بخاری غزوۂ موتہ) تس؛ (۴) مصنف نے یہان ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے، اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے، لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوۂ موتہ مین ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے از روے وحی فرمایا کہ پھر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا، حضرت جعفرؓ سے آپؐ کو خاص محبت تھی، ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپؐ مسجد مین جاکر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت مین ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفر کی مستورات رو رہی ہین اور ماتم کر رہی ہین، آپؐ نے منع کرا بھیجا وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا لیکن وہ باز نہین آتین، آپؐ نے دوبارہ بھیجا، وہ پھر گئے اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگون کی نہین چلتی، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تو ان کے منھ مین خاک بھر دو" یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری مین منقول ہے، صحیح بخاری مین یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منھ مین خاک ڈالنا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملے گی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۷) اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانون کے علم کو اپنے ہاتھ مین لیا اور اللہ تعالی نے مسلمانون کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح مین مختلف ہین، ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانون کو پوری فتح حاصل ہوئی، دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانون کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت مین ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے، تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ مین حاصل ہوئی، اور اس سے مال غنیمت بھی حاصل کیا، چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانون کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت مین اتنے بڑے لشکر کے حملون کو روک دیا اور بسلامت پیچھے ہٹ آئے، اس مقام پر فتح الباری، روض الانف سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہیئے، اسی طرح مسلمانون کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا مسلمانون نے ان کو فراری کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ نہین تم فراری نہین بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو، اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہین بلکہ ان کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا جو جلدی کرکے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری و روض الانف سہیلی و البدایہ ابن کثیر باب غزوہ موتہ) "س"

فتح مکہ

رمضان سنہ مطابق جنوری سنہ ۶۳۰ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا،

جانشین ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسّلام) کا سب سے مقدم فرض، توحید خالص کا احیا، اور حرم کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کے پے درپے حملون اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس برس تک اس فرض کو روک رکھا، صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لئے امن وامان قائم ہوگیا اور دلدادگان حرم ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے، لیکن معاہدہ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا، حلم وعفو وتحمل کی حد ہوچکی، اب وقت آگیا کہ آفتاب حق حجاب ہائے حائل کو چاک کرکے باہر نکل آئے،

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہوگئے تھے، اور ان کے حریف بنو بکر نے قریش سے محالفت کا معاہدہ کرلیا تھا، ان دونون حریفون میں مدت سے لڑائیان چلی آتی تھین، اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیان رک گئین اور اب تک رکی رہین، کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ مین صرف ہورہا تھا، صلح حدیبیہ نے لوگون کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور رؤسائے قریش نے علانیہ اُن کو مدد دی،

عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ، سُہیل بن عمرو، وغیرہ نے راتون کو صورتیں بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلوارین چلائین، خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مین پناہ لی، بنو بکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن اُن کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہین آسکتا، غرض عین حدود حرم مین خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف فرما تھے کہ دفعۃً یہ صدا بلند ہوئی،

لاھم انی ناشد محمدا	اے خدا! مین محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤن گا
حلف ابینا و ابیہ الاتلدا	جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان مین ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصرا عتدا	اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر، اور خدا
وادع عباد اللہ یاتوا مددا	کے بندون کو بلا، سب اعانت کیلئے حاضر ہونگے

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لے کر آئے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سنے تو آپ کو سخت رنج ہوا، تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطین پیش کین کہ ان مین سے کوئی منظور کیجائے،

(۱) مقتولون کا خونبہا دیا جائے،

(۲) قریش، بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائین،

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

---

[۱] طبری ص ۱۶۲۰ (ج ۳) (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۹۹ مین کچھ اور نام بھی ہین) [۲] طبقات ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۹۷ [۳]

قرظ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ صرف تیسری شرط منظور ہے۔[1] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھون نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائین۔ ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین درخواست کی، بارگاہِ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ مین ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانون پر ہاتھ رکھا، ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ مین نے دونون فریقون مین بیچ بچاؤ کرا دیا، تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ جناب سیّدہؓ نے فرمایا "بچون کو ان معاملات مین کیا دخل" بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجد نبوی مین جا کر اعلان کر دیا کہ مین نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔[2]

ابوسفیان نے مکہ مین جا کر لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا یہ نہ صلح ہو کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائین، نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریان کین، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئین، احتیاط کی گئی کہ اہلِ مکہ کو خبر نہ ہونے پائے،

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، انھون نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا

---

[1] زرقانی (ج ۲ ص ۳۲۷) نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے، تعجب ہو کہ مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو کم انداز کر گئے۔ [2] زرقانی علی المواہب ج ۲ صفحہ ۳۲۷)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریان کر رہے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی حضرت علیؓ (اور حضرت زبیرؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثدؓ غنوی) کو[1] بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائین، خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پیش ہوا، تو تمام لوگون کو حاطب کے افشاے راز پر حیرت ہوئی حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ "حکم ہو تو ان کی گردن اڑادون؟" لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا، عمر! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہدیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہین ہے، حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ مین تھے اور اُن کا کوئی حامی نہ تھا اس لئے انھون نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ مین اُن کے عزیزون کو ضرر نہ پہنچائین گے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا،

غرض ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا، دس ہزار آراستہ فوجین رکاب مین تھین، قبائل عرب راہ مین آکر ملتے جاتے تھے، مرالظہران پہنچکر لشکر نے پڑاؤ ڈالا اور فوجین دور دور تک پھیل گئین، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل، یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانون مین پڑ چکی تھی، تحقیق

---

(1) زرقانی علی المواہب ج ۲ صفحہ ۳۲۹ "س"

کے لئے انھون نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابو سفیان اور بدیل بن ورقا کو بھیجا، خیمہ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا، اس نے ابو سفیان کو دیکھ لیا، حضرت عمرؓ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے، تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہِ رسالت مین آکر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا، لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی، حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا، حضرت عباسؓ نے کہا "عمر! اگر یہ شخص تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ نہ فرمائین، آپ جس دن اسلام لائے تھے مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔

ابو سفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اُس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان مین سے ہر چیز اُس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی، لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی، اس نے ابو سفیان کے کان مین آہستہ سے کہا کہ خوف کا مقام نہین"۔

صحیح بخاری مین ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابو سفیان نے اسلام قبول کر لیا لیکن طبری وغیرہ مین اس اجمال کی تفصیل مین حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے،

---

[1] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہین مین نے ان کو بھی لے لیا ہے، بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین (۲ طبری ج ۳ ص ۱۶۳۲) "س"

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کیون ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہین آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہین؟

ابوسفیان — کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) — کیا اس مین کچھ شک ہی کہ مین خدا کا پیغمبر ہون،

ابوسفیان، — اس مین تو ذرا شبہہ ہے،

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو اُن کا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہین کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوۂ طائف مین اُن کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک مین وہ بھی جاتی رہی،

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پرے جاکر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھون سے دیکھین، کچھ دیر کے بعد دریاے اسلام مین تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجین جوش مارتی ہوئی بڑھین، سب سے پہلے غِفار کا پرچم نظر آیا، پھر جُہَینہ، (سعد بن) ہُذیم، سُلیم، ہتھیارون مین ڈوبے ہوے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتے تھے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھین خیرہ ہو گئین، ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعۃً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ مین علم لئے ہوئے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم — آج گھمسان کا دن ہے، آج کعبہ حلال

تشغل الکعبۃ، کردیا جائے گا،

سب سے اخیر کو کبۂ نبوی نمایاں ہوا، جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا، حضرت زبیرؓ بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ "حضورؐ نے سنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے"؟ ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے"! یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا عَلَم عبادہ سے لیکر اُن کے بیٹے کو دیدیا جائے،

مکہ پہنچ کر آپؐ نے حکم دیا کہ عِلمِ نبوی مقام حَجُون پر نصب کیا جائے، حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں[۱]،

اعلان کردیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈالدے گا، یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا، یا دروازہ بند کرے گا (یا خانۂ کعبہ مین داخل ہوجائے گا) اس کو امن دیا جائے گا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ تین صاحب (یعنی حضرت کُرزؓ بن جابر فہری، اور حضرت حُبَیشؓ بن اشعر اور حضرت سلمہؓ بن المیلا) نے شہادت پائی[۲]، حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳ لاشین چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالدؓ سے بازپرس کی، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"!

---

[۱] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے (۲) مصنف نے یہان حضرت عروہؓ کی روایت لی ہے جو گو صحیح بخاری مین ہے مگر مرسل ہے، صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری مین ہین ان کے مطابق صورت حال یہ ہے کہ حضرت خالدؓ مکہ کے زیرین حصہ سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالائی حصہ سے مکہ معظمہ مین داخل ہوئے، فتح الباری ج ۸ صفحہ ۸) "س" [۲] ان کی شہادت کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے،

لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور قیام کہان فرمائین گے؟ کیا اپنے قدیم مکان مین؟ شریعت مین مسلمان کافر کا وارث نہین ہو سکتا، ابو طالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُن کے صاحبزادے عقیل اُس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوے، انھون نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہان چھوڑا کہ اس مین اترون اس لئے مقام خیف مین ٹھہرون گا" جہان قریش نے (ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد وپیمان کیا تھا)

خدا کی شان، حرم محترم، جو خلیل بُت شکن کی یادگار تھا، اُس کے آغوش مین ۳۶۰ بت جاگزین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے،

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا،	حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی،

(۱) صحیح بخاری فتح مکہ مین حضرت اسامہ بن زید سے جو روایت ہے اس مین تصریح ہے کہ حضور نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا لیکن اس مین خیف کے قیام کا ذکر نہین لیکن جو روایت حضرت ابوہریرہ رضی سے ہے اس مین یہ تصریح ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور اس مین خیف کی تصریح ہے، ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے کہ ممکن ہے کہ دونون موقعون پر لوگون کے سوال پر یہ ارشاد فرمایا ہو (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۳ وجلد ۳ صفحہ ۳۶۰) (۲) ابن سعد (ص ۵۲) اس موقع پر اس پوری آیت پاک کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ مین ہے، صحیح بخاری فتح مکہ مین یہ الفاظ آئے ہین جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور اب باطل پھر نہ آئے گا) س"

عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے کعبہ مین داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیئے جائین، حضرت عمرؓ نے اندر
جاکر جس قدر تصویرین تھین وہ بھی مٹا دین، حرم ان آلایشون سے پاک ہوچکا تو آپ نے
عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے، کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا، آپؐ حضرت
بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوے اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت مین ہے کہ
آپ نے کعبہ کے اندر تکبیرین کہین لیکن نماز نہین ادا کی،

خطبۂ فتح شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہ احدیت کی
تقریر خلافت الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی جس کا خطاب صرف
اہل مکہ سے نہین، بلکہ تمام عالم سے تھا،

لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہین ہے اس کا
لہٗ صدق وعدہٗ ونصر عبدہٗ	کوئی شریک نہین ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا،
ھزم الاحزاب وحدہٗ الا کل	اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھون کو
مأثرۃ او دم او مال یدعی	تنہا توڑ دیا، ہان تمام مفاخر، تمام انتقامات
فھو تحت قدمی ھاتین الا	خونبہاے قدیم، تمام خونبہا، سب میرے قدمون کے
سدانة البیت وسقایة	نیچے ہین، صرف حرم کعبہ کی تولیت اور
الحاج	حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہین

لہ صحیح بخاری فتح مکہ،

یا معشر قریش اِنَّ اللہَ قد اَذہب	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور اور
عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمہا	نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام لوگ
بالاٰبآء، الناس من اٰدمَ واٰدمُ	آدم کی نسل سے ہین، اور آدم مٹی سے
من تُراب،	بنے ہین،

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

یآیھا النّاسُ اِنّا خلقنٰکم مِّن	لوگو! مین نے تم کو مرد اور عورت سے
ذکرٍ وّ انثٰی وجعلنٰکم شعوبًا	پیدا کیا اور تمھارے قبیلے اور خاندان
وّقبآئل لِتعارفوا اِنّ اکرمکم (حجرات)	بنائے کہ آپس مین ایک دوسرے سے
عند اللہِ اتقٰکم اِنّ اللہَ	پہچان لیے جاؤ، لیکن خدا کے نزدیک شریف
علیمٌ خبیرٌ، (ابن ہشام "مختصراً")	وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو، خدا دانا اور واقفکار ہے
اِنّ اللہَ ورسولہٗ حرّم بیعَ الخمرِ (بخاری)	خدانے شراب کی خرید و فروخت حرام کردی

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوتِ اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے اس لئے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی،

خطبہ کے اصولی مطالب عرب مین دستور تھا، کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اُس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا، یعنی اگر اُس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر مین مقتول کا نام لکھ جاتا اور سیکڑون برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مرچکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کو قتل کرتے تھے،

اسی طرح خونبہا کا مطالبہ بھی اَبَاعَنْ جَدٍّ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب مین سب سے بڑے فخر کی بات تھی۔ اس طرح اور اور بہت سی لغو باتین مفاخر قومی مین داخل ہوگئی تھین، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا۔ اور اس بنا پر آپ نے (اس طریق) انتقام، اور خونبہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ "مین نے ان کو پانون سے کچل دیا"۔

عرب اور تمام دنیا مین، نسل اور قوم و خاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم مین فرقِ مراتب قائم کئے گئے تھے، جس طرح ہندوون نے چار ذاتین قائم کین، اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانورون کا درجہ ہے، اور اس کے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک قدم آگے نہ بڑھنے پائے،

اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اُس نے تمام دنیا پر کیا، مساواتِ عام کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب و عجم، شریف و رذیل، شاہ و گدا، سب برابر ہین، ہر شخص ترقی کرکے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبّارانِ قریش سامنے تھے، ان مین وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے مین سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیون کے بادل برسایا کرتی تھین، وہ بھی تھے جن کی تیغ و سنان نے پیکرِ قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیان کی تھین، وہ بھی تھے جنھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ مین کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایڑیون کو لہو لُہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خونِ نبوت کے سوا،
کسی چیز سے بجھ نہین سکتی تھی وہ بھی تھے جن کے حملون کا سیلاب مدینہ کی دیوارون سے
آ آ کر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانون کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر اُن کے سینون پر آتشین
مہرین لگایا کرتے تھے،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ مین پوچھا تم کو
کچھ معلوم ہے؟ مین تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہون؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ — تو شریف بھائی ہے، اور شریف برادر زادہ ہے"

ارشاد ہوا،

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ — تم پر کچھ الزام نہین جاؤ تم سب آزاد ہو"

کفارِ مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت تھا کہ ان کو
ان کے حقوق دلائے جاتے، لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات
سے دست بردار ہو جائین،

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال نے بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، رہی سرکشِ
جو ابھی رام ہو چکے تھے، اُن کی آتشِ غیرت پھر مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "خدا
نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو دنیا سے اٹھا لیا"[1]

---

[1] ابن ہشام (حضرت عتاب بعد کو مسلمان ہوئے) "س"

ایک اور سردارِ قریش نے کہا آپ جیتا ہے کا[۱] ہے:

مقامِ صفا میں آپؐ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ اُن سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ مبارک ڈبو کر نکال[۲] لیتے تھے، آپؐ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا،

ان مستورات میں ہند بھی آئی، یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا، اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہن کر آئی، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے، بیعت کے وقت اُس نے (نہایت دلیری بلکہ گستاخی سے) باتیں کیں[۳] جو حسبِ ذیل ہیں:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،
ہند	یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	چوری نہ کرنا،
ہند	میں نے اپنے شوہر (ابوسفیان) کے

[۱] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید (ج ۲ ص ۱۰۵۳) ص [۲] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۲) ص [۳] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۳ مختصراً) ص

	مال مین سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہون، معلوم نہین یہ بھی جائز ہے یا نہین
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	اولاد کو قتل نہ کرنا۔
ہند	رَبَّیْنَاھُمْ صِغَاراً وَقَتَلْتَھُمْ کِبَاراً فَانْتَ وَھُمْ اَعْلَمُ ہم نے تو اپنے بچون کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو جنگِ بدر[1] مین آپنے اُن کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لین۔

رؤساے عرب مین دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، ان مین صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ رئیسِ عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامتِ امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچ کران کو واپس لائے، حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہین لائے[2]، (بعد کو مسلمان ہو گئے)

عبد اللہ بن زبعری عرب کے مشہور شاعر جو (پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجوین کہا کرتے تھے اور قرآن مجید پر نکتہ چینیان کرتے تھے، نجران بھاگ گئے، لیکن پھر آکر اسلام لائے[3] ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے، لیکن ان کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی، اور جا کر یمن سے لائین[4]، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہین کہ اُس کا جگر بند

---

[1] جنگِ بدر مین ہند کے لڑکے کافرون کے ساتھ شریک ہو کر رہے تھے، اور لڑکر مارے گئے تھے [2] طبری (ج ۳ ص ۱۶۴۹) [3] دیکھو اصابہ ذکر صفوان بن امیہ (ج ۲ ص ۱۸۱) [4] ابن ہشام [5] طبری ج ۳ ص ۱۶۴۲

کفر کی گود سے نکل کر اسلام کے آغوش مین آگیا، اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہین

اشتہار یان قتل

ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا، تاہم دس شخصون[1] کی نسبت حکم دیا کہ جہان ملین قتل کر دیے جائین، ان مین سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے اور قصاص مین قتل کئے گئے لیکن متعدد ایسے تھے کہ اُن کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مین ستایا کرتے تھے، یا آپ کی ہجو مین اشعار کہا کرتے تھے، ان مین سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھی،

---

(1) حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالون سے جمع کئے ہین، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاط ہین، عام ارباب سیرت نے دس شخصون کے نام لیے ہین، ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہین، ابو داؤد اور دارقطنی کی روایت مین صرف چھ ہین، بخاری مین صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے؛

عام روایت کے رو سے جن دس شخصون کی سزاے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے اور اُن کو معافی دے دی گئی، صرف چار شخص قتل ہوے، تین مرد اور ایک عورت، عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ حویرث بن نقید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ، ابن خطل اور ابن صبابہ دونون خونی مجرم تھے، ابن خطل نے جو اسلام لا چکا تھا اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر کے مرتد ہوگیا تھا، مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کرادی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام لا کر اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا، اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیون کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھین شرارت کی تھی اور ان دونو کو اونٹون سے گرا دینا چاہتا تھا حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا،

قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی، مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین گیت گایا کرتی تھی[1]

(1) دیکھو زرقانی ودیار بکری بمقام ذکر فتح مکہ)

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہین، اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا، کفارِ قریش مین سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذا مین نہین دین؟ باانہمہ انہی لوگون کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ انتم الطلقاء، جن لوگون کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے، حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ مین موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ذاتی انتقام نہین لیا، خیبر مین جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا اس کی نسبت لوگون نے دریافت بھی کیا کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا، ارشاد ہوا کہ نہین، خیبر کے کفرستان مین ایک یہودیہ زہر دے کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے جانبر ہوسکتی ہے تو حرم مین اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہین،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابلِ اعتبار رہ جاتا ہے، صحیح بخاری مین صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے[1] اور یہ عموماً مسلّم ہے کہ وہ قصاص مین قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا، باقی جن لوگون کی نسبت حکمِ قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتین صرف ابن اسحاق تک پہنچکر ختم ہوجاتی ہین، یعنی اصولِ حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابلِ اعتبار نہین، ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے، وہ ہم کتاب کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین،

---

(1) بخاری فتح مکہ)، س

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ مین پیش کی جا سکتی ہے وہ ابوداؤد کی روایت ہے[1]
جس مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصون کو کہین امن
نہین دیا جا سکتا، لیکن ابوداود نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کی
سند جیسی چاہیے مجھ کو نہین ملی[2]، پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی ہے (اور
شروع مین جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے
منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے
کہ "قوی نہین ہے"۔ اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے
کافی نہین، لیکن واقعہ جس درجہ اہم ہے اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت
کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے،

---

[1] ابوداؤد باب قتل الاسیر [2] ابوداؤد نے باب قتل الاسیر مین اس معنی کی تین روایتین درج کی ہین، پہلی وہ روایت ہے جس کا ذکر مصنف نے اخیر مین کیا ہے، یہ روایت احمد بن المفضل، اسباط بن نصر، سدی کبیر، مصعب بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے، اس مین چار مرد اور دو عورتون کے قتل کا حکم مذکور ہے، جن مین سے ایک ابن ابی سرح ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت مین لا کر پیش کیا، اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا، اس روایت مین احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینون پر علماے رجال نے جرحین کی ہین، اور خصوصاً اسباط ابن نصر پر اور زیادہ جرحین ہین، یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتدین اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی مین اس کو نقل کیا ہے، اس سلسلہ کے یہ تینون راوی شیعہ ہین اور حاکم نے مستدرک مین اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کر دیا ہے، ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبد الرحمان بن سعید مخزومی سے ہے کہ انھون نے اپنے دادا سے اور انھون نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردون اور دو عورتون کے بارہ مین فرمایا، کہ ان کو پناہ نہین دی جا سکتی، ان دو عورتون مین سے جو دونون مغنیہ لونڈیان تھین ایک مسلمان ہو گئی، اور ایک قتل کی گئی، اس روایت کے متعلق ابوداؤد

اس مین شبہ نہین کہ بعض سردارانِ قریش جو مخالفینِ اسلام کے پیشرو تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنکر مکہ سے بھاگ گئے، لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہے کہ وہ اس وجہ سے بھاگ گئے تھے کہ اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، ان اشتہاری مفرورین مین ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے، جو ابوجہل کے فرزند تھے، لیکن موطأے امام مالک مین جس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہین، یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے:

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ تھین، وہ فتحِ مکہ کے دن اسلام لائین، لیکن اُن کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئین اور اُن کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ مین آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر اُن سے بیعت لی"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲۵) لکھا ہے کہ مین نے اپنے شیخ ابو العلاء سے اس کی سند اچھی طرح سمجھی نہین، یہی روایت اسی سلسلہ سے دارقطنی اواخر کتاب الحج مین ہے، اس مین سند کے آخر مین یون ہے، عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انھون نے اپنے دادا سے یہ روایت سنی، اس سے ظاہر ہے کہ سند کے اسی حصہ مین ابوداؤد کو شک ہے، ابوداؤد کی تیسری روایت مین صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہے جو صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے بھی ثابت ہے، بیہقی نے حکم بن عبد الملک، قتادہ اور حضرت انس بن مالک سے ایک روایت کی ہے جس مین تین مرد اور ایک عورت یعنی چار شخصون کے قتل کا حکم ہے، تین مرد یہ ہین، ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا، عبداللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نذر مانی تھی مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی، اور ام سارہ وہی عورت ہے جو فتحِ مکہ سے پہلے مسلمانون کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی، (بقیہ)

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے، کہ جن لوگون کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہین کیے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہو کہ حنین کی لڑائی مین جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی، لشکرِ اسلام مین مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے، جو اُس وقت تک کافر تھے، اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ مین انہی کافرون کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانون کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے،

خزائنِ حرم | حرم مین نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا، لیکن مجسمہ جات اور تصویرین برباد کر دی گئین، ان مین حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی تصویر بھی تھی[1] جس سے لوگون نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ مین عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا، رنگین تصویرین جو دیوارون پر تھین مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے، اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے[2]،

مکہ معظمہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن تک رہا، جب یہان سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے، کہ لوگون کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائین،

فتح مکہ اور بت شکنی | فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا، کعبہ مین سیکڑون بُت تھے، جن مین ہبل بھی تھا، جو بت پرستون کا خدائے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت

---

[1] فتح الباری ذکر فتح مکہ [2] فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ازرقی مین بتفصیل یہ واقعات مذکور ہین)

کا تھا، اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا، سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا، خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا، اور عدنان کا پرپوتا تھا، ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر "لا" "و نعم" لکھا ہوا تھا، عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے اور "ہاں" یا "ناں" جو کچھ نکلتا اُس پر عمل کرتے، جنگِ اُحد میں ابو سفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا،

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں، ان میں سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزیٰ تھے، عزیٰ قریش کا اور لات اہلِ طائف کا معبود تھا، مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے، عزیٰ یہیں منصوب تھا، بنو شیبان اس کے متولی تھے، اہلِ عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑوں میں "لات" کے ہاں اور گرمیوں میں "عزیٰ" کے ہاں بسر کرتا ہے، عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجا لاتے تھے جو کعبہ میں بجا لاتے تھے، اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے،

مناۃ کا تخت گاہ مشلل تھا، جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے، وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا، ازد، غسان، اوس اور خزرج اُس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کیے تھے یہ اُن سب میں بالاتر تھا، اوس اور خزرج جب

سلہ معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی ؎۲ یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم صفحہ ۴۰۰ میں ہے،

کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے[1]،

قبیلۂ ہذیل کا بُت سُواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہاط مین تھا، یہ ایک پتھر تھا، اس کے متولی بنو لحیان تھے،

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن مین سارا عرب گرفتار تھا، اب ان کی بربادی کا وقت آچکا تھا، اور دفعۃً ہر جگہ خاک اڑنے لگی،

---

[1] معجم البلدان، ذکر مناۃ،

ہوازن وثقیف

غزوۂ حُنین، واوطاس، وطائف

شوال سنہ ۸ھ

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ

حنین حُنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے، یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں[1]، ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں،

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا، لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے، ان کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آگئے اور مکہ فتح ہوگیا، تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں، مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیشقدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا، لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا اُلٹا اثر پڑا، یہ قبیلے نہایت جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر

---

(1) یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے، مطلب یہ ہے کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے، ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے (س) (2) قاضی عیاض کی یہی رائے ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے (فتح الباری وزرقانی ذکر غزوۂ ہوازن واوطاس) (س) (3) صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد باب مقام النبی بمکہ)

غلبہ ہوتا جاتا تھا، یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے[1]، کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر (فتح مکہ کے بعد) ہوازن (اور ثقیف) کے رؤسا نے یہ سمجھ لیا کہ اب اُن کی باری ہے، اس لئے انھون نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس مین) قرار داد ہو گئی کہ (مسلمانون کے خلاف جو اس وقت مکہ مین جمع ہین) ایک عام حملہ کر دیا جائے،

(اس قرار داد کے مطابق یہ قبائل) بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتین ساتھ ہون گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانین دیدینگے،

اس معرکہ مین اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخین شریک تھین، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لئے انتخاب (تو) مالک بن عوف[2] (کیا گیا جو) قبیلۂ ہوازن کا رئیسِ اعظم تھا (لیکن مشیر کی حیثیت سے) دُرَید بن الصِّمّہ (کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو) عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جُشَم کا سردار تھا، اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ مین یادگار ہین، لیکن اس کی عمر سّو برس سے زیادہ ہو چکی تھی (صرف ہڈیون کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے

[1] مارگولیوس صاحب لکھتے ہین "حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی نہایت خائف تھے" [2] مالکؓ بن عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہوگئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جنگِ قادسیہ مین شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے، زرقانی ج ۳ ص ۶) س

شرکت کی درخواست کی، پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدانِ جنگ لائیں، اس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے، لوگون نے کہا "اوطاس" بولا کہ "ہان یہ مقام جنگ کے لئے موزون ہے، اس کی زمین نہ بہت سخت ہے، نہ اس قدر نرم کہ پانون دھنس جائین"۔ پھر پوچھا کہ "یہ بچون کے رونے کی آوازین کیسی آرہی ہین"۔ لوگون نے کہا کہ بچے اور عورتین ساتھ آئی ہین کہ کوئی شخص پانون پیچھے نہ ہٹائے"۔ بولا کہ "جب پانون اکھڑ جاتے ہین تو کوئی چیز روک نہین سکتی، میدانِ جنگ مین صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتون کی وجہ سے اور بھی ذلّت ہوگی"۔

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہین یا نہین" اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلون کا ایک شخص بھی میدانِ جنگ مین نہین تو کہا "اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے"۔ اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام مین فوجین جمع کی جائین اور وہین اعلانِ جنگ کیا جائے، لیکن مالک ابن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا، جوشِ شباب مین اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہوچکے، آپ کی عقل بے کار ہوچکی[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ مین) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بن کر حنین مین آئے اور کئی دن تک فوج مین رہ کر تمام حالات تحقیق کیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے۔ (ج ۳ ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۵۷) "س"

تیاریاں کین، رسد اور سامانِ جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے، نہایت دولتمند تھے، اُن سے تیس ہزار درہم قرض لیے، صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی مین مشہور تھا، لیکن اب تک اسلام نہین لایا تھا، اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے، اس نے سو زرہین اور اُن کے لوازمات پیش کیے[1]،

شوال ۸ھ مطابق جنوری فروری سنہ ۶۳۰ء مین اسلامی فوجین جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھین کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ "آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے"، لیکن بارگاہِ ایزدی مین یہ نازش پسند نہ تھی

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ	اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت
كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ	پر نازان تھے، لیکن وہ کچھ کام نہ آئی
شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ	زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی،
بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِيْنَ	پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے
ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى	اپنے رسول پر اور مسلمانون پر تسلی نازل
رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ	کی اور ایسی فوجین بھیجین جو تم نے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۱، اصابہ مین امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے، لیکن اس مین دس ہزار کی تعداد ہے، موطا مین ہے کہ جب آپ نے اس سے ہتھیار مانگے تو اُس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبرًا مانگتے ہو تو مین نہین دیتا)، آپ نے فرمایا جبرًا نہین طوعًا (ابوداؤد باب الضمانہ مین بھی اسی قسم کی روایت ہے)

جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	نہین دیکھین، اور کافرون کو عذاب دیا
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ (توبہ)	اور کافرون کی یہی سزا ہے۔

فتح کے بجائے دلہٗ اوّل مین مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقاے خاص مین سے بھی کوئی پہلو مین نہ تھا، حضرت ابو قتادہؓ جو شریک جنگ تھے

لہ لیکن اور رمایتون مین چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے، ان دونون روایتون کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقتون کے حالات ہین، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے تفصیل آگے آئے گی، (مصنف نے آیندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہین ہو سکا ہے، اس لیے تفصیل کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین چند باتین قابل تشریح ہین،

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے اوّل دلہ مین مسلمانون کی شکست تسلیم کی ہے، یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے، لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانون کو پہلے کامیابی ہوئی لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیراندازون نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانون کی صفون مین بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی، بخاری مین حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہین :-

وانا لما حملنا علیھم انکشفوا	اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر
فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا	پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ
بالسھام (بخاری غزوۂ حنین)	پڑے تو انھون نے ہم کو تیرون پر دھر لیا،

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب مین سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ مین کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہی ہوئے تھے، کہ مسلمانون کو عین جنگ مین دھوکا دین، چنانچہ صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ مین شریک تھین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ان طلقاء کو قتل کر دیجیے، انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے الفاظ یہ ہین،

اقتل من بعدنا من الطلقاء	ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجیے انھی نے
انھزموا بلک (غزوۃ النساء مع الرجال)	آپ کو شکست دلائی۔

ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے تو مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے، مین نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اُتر گئی، اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۴) امام نووی اس کی شرح مین لکھتے ہین :-

لم یحصل الفرار من جمیعھم وانما	سب لوگ نہین بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مؤلفۃ القلوب
فتحہ علیھم من فی قلبہ مرض من	مین جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس
مسلمۃ اھل مکۃ المؤلفۃ ومشرکیھا	جنگ مین شریک ہو گئے تھے اور جو اب تک
الذین لم یکونوا اسلموا وانما کانت	مسلمان نہین ہوئے تھے) انھون نے
ھزیمتھم فجأۃ لانصبابھم علیھم	بھاگنا شروع کیا تھا، اور یہ ناگہانی ہزیمت
دفعۃً واحدۃ ورشقھم بالسھام	اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنون نے ایک ساتھ
ولاختلاط اھل مکۃ معھم	تیرون کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج
ممن لم یستقر الایمان فی قلبہ	مین ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلون مین
وممن یتربص بالمسلمین	ایمان راسخ نہین ہوا تھا اور مسلمانون پر
الدوائر وفیھم نساء وصبیان	مصائب کے منتظر تھے، اس مین عورتین
خرجوا للغنیمۃ ، (غزوۂ حنین)	اور بچے بھی تھے جو غنیمت کے لئے آئے تھے

مورخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقاء کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہین وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہین کہ اہل مکہ اس جنگ مین مسلمانون کے ساتھ دل سے نہ تھے، (ج ۳ فتح ۱۶۶۰ لائیڈن)

متقدم مفسرون مین سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے ان الطلقاء انجفلوا یومئذ بالناس وجلوا عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، (ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۶۲)

عہد متوسط کے مفسرون مین سے ابو حیان اندلسی کے الفاظ یہ ہین :-

یقال ان الطلقاء من اھل مکۃ	کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقا، بھاگے تھے اور ان کا
فرّوا وقصدوا القاء الھزیمۃ	مقصد یہ تھا کہ مسلمانون کو شکست
فی المسلمین (بحر المحیط ج ۵ ص ۲۴)	ہو جائے،

ہو کر گر پڑا، اسی اثناء مین مین نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانون کا کیا حال ہے، بولے کہ قضاے الہٰی یہی تھی[1]،

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش مین جو حضرت خالدؓ کی افسری مین تھا، زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور مین اسلحۂ جنگ پہنکر بھی نہین آئے تھے، فوج مین دو ہزار طلقا یعنی وہ لوگ تھے، جو اب تک اسلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۵) متاخر مفسرون مین سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ توبہ مین یہ الفاظ لکھے ہین:

	ترجمہ	
وکان اوّل من انھزم الطلقاء		سب سے پہلے طلقا مکروفریب سے شکست کھا کر پیچھے
مکرًا منھم نکان ذٰلک سببا		ہٹ گئے، اس سے مسلمانون مین ترتیبی
لوقوع الخلل وھزیمۃ غیرھم		اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی،

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانون کی ایک جماعت ثابت قدم رہی،

اس سلسلہ مین بنا سے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہین:-
فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ" (لوگ پیچھے ہٹ گئے یہان تک کہ آپ تنہا رہ گئے) مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہان کوئی نہ تھا، اسی لئے اسی روایت مین حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہین کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو آواز دی تو انصار نے یہ الفاظ کہے، لبیک یارسول اللہ ابشر نحن معک! (ہم حاضر ہین یارسول اللہ آپؐ خوش ہین کہ ہم آپؐ کے پاس ہین) اسی باب مین حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے جس مین انصار کے الفاظ یہ ہین:- لبیک یارسول اللہ وسعدیک نحن بین یدیک (بخاری غزوۂ طائف) (ہم حاضر ہین یارسول اللہ ہم آپؐ کے سامنے ہین)

حافظ ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی اور رفقاے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ مین کی ہے،

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ حنین (ج ۲ ص ۶۱۸)، ص

[2] بخاری باب الجہاد (باب من صف اصحابہ عند الہزیمۃ ونزل عن دابتہ) "س"

نہین لائے تھے،[۱] ہوازن قدر اندازی مین تمام عرب مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، میدان جنگ مین ان کا ایک تیر بھی خالی نہین جاتا تھا،[۲] کفار نے معرکہ گاہ مین پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازون کے دستے پہاڑ کی گھاٹیون، کھوؤن اور درون مین جابجا جما دیئے تھے، فوجِ اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اُجالا بھی نہین ہوا تھا حملہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۶) ویجمع بین قولہ حتی بقی وحدہ وبین الاخبار الدالۃ علی انہ بقی معہ جماعۃ بان المراد بقی وحدہ متقدما علی العدو والذین ثبتوا معہ کانوا وراءہ (ج ۸ ص ۲۴ مصر)

اور اس قول مین کہ حضورؐ تنہا رہ گئے، اور ان واقعات مین جو اس پر دال ہین کہ حضورؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی تطبیق یہ ہے کہ حضورؐ دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام مین تھے اور جو آپؐ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپؐ کے پیچھے تھے،

دوسرے یہ کہ بخاری ہی مین حضرت براءؓ کی جو روایت ہے، اس مین حضرت براءؓ تصریح کرتے ہین کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، اور آپؐ کی سواری کی لگام تھامے تھے' (غزوۂ حنین بخاری)

مسلم مین حضرت عباسؓ کے پرزور الفاظ یہ ہین:- کہ مین نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضورؐ سے علٰحدگی اختیار نہین کی،

فلزمت انا وابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نفارقہ (مسلم غزوۂ حنین) صحیحین کی ان روایات کے سوا روایاتِ ذیل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت مین جو حکم بن عُتَیبہ سے مروی ہے چار آدمیون کا حضورؐ کی خدمت مین باقی رہنا بتایا گیا ہے، (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سو آدمی نہین باقی رہ گئے تھے، (ترمذی ابواب الجہاد باب ما جاء فی الثبات عند القتال)

(۱؎ مصنف کا یہ فقرہ واضح نہین ہے، مقصود یہ ہے کہ گو وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۳۰۵ فتح مکہ اور شرح مسلم نووی غزوہ ... الرجال مین ہے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہین ہوئے تھے، اس لئے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و ثبات ان مین اس وقت تک پیدا نہین ہوا تھا۔ [illegible] ۲؎ بخاری باب الجہاد (باب من قاد ...) ص)

میدان جنگ اس قدر نشیب مین تھا کہ پانون جم نہین سکتے تھے، حملہ آورون کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزارون فوجین ٹوٹ پڑین، ادھر کمینگاہون سے قدراندازون کے دستے نکل آئے اور تیرون کا مینھ برسا دیا، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے، صحیح بخاری مین ہے فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ[1]، یعنی سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے،

تیرون کا مینھ برس رہا تھا، بارہ[12] ہزار فوجین ہوا ہو گئی تھین، لیکن ایک پیکر مقدس

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳۷) (۳) مسند احمد (ج اول ص ۴۵۳) وحاکم مین حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہو کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے، (فتح الباری ج ۸ ص ۱)

(۴) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہو کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے، (زرقانی ج ۳ ص ۲۲) ابونعیم نے دلائل مین سو کی تفصیل بتلائی ہو کر تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۸ ص ۲۲)

(۵) ابن اسحاق کی روایت ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین، انصار اور اہل بیت مین سے حسب ذیل اصحاب موجود تھے،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ بن ابی سفیان بن حارث، حضرت فضلؓ بن عباس، حضرت ربیعہؓ بن حارث، حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت ایمنؓ بن ام ایمن

اس تفصیل کا حاصل یہ ہو کہ حضرت انسؓ کے الفاظ "بقی وحدہ" اپنے ظاہری معنی پر باقی نہین رہ سکتے، حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہو کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے، لیکن اسکی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والون کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہو؛ ورنہ حقیقت یہ نہ تھی،

دوسری روایات مین ثابت قدم رہنے والون مین جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مختلف توجیہین کی گئی ہین، (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۲۴) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہو کہ لوگ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد مین حضورؐ کے پاس پہنچنے لگے، یہانتک کہ خاصی جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہو گئی، اسی وجہ سے مختلف لوگون نے مختلف تعداد بتلائی ہے،

[1] ص" (۱) بخاری غزوہ طائف)

پا بہ جا تھا جو تنہا ایک فوج، ایک ملک، ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھا صلے اللہ علیہ وسلم،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا، یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہین" پھر آپ نے بائین جانب مڑکر پکارا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ سواری سے اُتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اُس کا پیغمبر ہون[1]"

بخاری کی دوسری روایت مین ہے،

انا النبی لا کذب	مین پیغمبر ہون، یہ جھوٹ نہین ہی،
انا ابن عبد المطلب	مین عبد المطلب کا بیٹا ہون،

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے، آپ نے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھون نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار	او گروہِ انصار،
یا اصحاب الشجرۃ	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اس پُر اثر آواز کا کانون مین پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگون کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑنہ سکے انھون نے زرہین پھینک دین اور گھوڑون سے کود پڑے، دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے اُن کے ہاتھون مین ہتھکڑیاں تھین، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن اُن کے ستر آدمی مارے گئے

[1] صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۶۲۱ غزوہ (طائف)

اور جب اُن کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے،

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس مین جمع ہوئی اور کچھ) طائف مین جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا،

اوطاس

درید بن الصمہ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس مین آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابوعامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لیے بھیجی (حضرت ابوعامرؓ درید کے بیٹے کے ہات سے مارے گئے اور علم اسلام اس کے ہاتھ مین تھا یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا[1]) درید ایک شتر پر ہودج مین سوار تھا، ربیعہ بنؓ رفیع نے اُس پر تلوار کا وار کیا لیکن اچٹ کر رہ گئی، اس نے کہا "تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہین دیئے" پھر کہا کہ "میرے محمل مین تلوار ہے نکال لو، اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ مین نے درید کو قتل کر دیا" ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤن کو آزاد کرایا تھا[2]۔

اسیران جنگ کی تعداد ہزارون سے زیادہ تھی، اُن مین حضرت شیماؓ بھی تھین جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھین، لوگون نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انھون نے کہا "مین تمھارے پیغمبر کی بہن ہون" لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، انھون نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن مین آپ نے دانت سے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۹۹) [2] طبری (ج ۳) صفحہ ۱۶۷۶ مطبوعہ یورپ،

کا نا تھا، یہ اس کا نشان ہے" فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھوں مین آنسو بھر آئے، اُن کے بیٹھنے کے لیے خود ردا ے مبارک بچھائی، محبت کی باتین کین، چند شتر اور بکریان عنایت فرمائیں، اور ارشاد کیا کہ "جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور گھر جانا چاہو تو وہان پہنچا دیا جائے" انھون نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئین۔

محاصرۂ طائف حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف مین جا کر پناہ گزین ہوئی، اور جنگ کی تیاریان شروع کین، طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہین کہ اس کے گرد، شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہان ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع، تمام عرب مین ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہ بن مسعود جو یہان کا رئیس تھا، ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اُس کو بیاہی تھی، کفارِ مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رؤسا پر اترتا، یہان کے لوگ فنِ جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جُرش (یمن کا ایک ضلع) مین جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ، ضبور، اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا[3]،

یہان ایک محفوظ قلعہ تھا، اہلِ شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا، چارون طرف منجنیقین اور جا بجا قدر انداز متعین کیے گئے[4]،

---

[1] طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری، (ج ۳ ص ۱۶۶۰) [2] طبری (ج ۳) ص ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ [3] تاریخ خمیس جلد دوم صفحہ ۱۲۲ و ابن سعد،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مالِ غنیمت اور اسیرانِ جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ مین محفوظ رکھے جائین، اور خود طائف کا عزم کیا، حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیئے گئے تھے، غرض محاصرہ ہوا، اور اسلام مین یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے، دبابہ پر اہلِ قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخین برسائین، اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آورون کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل ابن معاویہ کو بلا کر پوچھا کہ تمھاری کیا رائے ہے؟ انھون نے کہا، لومڑی بھٹ مین گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑلی جائے گی، لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہین، چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کی آپ ان کو بددعا دین، آپ نے یہ دعا دی[۱]،

اللھم اھد ثقیفا وائت بھم،	اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائین

تقسیم غنائم | محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے، غنیمت کا بیشمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار (سے زیادہ) بکریان اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی[۲]، اسیرانِ جنگ کے متعلق آپ نے انتظار کیا اُن کے عزیز و اقارب آئین تو اُن سے گفتگو کی جائے، لیکن کئی دن گذرنے پر کوئی نہ آیا، مالِ غنیمت کے پانچ حصے

---

[۱] ابن سعد جزء مغازی ص ۱۱۵ تا ص ۔ [۲] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۰) تا ص ۔

کئے گئے، چار حصے حسبِ قاعدہ اس فوج کو تقسیم کئے گئے، خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا گیا،

مکہ کے اکثر رؤسا جنھون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے، انھی کو قرآن مجید مین مولفۃ القلوب کہا ہے، قرآن مجید مین جہان زکوۃ کے مصارف بیان کئے ہین، ان لوگون کا نام بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگون کو نہایت فیاضانہ انعامات دیئے جن کی تفصیل یہ ہے،

ابوسفیان، مع اولاد،	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰۔ اوقیہ چاندی
حکیم بن حزام،	۲۰۰ اونٹ،
نُضَیر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰ اونٹ:
صفوان بن امیہ،	۱۰۰ اونٹ،
قیس بن عدی،	۱۰۰ اونٹ،
سہیل بن عمرو،	۱۰۰ اونٹ،
حویطب بن عبدالعزیٰ	۱۰۰ اونٹ،

(ان کے علاوہ تین غیر ملکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)

اَقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصن (فزاری)	۱۰۰ اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰ اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگون کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ مین جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھین، لیکن چونکہ سوارون کو تگنا حصہ ملتا تھا، اس لئے ہر سوار کے حصہ مین بارہ[3] اونٹ اور ایک سو بیس[1] بکریاں آئین[1]؛

جن لوگون پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا، بعضون نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ ہماری تلوارون سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہین[2]، بعض بولے کہ مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اورون کو ملتی ہے[3]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا، جس مین لوگ جمع ہوئے، آپ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگون نے عرض کی کہ "حضور! ہمارے سربرآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہین کہا، نوخیز نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے[4]" صحیح بخاری باب مناقب الانصار مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہین بولتے تھے انھون نے کہا "آپ نے جو سنا صحیح ہے"۔

آپ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت مین نہین مل سکتی، انصار کی طرف

---

(۱) طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۱۱۰ و زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۴۴) "س" (۲) صحیح بخاری غزوہ طائف (۳) صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی صفحہ ۶۲۱ (۴) صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ (باب غزوۂ طائف) "س"

خطاب فرما کر کہا:-

"کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی، تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کیا"

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ "خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے"

آپ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی،

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا کہ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں، اور تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لے کر اپنے گھر آؤ"

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہیں" اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیاں تر ہوگئیں، آپ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں بلکہ تالیفِ قلب[1] کے لئے دیا،

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائیں، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی

[1] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ (باب غزوۂ طائف) و فتح الباری ج ۸ صفحہ ۴۲ تا ۴۸ صحیح بخاری و فتح الباری میں پوری تفصیل فتح الباری میں ہے،

رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھیں، رئیسِ قبیلہ (زُہیر بن صُرد) نے کھڑے ہوکر تقریر کی،
اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتیں چھپروں میں محبوس ہیں، انہی میں
تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں، خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب میں سے کسی نے ہمارے
خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں، اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات
ہیں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خاندانِ عبد المطلب کا جس قدر حصہ ہو وہ تمہارا ہی لیکن
عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو"
نمازِ ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو
صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے، لیکن میں تمام مسلمان سے اُن کے لئے سفارش کرتا ہوں"
مہاجرین اور انصار بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار دفعتہً آزاد تھے،[۱]

واقعات متفرقہ (حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچّہ سے نہایت محبت تھی؛
ڈیڑھ سال (۱۷، یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا، جس دن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن
ہوا، عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے،
لوگوں نے سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع
کر کے خطبہ دیا کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت ہیں، کسی کے مرنے اور جینے سے اُن میں
گرہن نہیں لگتا" اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی،[۲]
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا)

[۱] طبری ج ۳ ص ۱۶۷۶ [۲] بخاری باب کسوف،

سنہ ۹ ھ

واقعۂ ایلاء و تخییر و غزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر سنہ ۹ ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو دو مہینے گھر مین آگ نہین جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدۃ العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہین ہوا،

ازواجِ مطہرات اس جنسِ لطیف مین شامل تھین جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے، اور گو شرفِ صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا، تاہم بشریت بالکل معدوم نہین ہو سکتی تھی، خصوصاً وہ دیکھتی تھین کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے، ان واقعات کا اقتضا تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا،

(۱) بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ ذوالحجہ سنہ ۵ ھ کا واقعہ ہے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتون مین یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے، لیکن آگے چل کر حضرت عمرؓ کی روایت مین مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانون مین اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جس کی اطلاع پہلے ... ہو چکی تھی، غسان کا حملہ سنہ ۹ ھ مین ہونے والا تھا، حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل سنہ ۹ ھ کا واقعہ ہے۔ (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۰) "س"

ازواج مطہرات مین بڑے بڑے گھرانون کی خاتونین تھین، حضرت ام حبیبہؓ تھین جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھین، حضرت جویریہؓ تھین جو قبیلۂ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھین، حضرت صفیہؓ تھین جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا، حضرت عائشہؓ تھین جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھین، حضرت حفصہؓ تھین جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے، بشریت کے اقتضا سے اُن مین منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ مین اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترا نمی پسندم کی حد تک تھی۔

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہین سے شہد آگیا تھا انھون نے آپ کے سامنے پیش کیا، آپ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپ نے نوش فرمایا، اس مین وقت مقررہ سے دیر ہوگئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا، حضرت حفصہؓ سے کہا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمھارے گھر مین آئین تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے، (مغافیر کے پھولون سے شہد کی مکھیان رس چوستی ہین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ مین شہد نہ کھاؤن گا، اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ	اے پیغمبر! اپنی بیویون کی خوشی کے لئے
لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (تحریم-۱)	تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیون کرتے ہو،

ازواج مطہرات بھی شریک تھین، اور جس نے اول اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہؓ تھین

۱ صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق مین زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جس مین یہ بھی ہے کہ اس تدبیر مین اور

علامۂ عینی نے بخاری کی شرح مین لکھا ہے،

فان قلت کیف جاز لعائشة	اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت
وحفصة الکذب والمواطأة	حفصہ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت صلی اللہ
التی فیھا ایذاء رسول اللہ	علیہ وسلم کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز
صلی اللہ علیہ وسلم قلت کانت عائشة	تھا، تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ
صغیرة مع انھا وقعت منھا	کمسن تھین اس کے علاوہ ان کا مقصود
من غیر قصد الایذاء بل	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا نہین تھا
علی ما ھو من جبلة النساء	بلکہ جیسا کہ عورتین اپنی سوکنون کے مقابلہ
فی الغیرة علی الضرائر	مین رشک سے تدبیرین اختیار کرتی ہین
(تفسیر سورۂ تحریم)	اس طرح کی ایک تدبیر تھی،

لیکن علامۂ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے، اوّل تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ مین ہے جو ۹ھ مین واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہ سترہ برس کی ہو چکی تھین، دوسرے حضرت عائشہ کمسن تھین لیکن اور ازواج مطہرات جو اس مین شریک ہوئین وہ تو پوری عمر کی تھین، خود حضرت حفصہ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی،

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی، تمام روایتون سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو

برداشت نہین فرما سکتے تھے، مغافیر کے پھولون مین اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہین، البتہ ازواج مطہرات کا ایکا کرنا بہ ظاہر محلِ اعتراض ہو سکتا ہے، لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہین کہ ازواجِ مطہرات معصوم تھین یا اپنے انجاحِ مقصد کے لئے جائز وسائل نہین اختیار کرتی تھین، اسی زمانہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انھون نے حضرت عائشہؓ سے کہدیا، اس پر یہ آیت اتری،

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویون سے
حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ	راز کی بات کہی اور انھون نے فاش کردی
اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ	اور خدا نے پیغبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے
عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ	اس کا کچھ حصہ اُن سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا،
قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ ھٰذَا قَالَ	پھر جب اُن سے کہا تو انھون نے کہا کہ
نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ،	آپ کو کس نے خبر دی پیغمبر نے کہا مجھ کو
(تحریم-۱)	خدائے عالم خبیر نے خبر دی،

شکر رنجیان بڑھتی گئین اور حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا، یعنی دونون نے اس پر اتفاق کیا کہ دونون مل کر زور ڈالین، اس پر حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ کی شان مین یہ آیتین اترین،

(سلہ مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۹) "س" سلہ عمدۃ القاری ج ۹ ص ۳۳۶) "س"

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ	اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے
قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ	دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے (یعنی
فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ	رسول اللہ) کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ	اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور سب کے
بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ (سورۂ تحریم-۱)	بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں،

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواجِ مطہراتؓ شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے، اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساقِ مبارک پر زخم آیا، آپؐ نے بالاخانہ[1] پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دی، اس کے بعد جو واقعات پیش آئے اُن کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں، کہ انھوں نے دلچسپ اور پُر اثر

---

(1) بالاخانہ کے لئے احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہے، مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربۂ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے، اسی لئے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالاخانہ تھا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، مشربۂ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا، حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح میں موجود ہے اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے، اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا۔ حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبویؐ سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے، ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا جو مسجد نبویؐ ہی سے متصل دیگر ازواج مطہرات کے حجروں کے برابر تھا، (ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود) س،

تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس بیان مین کچھ ابتدائی واقعات بھی آگئے ہین جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے،

حضرت عمرؓ فرماتے ہین کہ مین اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے، اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ دے کر ہم دونون خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کرتے تھے.

قریش کے لوگ عورتون پر قابو رکھتے تھے، اور اُن پر غالب رہتے تھے، لیکن جب مدینہ مین آئے تو یہان انصار کی عورتین مردون پر غالب تھین، ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتون نے بھی ان کی تقلید شروع کی، ایک دن مین نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا انھون نے الٹ کر جواب دیا، مین نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولین تم کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویان اُن کو برابر کا جواب دیتی ہین، یہان تک کہ دن بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہین، مین نے دل مین کہا، غضب ہو گیا، اُٹھ کر حفصہ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے، حفصہ نے اقرار کیا، مین نے کہا تجھ کو یہ خیال نہین کہ رسولؐ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا خیال فرماتے ہین ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے، پھر حضرت ام سلمہؓ

۱؎ یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم مین باختلاف عبارت منقول ہے، صحیح مسلم باب النکاح مین بھی کئی طریق سے مذکور ہے، ان روایتون مین باہم جزئیات مین اختلاف ہے، ہم نے تا امکان سب روایتون کو جمع کیا ہے،

کے پاس گیا اور اُن سے بھی یہی شکایت کی. بولین کہ عمر! تم ہر معاملہ مین دخل دینے لگے، یہان تک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج کے معاملات مین بھی دخل دیتے ہو: مین چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا"

"کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے، اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا، مین گھبرا کر اٹھا اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انھون نے کہا غضب ہو گیا، مین نے کہا کیا غسانی[1] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہین، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، مین صبح کو مدینہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ مین تنہا جا کر بیٹھ گئے، مین حفصہ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے، مین نے کہا "مین نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، حفصہ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی مین آیا، دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہین، مین ان کے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہین ہوتا تھا. اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہین دیا، مین اٹھ کر پھر مسجد مین چلا آیا، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی، جب کچھ جواب نہین ملا تو مین نے پکار کر کہا رباح! میرے لئے اذن مانگ، شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہو

[1] غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام مین رومیون کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا، وہ رومیون کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریان کر رہا تھا،

مین حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہون، خدا کی قسم، رسول اللہ فرمائین تو حفصہ کی گردن اڑادون،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپؐ کھری چارپائی[1] پر لیٹے ہین اور
جسم مبارک پر بانون کے نشان پڑ گئے ہین ادھر اُودھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر
جو رکھے ہوے تھے، ایک کونے مین کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی، میری
آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب پوچھا، مین نے عرض
کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا، قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے
ہین، اور آپ پیغمبر ہو کر آپؐ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی
نہین کہ قیصر و کسریٰ دنیا لین، اور ہم آخرت"۔

مین نے عرض کی کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ آپؐ نے فرمایا "نہین"
مین اللہ اکبر پکار اٹھا، پھر عرض کی، کہ مسجد مین تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہین اجازت ہو تو جا کر
خبر کردون کہ واقعہ غلط ہے، چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تھا،[2] آپؐ
بالاخانہ سے اتر آئے اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی، اس کے بعد آیتِ تخییر نازل ہوئی،

---

(۱) بعض روایتون مین حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے اور بعض مین سریر (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بُنی جاتی ہے اس سے بُنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۱)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے، حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہین ان کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے، اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسوین روز کا واقعہ ہے، مصنف مرحوم نے آخری فقرون کا لحاظ کیا ہے، اور بظاہر اس کو انتیسوین روز کا واقعہ سمجھا ہے، لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے

يَآ اَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ (اے پیغمبر اپنی بیویون سے کہدے کہ اگر
اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ مطلوب ہے تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے
اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا وَاِنْ دے کر بہ طریق احسن رخصت کردون اور
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے
وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ تو خدا نے تم مین سے نیکو کارون کے لئے
لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا. (احزاب) بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواجِ مطہرات کو مطلع فرمادین کہ دو چیزین تمہارے سامنے ہین، دنیا اور آخرت، اگر تم چاہتی ہو تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردون، اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نکوکارون کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہوچکا تھا۔ آپ بالاخانہ سے اُترے، اور چونکہ ان تمام معاملات مین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیش پیش تھین اُن کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا، انھون نے کہا مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵۴) کہ ۲۹ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور صحابہ کو واقعۂ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی، حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہین کرسکتا۔ اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے، لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے، راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا، بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها اور کتاب اللباس باب ماکان یتجوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللباس مین مذکور ہے یہ صاف تصریح موجود ہے اس بنا پر اس فقرہ کو یون پڑھنا چاہئے، جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا) "س"

سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں، تمام اور ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی جواب دیا'

ایلا، تخییر، مظاہرۂ حفصہ وعائشہ، یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں

کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں، اور اُن سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہراتؓ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے

تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان، اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں'

صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظة الرجل ابنته) میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی

جو نہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرۂ ازواج مطہراتؓ

سے انعزال افشاے راز، آیتِ تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں'

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہیں :-

وهذا هو اللائق بمكارم	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق'
اخلاقه صلى الله عليه وسلم وسعة	کشادہ دلی اور کثرتِ عفو کے یہی مناسب
صدره وكثرة صفحه وان	ہے اور آپ نے اُس وقت تک ایسا
ذلك لم يقع منه حتى تكرر	نہیں کیا ہوگا جب تک اُن سے
موجبه منهن (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۵۴)	اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئی ہوں)

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت

بڑی ضرر رسان سازش تھی جس کا اثر بہت پُر خطر تھا، آیتِ مذکور یہ ہے،

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ	اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہؓ و

هُوَ مَوْلاَهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ	وحضرت حفصہؓ) رسولؐ کے برخلاف ایکا
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلاَئِكَةُ بَعْدَ	کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریلؑ اور نیک
ذَلِكَ ظَهِيرٌ. (تحریم-۱)	مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں

اس آیت مین تصریح ہے کہ اگر ان دونون کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا، اور جبریلؑ اور نیک مسلمان موجود ہین، اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہین،

روایتون سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھین اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کرلی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کردی جائین، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتین ہین اور حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پُرخطر ہوسکتی ہے جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلی کی اعانت کی ضرورت ہو.

اس بنا پر بعضون نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا، مدینہ منورہ مین منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد (۴۰۰) تک بیان کی گئی ہے. یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک مین رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور رفقاے خاص مین پھوٹ ڈلوادین (ابن حجر نے اصابہ مین ام جلدح کے حال مین لکھا ہے وکانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھین) افک کے واقعہ مین ان کو کامیابی کی جھلک نظر آچکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے کبیدہ خاطر رہے، حضرت حسانؓ افک مین شریک ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھین سازش مین آگئی تھین، چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھین حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے، مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہؓ کی برا‌ءت پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہو چکا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہراتؓ کی کشیدگی خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقون کو معلوم ہوا تو ان بدنفسون نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا، چونکہ مظاہرہ کے ارکانِ اعظم حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہؓ تھین، ان کو خیال ہوا ہوگا کہ اُن کے ذریعہ سے اُن کے والدین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کو اس سازش مین شریک کر لینا ممکن ہے، لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو رسول کی خاک پر قربان کر سکتے تھے؛ چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انھون نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ کا سر اُڑا دون،

آیت مین روے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ و حفصہ سازش بھی کرینگی، اور منافقین اس سے کام لین گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے، اور خدا کے ساتھ جبریلؑ و ملائکہ بلکہ تمام عالم ہے،

روایاتِ کاذبہ | ان واقعات مین کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات اور خداعیان

کی ہین کہ بڑے بڑے مورخین وارباب سیر نے یہ روائتین اپنی تصانیف ہین اسناداً درج

کردین اس لیے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین

اس قدر عموماً مسلّم ہے اور خود قرآن مجید مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی، اختلاف اس مین ہے کہ

وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتون مین ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھین جن کو عزیز مصر

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین تحفۃً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کیساتھ

مختلف طریقون سے بیان کی گئی ہے، جن مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا راز جو حضرت حفصہ نے فاش کردیا تھا، ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا،

اگرچہ یہ روائتین بالکل موضوع اور ناقابلِ ذکر ہین، لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخون

نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریان کی ہین، ان کا گل سر سبد

یہی ہین، اس لئے اُن سے تعرض کرنا ضرور ی ہے،

ان روایتون مین واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے، لیکن

اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موطوءۃ کنیزون

مین تھین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے اُن کو اپنے

اوپر حرام کرلیا تھا،

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم مین لکھتے ہین :-

اور سعید بن منصور نے سند صحیح کیساتھ	ووقع عند سعید بن منصور

باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصۃ لا یقرب امتہ الخ (صفحہ ۵ ج ۸)

جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے، یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے ہمبستر نہ ہونگے۔

اس کے بعد حافظ موصوف نے سند (ہیثم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتین نقل کی ہین، جن مین سے ایک یہ ہے،

وللطبرانی من طریق الضحاک عن ابن عباس قال: خلت حفصۃ بیتھا فوجدہ یطاء ماریۃ فعاتبتہ. (فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۸ صفحہ ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ مین حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہو کہ حضرت حفصہؓ اپنے گھر مین گئین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہمبستر دیکھا اس پر انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاتب کیا۔

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایون مین نقل کیا ہے، ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتین محض افترا اور بہتان ہین،

علامہ عینی شرح صحیح بخاری باب النکاح جلد ۹ صفحہ ۴۸۰ مین لکھتے ہین:-

والصحیح فی سبب نزول الآیۃ انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحیحین وقال النووی ولم تات قصۃ

اور آیت کی شان نزول کے باب مین صحیح روایت یہ ہو کہ وہ شہد کے واقعہ مین ہے، ماریہؓ کے قصہ کے باب مین نہین ہو جو صحیحین کے سوا اور کتابون مین

مارية من طريق صحيح
مذکور ہو نووی نے کہا ہو کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہین ہو،

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم مین مختلف طریقون سے مروی ہو، ان کتابون مین عموماً جس قسم کی رطب و یابس روایتین مذکور ہین اُس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو لائق التفات نہین، حافظ ابن حجر نے ان مین ایک طریقہ کی توثیق کی ہے،[1] یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہین، لیکن اوّلاً تو اس روایت مین ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہین[2] صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ مین اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤنگا اور وہ مجھ پر حرام ہے، اس کے علاوہ مسروق تابعی ہین، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہین دیکھا تھا، اس لئے یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے منقطع ہے، یعنی اس کا سلسلۂ سند صحابی تک نہین پہنچتا،

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین صحیح کہا ہو لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبد الملک رقاشی ہین جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہو

كثير الخطاء فى الاسانيد و المتون يحدث عن حفظه
سندون مین اور اصل الفاظ حدیث مین بہت خطا کرتے ہین،

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب مین مذکور نہین ہے، یہ بھی

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ تحریم [2] یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ

ہ نہین ورنہ نسائی باب الغیرۃ مین اس قدر مذکور ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے اصرار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے ۱۲ س

تسلیم ہے کہ سورۂ تحریم کا شانِ نزول جو صحیح بخاری اور مسلم مین مذکور ہے، (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے، امام نووی نے جو ائمۂ محدثین مین سے ہین صاف تصریح کی ہے، کہ ماریہ کے باب مین کوئی صحیح روایت موجود نہین، حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقون کو صحیح کہا اُن مین سے ایک منقطع، اور دوسرے کا راوی کثیر الخطاء ہے، ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے،

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کد و کاوش کی حاجت نہین، جو رکیک واقعہ ان روایتون مین بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ مین جو جزئیات مذکور ہین وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہین کئے جا سکتے، نہ کہ اُس ذاتِ پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا، صلی اللہ علیہ وسلم،

—— ـ۰ـ ۰ ـ ۰ ـ ——

غزوۂ تبوک

رجب ۹ سنہ مطابق نومبر ۶۳۵ء

تبوک ایک مشہور مقام ہے، جو مدینہ اور دمشق کے وسط مین نصف راہ پر مدینہ سے چودہ[۱۴] منزل ہے،

جنگ مُوتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، غسّانی خاندان جو شام مین رومیون کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا، مذہبا عیسائی تھا اس لئے قیصر روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، مدینہ مین یہ خبرین اکثر مشہور ہوتی رہتی تھین، انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ مین حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ "غضب ہو گیا"، تو انھون نے کہا کیون خیر ہے؟ کیا غسانی آ گئے[۱] شام کے نبطی سوداگر مدینہ مین روغنِ زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انھون نے خبر دی کہ رومیون نے شام مین لشکرِ گران جمع کیا ہے، اور فوج کو سال بھر کی تنخواہین تقسیم کر دی ہین، اس فوج مین لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہین، اور مقدمۃ الجیش بلقا تک آگیا ہے، مواہب لدنیہ مین طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیون نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے

[۱] (بخاری ذکر واقعۂ ایلاء) [۲] مواہب لدنیہ (مع زرقانی ج ۳ ص ۶۲)

بھوکون مررہے ہین" اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجین روانہ کین،

بہرحال یہ خبرین تمام عرب مین پھیل گیئن اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سو اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیان تھین، ان اسباب سے لوگون کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا، منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اُن کا پردہ فاش ہو چلا، وہ خود بھی جی چراتے تھے اور دوسرون کو بھی منع کرتے تھے کہ

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، گرمی مین نہ نکلو،

سویلم ایک یہودی تھا اُس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگون کو لڑائی پر جانے سے روکتے، چونکہ ملک پر رومیون کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائل عرب سے فوجین اور مالی اعانت طلب کی،[۲] صحابہ مین سے حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے،[۳] اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین لاکر حاضر کین، تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہین رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا، تاہم اُن کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہوسکا

---

[۱] مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ "چونکہ حنین مین انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے اس لئے وہ بے دل ہوگئے تھے کہ ہم کیا لڑین، جب فوائد جنگ دوسرون کو حاصل ہون گے" لیکن یہ مارگولیس صاحب کا حسن ظن ہے، (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے) ص ۱۱ [۲] ابن ہشام ، [۳] ابن سعد جزء المغازی ص ۱۱۹) ص ۹، [۴] زرقانی ج ۳ ص ۶۲) ص

انہی کی شان مین سورۂ توبہ کی یہ آیتین اتری ہین،

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؁ (توبہ ۱۲)

اور نہ اُن لوگون پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہان ہے جس پر تم کو سوار کر سکون تو وہ واپس گئے اور اُن کی آنکھون سے آنسو جاری تھے کہ اُن کے پاس خرچ نہیں ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپؐ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ مین بخلاف اور معرکون کے ازواجِ مطہرات ساتھ نہین گئی تھین اہلِ حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا، اس لئے اب کی یہ منصب جناب امیرؑ کو ملا، لیکن انھون نے شکایت کی کہ "آپؐ مجھکو بچون اور عورتون مین چھوڑے جاتے ہین"۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہین ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی"[1]

غرض آپؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے، جس مین دس ہزار گھوڑے تھے[2]، راہ مین وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید مین آیا ہے، یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑون مین تراش کر بنائے گئے تھے، چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا، آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہان قیام نہ کرے، نہ پانی پیے اور نہ کسی

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ تبوک [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۹) "س"

کام مین لائے،

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی، لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی، غسّانی رئیس عرب مین ریشہ دوانیان کر رہا تھا، صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین جہان حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہی، لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسّان کا ایک خط دیا جس مین لکھا تھا کہ "مین نے سنا ہے کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی، اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ، مین تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کرون گا" حضرت کعبؓ گو معتوبِ نبویؐ تھے، لیکن انھون نے اس خط کو تنور مین ڈال دیا،

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا، ایلہ[1] کا سردار جس کا نام یوحنا تھا، حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا، ایک سفید خچر بھی نذر مین پیش کیا، جس کے صلہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی،[2] جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے وہان ایک عربی سردار جس کا نام اُکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چارسو (بیس) کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربارِ رسالت مین حاضر ہو کر شرائطِ صلح پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ

---

[1] یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہی، (مارگولیس) [2] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ (ج ۳ ص ۸۶) ۱۲ ش

مین آیا، آپ نے اس کو امان دی،

تبوک سے جب آپ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق مین استقبال کو نکلے، یہان تک کہ پردہ نشینان حرم بھی جوش مین گھرون سے نکل پڑین اور لڑکیان یہ اشعار گاتی نکلین[1]،

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وداع کی گھاٹیون سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا — ما دعا للّٰہ داع

جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا مین کوئی باقی ہے، ہم پر خدا کا شکر فرض ہو

مسجد ضرار منافقین ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ مسلمانون مین کسی طرح پھوٹ ڈالدین، ایک مدت سے وہ اس خیال مین تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہین ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی مین نہ پہنچ سکین یہان آکر نماز ادا کرلیا کرین، ابو عامر جو انصار مین سے عیسائی ہوگیا تھا، اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو مین قیصر کے پاس جاکر وہان سے فوجین لاتا ہون کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردون[2]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ ہم نے بیمارون اور معذورون کے لئے

(۱؎ زرقانی ج ۳ ص ۹۲) "س" ۲؎ زرقانی بحوالہ ابن جریر (ج ۳ ص ۹۱) "س"

ایک مسجد تیار کی ہے آپؐ چل کر اس مین ایک دفعہ نماز پڑھا دین تو مقبول ہو جائے،
آپؐ نے فرمایا اس وقت مین مہم پر جا رہا ہون، جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک
اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد مین آگ لگا دین، اسی مسجد کی شان مین یہ آیتین اُتری ہین

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا	اور وہ لوگ جنھون نے ایک مسجد ضرر اور
وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	پھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے تیار
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ	کی اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے
وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ	خدا اور رسول سے لڑتے ہین اُن کو
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ	ایک کمین گاہ ہاتھ آئے، اور وہ
يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ	قسم کھاتے ہین کہ ہم نے صرف بھلائی
فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ	کے لحاظ سے ایسا کیا، اور خدا گواہی
عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ	دیتا ہے۔ کہ یہ جھوٹ کہتے ہین، محمدؐ!
اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۝ فِيْهِ	تو کبھی اس مسجد مین جا کر نہ کھڑا ہو،
رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝	پرہیزگاری پر رکھی گئی ہو وہ اس بات
(توبہ - ١٣)	کی زیادہ مستحق ہو کہ تو اس مین نماز پڑھے

(اس مین) ایسے لوگ ہین جن کو صفائی محبوب ہے، اور خدا صفائی رکھنے والون کو پیار کرتا ہے

حج اسلام اور اعلان برات

(مکہ سنہ مین فتح ہوا، لیکن چونکہ ابھی تک ملک مین اچھی طرح
امن و امان نہین قائم ہوا تھا اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے

ارکانِ حج انجام پائے، مسلمانون نے حضرت عتابؓ بن امید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے، فریضۂ حج ادا کیا، اب ۹ ؁ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہوکر عبادتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ ؁ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانون کا ایک قافلہ مدینۂ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، ان مین حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیبِ اسلام، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حضرت جابرؓ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ معلم تھے، قربانی کے لئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کو حجِ اکبر[2] کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسمِ حج اصل ابراہیمی سنت مین جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل مین عہدِ جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک[1] و رسومِ حج کی عام طور سے تعلیم دیجائے زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے،

حضرت ابوبکرؓ نے مناسکِ حج کی لوگون کو تعلیم دی، یوم النحر مین خطبہ دیا جس مین حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے، سورۂ برأت کی چالیس

(۱) بخاری کتاب المناسک باب لایطوف عریان، و باب حج ابی بکرؓ بالناس و تفسیر سورۃ البراۃ،

(۲) سورۂ توبہ مین ہے، یوم الحج الاکبر، مصنف نے اس حج کو حج اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے، اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے، لیکن عام خیال یہ ہے کہ خاص اسی سال کے حج کو حج اکبر نہین کہا گیا ہے، بلکہ ہر حج عمرہ کے مقابلہ مین حجِ اکبر ہے، اور عمرہ حجِ اصغر ہے، ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۰ صفحہ ۴۲ (س")

آیتین پڑھ کر سنائین، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ مین نہ داخل ہو سکے گا، نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا، اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے اُن کے نقضِ عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائین گے، حضرت ابوہریرہ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ گیا۔[1]

سورۂ برأت کی ابتدائی آیتین جس مین خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا، یہ ہین:-

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى	اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے عہد
الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	کیا تھا (اور انھون نے اپنا معاہدہ توڑ دیا)
فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ	ان کی خدا اور خدا کے رسول کی طرف
وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ	سے کوئی ذمہ داری نہین ہے، اب
وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ وَ	(اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے
اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ	کی تم کو مہلت ہے، اس مین تم ملک مین
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ	چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز

[1] ابن حنبل صفحہ ۲۹۹ جلد ۲- عام تفصیل زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲ وغیرہ مین موجود ہے) نس [2] ان آیات مین یہ بیان ہو کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ مین) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے، لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہین ہوا مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۰۴-۲-۷ مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتین سنہ ۸ھ مین فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہون گی، اور شاید اسی لئے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہین، لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہو کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتین گوشہ مین نازل ہوئی ہون لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جب کہ

صحاح ستہ کی مستند روایات مین مذکور ہے ۹ھ کے موسم حج مین ہوا ہو (س)

اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۤءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ
اَلِيْمٍ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ
شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ
اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ
اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ، (ع-۱)

نہ کرسکوگے، حج اکبر کے دن لوگون کو اعلان
عام ہو کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین
کا اب ذمہ دار نہین اگر (تم نے اے
مشرکین) توبہ کرلی تو یہ تمہارے لئے
بہتر ہے، اور اگر اب بھی پھرے رہو تو
یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکوگے،
اے پیغمبر تو کافرون کو دردناک عذاب
کی خوشخبری سنا دے، لیکن وہ مشرکین
جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انھون نے
اس کے ایفا مین تمہارے ساتھ کچھ کمی کی اور نہ تمہارے
مقابلہ مین انھون نے تمہارے دشمنون
کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو،
خدا پرہیزگارون کو دوست رکھتا ہے،

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا
الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا
الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ج (توبہ ع-۴)

اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہین
اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے
قریب نہ آئین،

طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے

مسلمان ہوگئے [1])

واقعاتِ متفرقہ (نو سال کے بعد اب ملک مین امن و امان کا دور شروع ہوا، اب حصولِ دولت کے مواقع حاصل تھے، اس بنا پر زکوۃ کا حکم اس سال نازل ہوا، اور تحصیل زکوٰۃ کے لئے عمال قبائل مین مقرر ہوئے [2]،

اسلام کے سایہ مین بعض غیر مسلم قومین بھی داخل ہو چکی تھین، ان کے لئے جزیہ کی یہ آیت اتری،

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (توبہ ۔ ۴) تاآنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ نہ ادا کرین

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد سنہ ۱۰ھ مین حجۃ الوداع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلانِ عام فرمایا،

نجاشی جس کے ظلِ حمایت مین مسلمانون نے چند سال حبشہ مین بسر کئے، اس نے امسال انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ "مسلمانو! آج تمھارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی، اس کے لئے دعاے مغفرت مانگو"، اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی)

(۱) طبری ج ۴ ص ۱۷۲۱) "س" (۲) طبری ج ۴ ص ۱۷۲۲) "س"

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصہ سادہ سوانحِ زندگی پر محدود ہے، بحث و تدقیقات اور رفعِ شکوک کے لئے دوسرے حصے ہین، اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہین انہی حصون مین لکھے جاتے، لیکن کتبِ سیر مین کثرت اور اہمیت دونون حیثیتون سے جو واقعات زیادہ تر نمایان ہین، صرف غزوات ہین، اگر صرف تصانیفِ سیرت کو پیشِ نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمامتر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے، چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ سیرت نہین بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین، مثلاً مغازی ابن عقبہ، مغازی ابن اسحاق، مغازی واقدی یہ اندازِ تحریر آج تک چلا آیا، اس لیے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے،

ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا، لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلون مین پیدا ہو جاتے ہین ان کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا،

غیر مذہب والون نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے مین سخت غلطیان کی ہین، نہ صرف بدنیتون نے، بلکہ نیک دلون نے بھی، لیکن یہ تعجب کی

بات نہین، اسباب ایسے جمع ہین کہ اس قسم کی غلطیون پر نہ صرف دوستون کو بلکہ دشمنون کو بھی معذور رکھ سکتے ہین،

عرب اور جنگ و غارتگری اس باب مین سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو "جنگ و غارتگری" سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق وعادات، رسوم ومعاملات، محاسن واوصاف، معائب ومثالب، غرض اُس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزین اُسی سے منتج اور اُسی سے نشو ونما پاتی ہین، عرب مین یہ چیز جنگ وغارتگری تھی، اس کی ابتدا یون ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیداوار وہان نہین ہوتی تھی، لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے، خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریان اور اونٹ تھے کہ اُن کا دودھ اور گوشت کھاتے، اور بالون کو بن کر کمل بناتے تھے، لیکن جائداد یہ بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی، اس لئے حملہ اور غارتگری شروع ہوئی اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارتگری قرار پایا، ابو علی قالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہے،

وذلك انهم كانوا يكرهون	(یہ اس لیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ اُن پر
ان تتوالى عليهم ثلاثة اشهر	تین ماہ متواتر اس طرح گذر جائین کہ ان
لا تمكنهم الاغارة فيها	وہ غارتگری نہ کرسکین کیونکہ ان کی معاش
لان معاشهم كان من الاغارة[1]	کا ذریعہ یہی تھا)

[1] کتاب الامالی جلد اول صفحہ ۴ مطبوعہ مصر،

چونکہ لوٹ مین زیادہ تر بکریان ہاتھ آتی تھین، اور بکری کو عربی مین "غنم" کہتے ہین اس لئے لوٹ کے مال کو عربی مین "غنیمت" کہنے لگے[1]، اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا،

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب سب سے زیادہ نمایان، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا، آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے، "سالماً غانماً یعنی سلامت آنا اور لوٹ کر لانا"۔ ہماری زبان مین سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہین، (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے،

ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب مین غارتگری اور جنگ عام ہو گئی تھی تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، صرف حج کے زمانہ مین مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیئے تھے، جن کو "اشہر حرم" کہتے تھے ان مہینون مین لڑائیان بند ہو جاتی تھین لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گران تھا، اس لیے نسئی ایک رسم ایجاد کر لی تھی، یعنی ان مہینون کو حسب ضرورت دوسرے مہینون سے بدل لیتے تھے،

حافظ ابن حجر، صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) مین لکھتے ہین :-

---

(1) یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہین آئی "س"

كانوا يجعلون المحرم صفرًا و يجعلون صفرًا المحرم لئلا يتوالى عليهم ثلاثة اشهر

([illegible] ج ۲ ص ۲۲۲)

وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے تاکہ پے در پے تین مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائیں،

ثار کا عقیدہ

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے، ان مین سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا، یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اُس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا، گو سینکڑون برس گذر جاتے تھے اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا، تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہین کر لیتا تھا قومی فرض سے ادا نہین ہو سکتا تھا، اسی کو ثار کہتے ہین، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سیکڑون بلکہ ہزارون برس تک مسلسل لڑائیان قائم ہو جاتی تھین، اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع مین اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قانون کا خون معاف کر دیا تھا، لیکن صحرا نشین عربون مین آج تک یہ طریقہ قائم اور اُن کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے،

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے، مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے تو اس کی روح پرند بنجاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہین لیا جاتا مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھ کو پلاؤ مین پیاسی ہون" اس پرند کو صدی

یا ہامہ کہتے تھے،

ابو دؤاد ایادی کہتا ہے،

سلط الموت والمنون علیھم　　فلھم فی صدی المقابر ھام

ان پر موت مسلط ہو گئی اور مقبروں کے "صدی" مین اُن کے لئے "ہام" ہی

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے :-

یا عمرو ان لا تدع شتمی و منقصتی　　اضربک حیث تقول الہامۃ اسقونی

اے عمرو! اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا، تو مین تجھ کو اس طرح مارونگا کہ ہامہ کہیگی کہ مجھکو سیراب کرو

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہین لیا جاتا اس کی قبر مین ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے، عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے،

واترک فی قبر بصعدۃ مظلم　　خون بہا لوگے تو مین اندھیری قبر مین پڑا ہونگا،

اسی بنا پر خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے،

ومشوا باذان النعام المصلم　　اور خون بہا لینا ہی تو بوچے شتر مرغ کا کان پکڑ کر چلو،

غیرت اور حمیّت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے،

ولا تراھم وان جلت مصیبتھم　　مع البکاۃ علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن اُن کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے

عمرو بن کلثوم

معاذ الالہ ان ینوح نساء نا　　علی ھالک او ان نضج من تقتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتین مقتول پر نوحہ کرین یا ہم قتل سے گھبرا جائین،
مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے

من کان مسرورا بمقتل مالک	فلیات نسوتنا بوجه نهار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا	وہ دن کو ہماری عورتون کے پاس آئے
یجد النساء حواسرا یندبنه	یلطمن اوجهن بالاسحار
وہ دیکھے گا کہ عورتین ننگے سر نوحہ کر رہی ہین	اور صبح کو اپنے چہرون پر دو ہتڑ مار رہی ہین

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے، ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو "حتف انف" کہتے تھے یعنی "ناک کی موت" اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے،

وما مات منا سید حتف انفه	ولا طل منا حیث کان قتیل
ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہین مرا	اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصلی محور جنگ بن گیا تھا، یعنی اُن کے اوصاف و اخلاق مین جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے یہی چیز نکلتی تھی، یہی چیز تھی جس نے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا، حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین اسلام لاکر اپنے قبیلہ مین واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو انھون نے کہا بنو عقیل پر

ہمارا اثار باقی ہے وہ لے لین تو اسلام لائین"، چنانچہ اُسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام لا چکے تھے حملہ آور ہوے، اور خود حضرت عمرو بن مالک نے اس مین شرکت کی، گو پھر اُنکو بہت ندامت ہوئی کہ اُن کے ہاتھ سے ایک مسلمان[1] مارا گیا،

لوٹ کا مال

چونکہ، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین لڑائیون کی اصل بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی، اس لئے عرب کے نزدیک مالِ غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائعِ معاش مین سب سے زیادہ حلال و طیب اسی کو سمجھتے تھے، یہ خیال اس قدر دلون مین راسخ اور رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعاتِ شرعیہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا، غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا،

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اُتری،

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے
قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ (بقرہ-۲۷)	ہین، کہدے کہ دونون مین بڑا گناہ ہے،

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا،

اللّٰهم بين لنا فی الخمر بیانا	اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف
شافیا،	احکام بتا،

پھر یہ آیت اُتری،

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک (ج ۳ ص ۱۳) ؟؟

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی (نساء ۔ ۷) نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو،
چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص منادی
پکارتا کہ کوئی شخص نشہ مین نماز کو نہ آئے، پھر یہ آیت اُتری،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ	مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال[ل]
وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ	کے تیر، یہ سب ناپاک اور شیطان کے
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ	کام ہین، تو ان سے بچو کہ غالبًا تم
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	فلاح پاؤگے، شیطان تو صرف یہ
اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ	چاہتا ہے کہ شراب اور قمار کے ذریعہ
بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ	سے تم لوگون مین عداوت اور بغض
فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ	ڈالے اور تم کو خدا کی یاد سے اور
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ (مائدہ ۔ ۱۲)	نماز سے روکے، تو تم باز آؤ گے؟

باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے متعلق اس
قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنون مین شراب پیتے تھے
تڑوا دیئے، لوگون نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالین، اس سے بھی منع فرمایا،[ل]
ان سب باتون پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض لوگون نے شرابین پین، اور
جب اُن سے بازپرس کی گئی تو انھون نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے
آدمیون کے لئے شراب کہان حرام ہے؟ قرآن مجید مین خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے،

[ل] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۳۵۱ و سنن ابو داؤد کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر ۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا (مائدہ-۱۲) جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انھون نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) اُن پر کچھ الزام نہین،

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے، انھون نے کہا کہ یہ اُن صحابہ کی نسبت ہے جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے، حضرت عمرؓ نے تصدیق کی، اور اُن لوگون کو سزا دی، چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری مین مذکور ہے،

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی چیز زمانہ دراز سے رسم و عادت مین داخل ہو جاتی ہے تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتون تک قائم رہتے ہین، اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے،

سب سے پہلے جنگِ بدر مین قبل اس کے کہ مالِ غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت مین مصروف ہو گئے، اس پر یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؁ اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ لیا اس پر تم کو عذاب ہوتا،

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال مین یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ "جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب قاتل کو ملیگا" اس بنا پر لوگون نے مسلوٗ مال کا دعویٰ کیا، جو صحابہ خود لڑے نہ تھے بلکہ علَم اور رایت کے محافظ تھے اُن کا دعویٰ تھا کہ اس مین ہمارا بھی حق ہے، اس پر یہ آیت اُتری،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (انفال-۱) لوگ تجھ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہین کہدے غنیمت خدا اور رسول کی ہے

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مالِ غنیمت کا خود دعویٰ نہین کر سکتے، اسکی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار مین ہے، جس طرح آپ چاہین تقسیم فرمائین اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیون مین ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا، بند ہو گیا، لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعون پر لوٹنا دفعۃً موقوف نہین ہوا، سنن ابی داؤد مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر مین شریک تھے، بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریان نظر پڑین، اُن کو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیان چڑھا دین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کمان جو ہاتھ مین تھی اس سے دیگچیان الٹ دین اور فرمایا کہ "لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہین"۔

خیبر کی لڑائی سنہ ۷ھ مین ہوئی اس وقت تک یہ حال تھا کہ امن کے بعد لوگون نے یہودیون کے جانور اور پھل لوٹ لیے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غصہ آیا، آپ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا،

ان اللہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتاب الا باذن ولا ضرب نسائھم ولا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم (سنن ابی داؤد باب فی تعشیر اھل الذمۃ اذا اختلفوا بالتجارات)	خدا نے تم لوگون کے لئے یہ نہین جائز کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھرون مین گھس جاؤ (مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتون کو مارو نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ، جب کہ وہ تم کو وہ ادا کرین جو ان پر فرض ہے،

ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگون کا جو شغف ہے کم ہو جائے، لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی، غزوۂ اُحد مین صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تیر اندازون کو سخت تاکید فرمادی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ مین مصروف ہو گئے، ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پاکر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا، حنین مین بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگون نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی،

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبون کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا، سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ مین حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھون نے کہا لا الہ الا اللہ کہو تو تمھاری جان اور مال بچ جائے گا، انھون نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کو امن دیدیا گیا، جب یہ اپنے ساتھیون مین آئے تو لوگون نے ان کو ملامت کی کہ

احرمتنا الغنیمۃ[1] — تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپ نے ان صحابی کی تحسین کی اور فرمایا، "کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملے گا"

[1] ابو داؤد باب مایقول اذا اصبح، کتاب الادب،

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کئے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے، سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے"۔ آپ نے فرمایا کہ "اُس کو کچھ ثواب نہین ملیگا۔ یہ جواب انھون نے آکر لوگون سے بیان کیا تو لوگون کو بہت تعجب ہوا، اور اُن سے کہا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہین سمجھا، پھر جاکر پوچھو، انھون نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا، لوگون نے پھر ان کو بھیجا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہین[1] ملیگا"

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین،

وحشیانہ افعال | عرب مین لڑائیون کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمین قائم کردی تھین، جن مین سے چند کی تفصیل یہ ہے،

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچون اور عورتون کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ مین جلا[2] دیتے تھے،

(۲) غفلت یا نیند کی حالت مین دفعۃً دشمن پر جا پڑتے تھے اور قتل و غارتگری شروع کردیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا، بہت سے بہادر اس خاص طریقہ مین زیادہ ممتاز تھے، اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے، تابط شرا، سلیک ابن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی من یغزو و یلتمس الدنیا [2] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران صفحہ ۲۳۴

(۳) زندون کو آگ مین جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیون کو قتل کرون گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا، وہ لوگ بھاگ گئے، صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی، جس کا نام حمراء تھا، اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ مین ڈال دیا، اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمار تھا آنکلا، عمرو نے پوچھا تو کیون آیا، اُس نے کہا مین کئی دن کا بھوکا تھا، دھوان اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہو گا، عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ مین ڈال دیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، جریر نے اپنے شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

واخزاکم عمرو کما قد خزیتم   وادرك عمارًا شقیّ البراجم

(۴) بچون کو نشانہ بنا کر تیرون سے مارتے تھے، داحس اور غبراء کی لڑائیون مین قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے، حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا، ان بچون کو لے جا کر ایک وادی مین کھڑا کیا، اور اُن کو نشانہ بنا کر قدر اندازی کرتا تھا، اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی تھی اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے،

(۵) قتل کا ایک یہ طریقہ تھا کہ ہاتھ پانون اور دیگر اعضا کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا، غطفان اور عامر کی لڑائی مین اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ عقد الفرید مین بہ تفصیل مذکور ہے،

ضحی جلد ۱ مثال صفحہ ۵۴

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بظاہر اسلام لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو پکڑے گئے تو اُن کے ہاتھ پانون کاٹ ڈالے. پھر اُن کی آنکھون اور زبان مین کانٹے چبھوئے، یہان تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے،[1]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتون مین ظاہر ہوتا تھا، مُردون کے ہاتھ، پانون، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے. ہند نے جنگ اُحد مین اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے مین پہنا تھا؛

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا تو اس کی کھوپڑی مین شراب پئین گے، سلافہ کے دو بیٹے جنگ اُحد مین عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی مین شراب ڈال کر پئیگی،[2] یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کھا جاتے تھے، ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبا لیا تھا اس کا حال اوپر گذر چکا ہے،

(۸) حاملہ عورتون کا پیٹ چاک کر ڈالتے اور اس پر فخر کرتے تھے، عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے،

بقرنا الحبالی من شنوءۃ بعدما — خیطن بغیف الرمح نهدا خثعما

[1] یہ واقعہ تمام کتب حدیث مین مذکور ہے لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد (ج ۲ قسم اول) صفحہ ۶۷ سے ماخوذ ہے مسلم مین صرف آنکھون کا اندھا کرنا مذکور ہے [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۳۹ سریہ مرثد بن ابی مرثد (ص)"

غزوات نبوی کے اسباب[1] اور انواع	تفصیل مذکورۂ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ غزوات نبوی کن اسباب سے

وجود مین آئے اور شارع علیہ السلام نے طریقۂ قدیم مین کیا اصلاحین فرمائین،

مورخین نے "غزوہ" کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہین بھیجدیئے گئے تو اس کو بھی انھون نے غزوہ مین شمار کرلیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے، یعنی "سریہ" غزوہ اور سریہ مین لوگون کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ مین کم سے کم آدمیون کی ایک خاص تعداد ضروری ہے، سریہ مین کوئی قید نہین، ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیجدیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے، بعضون کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اس مین شرکت کی ہو،

حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہین وہ چند قسمون پر منقسم ہین

(۱) محکمہ تفتیش یعنی دشمنون کی نقل و حرکت کی خبر رسانی،

(۲) دشمنون کے حملہ کی خبر سُن کر مدافعت کے لئے پیشقدمی کرنا،

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو حج وعمرہ کی اجازت دین،

---

[1] یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہے، جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلد دن مین آئے گی،

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجین بھیجنا،

(۵) اشاعتِ اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے، اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کردی گئی، اس صورت مین تاکید کردی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے،

غزوہ کی صرف دو صورتین تھین،

(۱) دشمنون نے دارالاسلام پر حملہ کیا اوران کا مقابلہ کیا گیا،

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہین اور پیشقدمی کی گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین جو لڑائیان واقع ہوئین یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے انہی مختلف اغراض سے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کرلیا کہ اسلام کو مٹادیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُن کے مذہب کو صدمہ پہنچیگا، دوسری طرف تمام عرب مین ان کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیتِ عام ہے سب جاتا رہے گا، اس بناپر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین، دوسری طرف تمام قبائلِ عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہوگیا تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہوجائے گی،

بیعتِ عقبہ مین جب انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے تو ایک انصاری نے کہا "برادرانِ من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کررہے ہو؟ یہ عرب وعجم سے اعلانِ جنگ ہے" اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کرآئے

ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہوگیا، نوبت یہان تک پہنچی کہ مدینہ مین مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تھے تو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے، اوپر گذر چکا ہے (بحوالۂ ابو داؤد) کہ قریش نے عبد اللہ ابن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ "محمدؐ کو وہان سے نکال دو، ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمھارا اور محمدؐ دونون کا فیصلہ کردین گے"۔

محکمۂ تفتیش ان واقعات کی بنا پر ضرور تھا کہ اسلام اور دار الاسلام کی حفاظت کے لئے ضروری تدبیرین اختیار کی جائین، اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے، چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے، یہ ٹکڑیان گو محض خبر رسانی کے لئے جاتی تھین، لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت مین جاتی تھین،

یہی واقعات ہین جن کو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہین اور اُن کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت مین جا پڑنا ہوتا تھا، [1]

ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستون کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہین ہوتا تھا یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیون سے زیادہ نہین ہوتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لئے نہین بھیجے جا سکتے تھے، مثلاً ۲ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ مکہ کی

[1] باب فی خبر النضیر

سریۂ ابن جحش

طرف بھیجا اور ایک سربہمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا، دو دن کے بعد انھون نے کھولا تو اس مین یہ الفاظ تھے،

فسر حتی تنزل نخلة بین مکة	برابر چلے جاؤ یہان تک کہ نخلہ مین جاکر
والطائف فترصّد بھا قریشًا	ٹھرو جو مکہ اور طائف کے بیچ مین ہو
وتعلم لنا من اخبارھم؛	اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور
(طبری صفحہ ۱۲۷۴)	ان کی خبرین دریافت کرو،

مدافعت | اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کرکے فوجین بھیجدی جاتین، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کر آئے ہین، اس لئے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہین، اور قدماے اہل سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہین کہ یہ مہین مدافعت کی غرض سے تھین،

سریۂ غطفان

سریۂ غطفان ۳ھ،

وذلك انه بلغ رسول الله	اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت
صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان جمعًا من بنی	صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنو ثعلبہ
ثعلبة ومحارب بذی امرّ	اور محارب کی ایک فوج ذوامر مین
قد تجمعوا یریدون ان یصیبوا	اس غرض سے جمع ہوئی ہو کہ آنحضرت
من اطراف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم	صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حملہ کرے، اس فوج

جمعهم رجل منهم یقال له دُعثور بن الحارث، الخ (طبقات صفحہ ٢٣)

کہ ایک شخص نے فراہم کیا، جس کا نام دعثور ہے،

سریہ ابوسلمہ

سریہ ابوسلمہ ۲؁ھ،

وذلك انه بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان طلیحة وسلمة ابنی خویلد قد سارا فی قومهما ومن اطاعهما یدعونهم الی حرب رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ (ابن سعد صفحہ ۳۵)

اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ طلیحہ اور سلمہ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیرؤوں کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے ہیں،

سریہ عبداللہ ابن انیس

سریہ عبداللہ بن اُنیس بہ غرض قتل سفیان بن خالد ۳؁ھ،

وذلك انه بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان سفیان بن خالد الهذلی ثم اللحیانی وکان ینزل عرنة وما والاها فی ناس من قومه وغیرهم قد جمع الجموع لرسول الله صلی الله علیه وسلم

ابن انیس اس لئے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جمع کر رہا ہے،

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ ذات الرقاع ۵؁ھ،

فاخبر اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم ان انمار او ثعلبة قد جمعوا

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانوں سے

لهم الجموع ... فمضى)

لڑنے کیلئے فوجین جمع کر رہی ہین آپ چل کھڑے ہوئے،

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ،

قالوا بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان بدومة الجندل جمعا كثيرا ... وانهم يريدون ان يدنوا من المدينة (ابن سعد صفحہ ۴۴)

روات بیان کرتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین ایک گروہ کثیر جمع ہے اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے،

غزوۂ مریسیع

غزوۂ مریسیع ۵ھ؛

ان بلمصطلق من خزاعة وهم من حلفاء بني مدلج وكان راسهم وسيدهم الحارث بن ابي ضرار فسار في قومه ومن قدر عليه من العرب فدعاهم الى حرب رسول الله صلى الله عليه وسلم فاجابوه - (ابن سعد صفحہ ۴۵)

قبیلۂ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہین اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، وہ اپنی قوم کو اور نیز اور لوگون کو جو اس کے قابو مین تھے، لے کر چلا، اور لوگون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی دعوت دی، اور لوگون نے منظور کی،

سریۂ فدک

سریۂ علی بن ابی طالب، بہ طرف فدک ۶ھ،

بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لهم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ

جمعا یریدون ان یمدّوا یهود خیبر، | بنو سعد فدک میں یہودِ خیبر کی کمک کیلئے فوج جمع کررہے ہیں،

سریۂ بشیر بن سعد

سریۂ بشیر بن سعد شوال ۷ھ

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعا من غطفان بالجناب قد واعدهم عیینۃ بن حصن لیکون معهم لیزحفوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہے اور ان سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا،

سریۂ عمرو بن العاص

سریۂ عمرو بن العاص، ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۱۰ منزل ہے

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعا من قضاعۃ قد تجمعوا یریدون ان یدنوا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بڑھے

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ (قریش اور مسلمانوں میں جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دو گے تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے، انھوں نے جواب دیا تھا کہ تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے " (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا، مدینہ اس کی راہ میں پڑتا تھا) کعبہ مسلمانوں کی خاص چیز تھی، کیونکہ کعبہ جن نے تعمیر کیا تھا مسلمان اُنہی کے دین

(ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اس کے قریش نے مسلمانون کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروانِ تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دین،

جنگ سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر مین اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہین کہ "تعرض لعیر قریش" یعنی اس لئے فوجین بھیجی گئین، یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے کہ کاروانِ قریش کی روک ٹوک کی جائے" یہ تمام مہمات اسی غرض کے لئے تھین، لیکن چونکہ قریش تجارت کیلئے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لئے روک ٹوک مین کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا، اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مالِ تجارت غنیمت مین ہاتھ آتا تھا، اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ مین لکھتے ہین کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا،

یہی روک ٹوک تھی جس کی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی جس کے رو سے مسلمانون کو چند خاص پابندیون کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی، قریش پر کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابو ذر غفاریؓ نے مکہ مین جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم مین ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا اور حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمھارے کاروانِ تجارت کے سر راہ واقع ہے، تمھاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ رستہ نہ روک دے، تو یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی اور انھون نے ڈر کر حضرت ابو ذرؓ کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش

کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے نومسلمون کو واپس دیدین گے،
اوران نومسلمون نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ مین اپنا ایک مستقر قائم کرلیا (اور
قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کردیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دیدی، کہ جو
مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے، ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی (پھر
آیندہ سال انھون نے مسلمانون کو حج وعمرہ کی بھی اجازت دیدی، اس کے بعد پھر کبھی
مسلمانون نے قریش کے کاروانِ تجارت سے تعرض نہین کیا، بلکہ خود اس کی حفاظت
کے لئے فوج بھیجتے تھے)

امن وامان قائم کرنا اوپر گذر چکا ہے کہ عرب مین اس سرے سے اُس سرے تک مطلق
امن وامان نہ تھا، تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہان تک کہ محترم مہینون مین بھی
بہانے نکال کر مہینون کے نام بدل دیتے تھے اور لڑتے تھے، تجارت بالکل غیر محفوظ
تھی، قافلون کا لوٹ لینا عام بات تھی، جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلون کو لوٹتے رہتے ہین
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس لئے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ وپند بلکہ دست و
بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا مین امن وامان قائم کرین، کیونکہ خونریزی اور قتل سے
زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہین،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ	اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھدیا تھا
اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا	کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ
بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	(یا زمین مین فساد) کے قتل کردیا،

فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ، (مائدہ-۵) اس نے تمام عالم کو قتل کر دیا،

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَـرۡثَ وَالنَّسۡلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ (بقرہ-۲۵)

اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے، اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور.... اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيۡنَ يُحَارِبُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ يُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ يُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ يُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ (مائدہ-۵)

جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں اُن کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا پھانسی دیئے جائیں، یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پانوں کاٹ ڈالا جائے، یا وطن سے نکال دیئے جائیں۔

احادیث میں ہے کہ جب حضرت عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعا سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا، اور اس کو خدا کے سوا (یا بھیڑیئے کے سوا کہ اس کی بکریاں نہ اٹھالے جائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں، صحیح بخاری میں[1] ہے کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت حیرہ سے چلے گی اور آکر کعبہ کی زیارت کرے گی، اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا" حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک عورت

(1) صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ "ص" ۵۴۳ باب علامات النبوۃ،

حیرہ سے سفر کرکے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہین ہوتا،

بہت سے واقعات ہین جن کو اہلِ سیر سرایا مین شمار کرتے ہین، وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن وامان قائم کرنے کی غرض سے تھے، دو تین مثالین ہم درج کرتے ہین

سریۂ زید بن حارثہ

سنہ ۶ھ مین حضرت زیدؓ مالِ تجارت لے کر شام گئے، واپس آتے ہوئے جب وادیِ قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگون نے اگر اُن کو مارا پیٹا اور تمام مال و اسباب چھین لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے تدارک کے لئے تھوڑی سی فوج بھیجی، جس نے ان لوگون کو سزا دی[۱].

اسی سنہ مین اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے، جب حسمیٰ پہنچے تو ہُنید نے چند آدمیون کے ساتھ اُن پر ڈاکہ ڈالا اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب چھین لیا صرف بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تدارک کے لئے حضرت زیدؓ کو بھیجا[۲]،

سریۂ دومۃ الجندل

سنہ ۵ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے، ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا ہے جو تاجرون کو ستاتا ہی اس کے تدارک کے لئے آپؐ خود تشریف لے گئے، مجمع منتشر ہو چکا تھا، لیکن آپنے چند روز تک وہان قیام کیا اور انتظام کے لئے تمام اطراف مین فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان[۳] بھیجین

[۱] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۵، جلد غزوات [۲] ابن سعد صفحہ ۶۳ [۳] ایضاً ص ۴۴ جلد غزوات؛

سریۂ خبط یا سیف البحر

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجرون کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفارِ قریش کے کاروانِ تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی، ۸ھ مین قریش کا کاروانِ تجارت شام سے واپس آرہا تھا، قبیلۂ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی سرداری مین تین سو مسلمانون کی جمعیت جس مین حضرت عمرؓ بھی داخل تھے، مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا، مسلمانون نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پر دن بھر گذارا کیا

صحیح مسلمؒ مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویون نے مختلف بیان کی ہے، اصل راوی حضرت جابرؓ ہین جو اس واقعہ مین شریک تھے، ایک روایت مین ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی، کتب مغازی مین بھی یہی مذکور ہے، دوسری روایتون کے الفاظ یہ ہین،

(۱) نتلقی عیر قریش - قافلۂ قریش لوٹنے کیلئے (۲) نرصد عیر قریش - قافلۂ قریش کی دیکھ بھال کیلئے

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لئے؛ لیکن یہ صریح غلطی ہے، کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہین کہ یہ مہم قافلۂ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لئے بھیجی گئی تھی، حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہےؒ)

(۱) ابن سعد جزء مغازی سریۂ خبط (۲) صحیح مسلم باب اباحۃ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوۂ سیف البحر مین بھی یہ روایتین ہین) (۳) فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۶۱ و ۶۲،

غزوۂ غابہ

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ ان کو سخت سے سخت سزائین ملتی تھین تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہین آتے تھے، یہان تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا ڈاکے ڈالتے تھے، ۵ھ مین قبیلہ فزارہ کی آبادی مین قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہان کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود مین جو سیراب تھے مویشی چرائے، لیکن ۶ھ مین اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیان لوٹ لین، حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کر دیا، چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ غابہ سے تعبیر کرتے ہین،

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیان جاری رہین اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا، اسلام ان چیزون کو مٹاتا تھا، اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہین سمجھ سکتے تھے،

بے خبری مین حملہ کرنے کا سبب

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے، ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے، دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہان چشمہ یا سبزہ زار دیکھا، خیمے ڈال دیئے، جب وہان بھی پانی نہ رہا تو خبررسان کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہان چلے گئے، ان قبائل کو عربی مین اصحاب الوبر کہتے ہین، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، اسی قسم کے

قبائل تھے، ان کا انتظام اور اُن کی روک ٹوک سخت مشکل تھی، ان کی تعزیر کے لئے فوجین جاتی تھین۔ تو یہ پہاڑون پر بھاگ جاتے تھے اور قابو مین نہین آتے تھے، اس لئے مجبورًا جو فوجین اُن پر بھیجی جاتی تھین غفلت مین بھیجی جاتی تھین کہ وہ بھاگ نہ جانے پائین۔

اکثر سرایا کے بیان مین اہلِ سیر نے لکھا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوجین بھیجین جو راتون کو چلتی تھین اور بے خبری کی حالت مین موقع پر پہنچکر حملہ کرتی تھین اور قبائل کو لوٹ لیتی تھین، اس قسم کے واقعات تمام کتابون مین کثرت سے منقول ہین اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگون نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے، اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے، کہ "چونکہ بہت دنون تک مسلمانون کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بے خبری مین حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرا، اور کد و کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائین تو ثابت ہوگا کہ اچانک حملہ انہی قومون پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ اُن کو خبر ہوگی تو پہاڑون کی چوٹیون پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائین گے، چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگون کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چل دیئے، اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین، ان مین سے بعض مین آپ خود تشریف لے گئے، اور بعض مین کچھ دستے بھیجدیئے۔

غزوۂ بنو سُلیم

غزوۂ بنو سُلَیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۲۴)

واغذ السیر ... فوجدھم قد	اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ
تفرقوا فی میاھھم فرجع.	لوگ اپنے چشمون کی طرف چل دیے تھے (ابن سعد صفحہ ۲۴)

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرِقاع ۴ھ

وھربت الاعراب الی رؤس	اور اعراب پہاڑون کی چوٹیون پر
الجبال،	بھاگ گئے،

سریۂ عکاشہ

سریۂ عُکَّاشہ ۶ھ،

وجّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عکّاشہ بن محصن
عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین	کو ۴۰ آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ بگ
رجلا فخرج سریعا یُغِذُّ السیر	گئے ..... لیکن وہ
.... فھربوا، (ص ۶۱)	لوگ بھاگ گئے.

سریۂ علیؓ بن ابی طالب،

سریۂ علیؓ بن ابی طالب، الیٰ بنی سعد ۶ھ،

فبعث الیھم علیّ ابن ابی طالب	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ
فی مائۃ رجل فسار اللیل	کو سو آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ رات
وکمن النھار حتی انتھی الی	کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے،
الھمج فاغاروا علیھم فاخذوا	یہان تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے، پھر ان
خمس مائۃ بعیر والفی شاۃ	لوگون پر حملہ کیا اور پانچسو اونٹ اور

وھربت بنوسعد بالظُعن،	دو ہزار بکریاں لوٹیں اور بنو سعد
(ص ۶۵)	مستورات کو لے کر بھاگ گئے،

غزوہ بنولحیان

(غزوۂ بنو لحیان، سنہ ۶ھ،

فسمعت بھم بنولحیان فھربوا	بنو لحیان نے اُن کی آمد سُنی تو پہاڑوں
فی رؤس الجبال،	کی چوٹیوں پر بھاگ گئے،

سریہ عمر بن خطاب

سریۂ عمر بن خطاب بہ طرف تُربہ سنہ ۷ھ،

فکان یسیر اللیل ویکمن	راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ
النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا	جاتے تھے، ہوازن کو خبر لگ گئی تو
وجاء عمر بن الخطاب محالّھم	وہ فرار ہو گئے، حضرت عمرؓ ان کے پڑاؤ
فلم یلق منھم احدا)	پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا)

سریہ کعب بن عمیر

سریہ کعب بن عُمیر، ربیع الاوّل، سنہ ۸ھ،

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ شخصوں کو شام کی طرف بھیجا، ذات اَطلاح پہنچ کر ان لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے انکار کیا اور ان پر تیراندازی شروع کی، مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوئے، صرف ایک صاحب بچے، انھوں نے آکر خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے انتقام لینا چاہا، لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کہیں اور چلے گئے، ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں :-

وھمّ بان یبعث الیھم فبلغہ انھم قد ساروا الی موضع آخر، | ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہین چلے گئے،

اشاعتِ اسلام

ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے ان کی غرض اشاعتِ اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک مین امن وامان نہ تھا اور نیز دشمنون نے اس سرے سے اس سرے تک آگ لگا رکھی تھی، لیکن دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ معرضِ خطر مین رہتی تھی،

سریۂ بیر معونہ

صفر سنہ ۴ھ مین ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب مین رئیسِ قبیلہ کی دعوت پر اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجی گئی، لیکن بیر معونہ کے قریب قبائل رعل وذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے تھے، جنھون نے مدینہ آکر خبر کی،

سریۂ مرثد

اسی زمانہ مین یعنی صفر سنہ ۴ھ مین قبیلۂ عضل وقارہ نے تعلیم وارشاد کے لئے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ حضرت مرثد بن ابی مرثد وغیرہ دس صاحبون کو اس غرض کے لئے روانہ فرمایا، مقام رجیع مین پہنچکر بنو لحیان نے ان پر حملہ کیا، اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے، (سنہ ۶ھ مین

غزوۂ بنی لحیان

بنو لحیان کی تعزیر کے لئے مہم گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سُن گن پا کر بھاگ گئے تھے)

سنہ ۷ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داعیون کی ایک جماعت جس مین پچاس

سریۂ ابن ابی العوجا

آدمی شامل تھے، قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاء تھے، انھون نے بنو سلیم کو دعوت دی، لیکن ان لوگون نے انکار کیا، اور تیر اندازی شروع کی

یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجاء کے سوا سب شہید ہوئے،

سریۂ کعب ابن عمیر

ربیع الاول ۸ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیون کی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کے لئے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود مین وادی القریٰ سے اس طرف ہے، ان لوگون نے اسلام کی تبلیغ کی، لیکن جواب وہی تیغ و سنان تھا، یہان تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے جنھون نے آکر مدینہ مین خبر کی،

(اس بنا پر اکثر دعوت اسلام کے لئے جو سرایا بھیجے جاتے تھے اُن کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی، لیکن اس صورت مین بہ تصریح افسرون کو کہدیا جاتا تھا کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے لڑائی بھڑائی کی اجازت نہین، مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰۰ آدمیون کی جمعیت) ساتھ کر دی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوت اسلام مقصود ہے، لڑائی مقصود نہین، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہین:-

بعثہ الی بنی جذیمۃ داعیاً الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلاً (صفحہ ۱۰۶)	آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، دعوت اسلام کے لئے، نہ جنگ

علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہین:-

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے اطراف

بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا	مین سرایا بھیجے، دعوتِ اسلام کے لئے
الی اللہ عزوجل ولم یامرھم بقتال	ان کو لڑائی کا حکم نہین دیا،

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ کھڑے ہوگئے اور قبلہ رو ہو کر کہا "اے خدا خالد نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون"۔ تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، جنھون نے ایک ایک بچہ کا یہان تک کہ کتون کا خون بہا ادا کیا اور اس پر مزید رقم دی[1]، یہ واقعہ باختلافِ الفاظ حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہے،

اسی طرح سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سوارون کے ساتھ یمن بھیجا تو آپؐ نے فرمایا،

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم	جب تم وہان پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر
حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی ص۱۲۲)	کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا،

اسی سلسلہ مین وہ سرایا بھی داخل ہین جو فتحِ مکہ کے بعد بت شکنی کے لئے اطراف ملک مین روانہ کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب مین مختلف قبیلون کے الگ الگ بتخانے تھے، فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتون کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا، اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہین سمجھتے تھے، تاہم ان کے دلون پر ان اصنام کی وراثۃً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہین پڑتی تھی

[1] تاریخ طبری ص ۱۶۵۱ (ج ۳)

کہ ان باطل پرستیون کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دین، جاہلون کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھرون کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی، مصائب اور بلاؤن کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا،

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بتخانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑین گے، بعض اور نومسلم قبائل بھی اس ادائے فرض مین جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات مین چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے، کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دین، چنانچہ سریۂ خالد ؓ ابن ولید، بتخانۂ عزیٰ، سریۂ عمرو ؓ بن العاص بتخانۂ سواع، سریۂ سعد بن زید اشہلی بتخانۂ مناۃ، سریۂ ابوسفیان و مغیرہ بن شیبہ بتخانۂ لات، سریۂ جریر بتخانۂ ذی الخلصہ[1] سریۂ طفیل بن عمرو دوسی بتخانۂ ذی الکفین، اور سریۂ علی ؓ بن ابی طالب بتخانۂ فلس کے توڑنے کو روانہ کئے گئے[2]

جنگی اصلاحات

جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہے، عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت، سفاکی، بے دردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی، لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

کسی ملک مین جب ہزارون برس سے ظلم و غارتگری متوارث چلی آتی ہو تو

---

(۱) صحیح بخاری غزوۂ ذی الخلصۃ (۲) اس باب مین تمام تر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہین،

شروع شروع مین مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چندروز قدیم اصول اور طرزِ عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے، جس کو طبی اصطلاح مین علاج بالمثل کہہ سکتے ہین. آغازِ اسلام مین حملہ آور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہین جو پہلے سے رائج تھے، مثلاً جاہلیت مین دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری کی حالت مین جاپڑتے تھے، اور قتل و قید کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا، لیکن ابتدا ہی مین اگر اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانون کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اس کے مقابلہ مین کچھ نہ کرسکتے، یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے، جس کے بعد وہ کہین ٹل جاتے. یا اپنی حفاظت کا سامان کرلیتے، لیکن جس قدر اسلام کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہان تک کہ ایک ایک کرکے سب کا خاتمہ ہوگیا،

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل مین آتے تھے اُن کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین، ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اس کے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحین کین؟

اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتین، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم، لڑائی مین قتل کئے جائین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیئے جاتے، اُن مین ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا، ابوداؤد مین یہ حکم ان الفاظ مین مذکور ہے.

۵ صحیح مسلم باب الجہاد

لا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً	کسی کہن سال کو، بچے کو، کمسن کو، عورت
ولا صغیراً ولا امرأۃ[1]	کو قتل نہ کرو،

غزوات مین کبھی کسی عورت کی لاش آپ کی نظر سے گذرتی تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے، صحیح مسلم مین متعدد حدیثین اس کے متعلق مذکور ہین،

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیرون کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے، عربی مین اس طریقہ کو صبر کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا،

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبد الرحمن) نے ایک لڑائی مین چند آدمیون کو گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرایا تھا، حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے سنا تو کہا "مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا وہ اس سے منع فرماتے تھے، خدا کی قسم مین مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہین رکھتا" عبد الرحمن نے اسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے،[2]

لڑائیون مین عہد کی کچھ پابندی نہ تھی، جنگ معونہ وغیرہ مین کفار نے مسلمانون کے ساتھ یہی معاملہ کیا، یعنی قول و قسم دے کر مسلمانون کو ساتھ لوا گئے اور گھر لے جا کر قتل کر ڈالا قرآن مجید مین انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے،

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً	کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہین نہ ذمہ داری کا

[1] کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین، ابو داؤد مین یہ باب کتاب الجہاد مین مکرر ہے، یہان پہلا باب مراد ہو" مں

[2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰ (باب قتل الاسیر بالنبل) "مں"

اِنَّھُمْ لَآ اَیْمَانَ لَھُمْ، (توبہ-۲) اُن کی قسم قسم نہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جاے، ہر حال مین اس کی پابندی کی جائے، قرآن مجید مین اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہین، عہد نبوت اور خلفاے راشدینؓ کے زمانہ مین پابندیِ عہد کی حیرت انگیز مثالین ملتی ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریون کی وجہ سے مکہ ہی مین رہ گئے تھے، ان مین حضرت حذیفہؓ بن یمان اور اُن کے والد بھی تھے، جنگِ بدر کے موقع پر حضرت حذیفہؓ بن یمان اور اُن کے والد کہین سے آرہے تھے، کفار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے، انھون نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے، کفار نے اُن سے عہد لے کر چھوڑ دیا، یہ لوگ مقامِ بدر مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار سے معروفِ جنگ ہین، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو،

ابو رافعؓ کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھیجا تھا، بارگاہِ نبوت مین آکر اُن پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور عرض کی اب مین کافرون مین واپس نہ جاؤن گا، آپ نے فرمایا تم قاصد ہو، اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے، اس وقت واپس جاو، پھر آجانا،[1]

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳ (باب فی الامام یستجن بہ فی العہود) "س"

صلح حدیبیہ مین جب حضرت ابو جندلؓ پابہ زنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہین، آپؐ نے فرمایا ہان لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیجدین گے، اس پر حضرت ابو جندلؓ نے رو کر تمام مسلمانون کو مخاطب کیا، لوگ جوش رقت سے بے قرار ہو گئے اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائین، حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے، حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بار بار جاتے تھے، یہ سب کچھ تھا، لیکن پابندی عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی، حضرت ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

اسلام سے پہلے قاصدون کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا، قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا، لیکن باہر والون نے بچا لیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائین، مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اُس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا کہ "قاصد کا قتل کرنا دستور نہین ورنہ تو قتل کر دیا جاتا" مورخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہین کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ قاصد قتل نہین کئے جاتے تھے،

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قومون مین بھی یہی طریقہ جاری تھا، جنگ صلیبی مین یورپ مین سلطنتین جب مسلمانون کو لڑائیون مین گرفتار کرتی تھین تو اُن سے جانورون کی طرح کام لیتی تھین،

علامۂ ابن جبیر جب حروبِ صلیبیہ کے زمانہ مین سسلی مین گذرے ہین تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے، چنانچہ لکھتے ہین:۔

ومن الفجائع التی یعاینھا من	اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جو ان شہرون
حلّ بلادھم اسری المسلمین	مین نظر آتے ہین اسیرانِ اسلام ہین جو
یرسفون فی القیود ویصرفون	بیڑیان پہنے نظر آتے ہین اور جن سے سخت
فی الخدمۃ الشاقۃ وکالاسیرات	محنتِ شاقہ لی جاتی ہے، اور اسی طرح
المسلمات کذلک فی اسوقھن	مسلمان عورتین پنڈلیون مین لوہے
خلاخل الحدید فتنفطر	کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام
لھم الافئدۃ[۱]	کرتی ہین جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کی نسبت تاکید کی کہ اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے، اسیرانِ بدر کو جب آپ نے صحابہ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے، غزوۂ حنین مین چھ ہزار اسیر تھے، سب چھوڑ دیئے گئے، اور آپ نے اُن کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے،

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی تو آپ نے عزت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ مین اس کو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمھارے شہر کا آجائے تو مین اس کے ساتھ

[۱] رحلۂ ابن جبیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳۰۷

تم کو رخصت کردون، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کرکے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا،

قرآن مجید مین جہان خدا نے بندگانِ خاص کے اوصاف بتاے ہین، وہان فرمایا ہے،

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ	اور یہ لوگ خدا کی محبت مین مسکین کو، یتیم
مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا، (دھر-۱)	کو اور قیدیون کو کھانا کھلاتے ہین،

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہلِ فوج چارون طرف دُور دُور پھیل جاتے جس سے راستے بند ہوجاتے، گھرون مین آنا جانا مشکل ہوجاتا، راہ گیرون کا مال و متاع لٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی مین قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتین لوگون سے سرزد ہوئین، آپ نے منادی کرادی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہین،

ابوداؤد مین (حضرت معاذ بن انس) سے روایت ہے،

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مین فلان غزوہ مین آپ کے ساتھ تھا،
غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس	لوگون نے دوسرون کے پڑاو پر جاکر ان کو
المنازل وقطعوا الطریق فبعث	تنگ کیا، لوٹا مارا، آپ نے ایک شخص کو بھیجا
النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیا ینادی	جس نے منادی کی کہ جو دوسرون کو گھرون
فی الناس ان من ضیق منزلا	مین تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا
وقطع طریقا فلا جہاد لہ[1]	جہاد قبول نہین،

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد اول صفحہ ۳۵۲ (باب ما یؤمر من انضمام العسکر) "س"

ابوداؤد مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ ادھر ادھر پھیل نہ جایا کرین تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاو ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آجاتے۔[1]

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگون کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیون کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اس کی اصلاح مین نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت مین تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی، تعجب یہ ہے کہ اسلام مین بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد مین ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا،

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ	ایک شخص خدا کی راہ مین جہاد کرنا چاہتا
وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا	ہے لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر	ہے، آپ نے فرمایا اس کو کچھ ثواب
لہ فاعظم ذلک الناس و	نہین ملے گا، یہ امر لوگون کو بہت
قالوا للرجل عد لرسول اللہ	عجیب معلوم ہوا، اور لوگون نے اس
صلی اللہ علیہ وسلم فلعلک لم تفہمہ	شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھو، غالبا
(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۳۴۲ باب فیمن یغزو یلتمس الدنیا)	تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہین سمجھا

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لئے بھیجتے تھے اور اُن کو یقین نہین آتا تھا،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد (باب ما یؤمر من انضمام العسکر) "س"

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوگا، بالآخر جب آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا

کہ لا اجر لہ، یعنی اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا، تب لوگون کو یقین آیا،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے

بھیجا، ان مین سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے، قبیلہ والے روتے ہوئے

آئے، انھون نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے، لوگون نے اسلام قبول

کرلیا اور حملہ سے بچ گئے، اس پر ساتھیون نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگون کو

غنیمت سے محروم کردیا، ابوداؤد مین صحابی کا قول ان الفاظ مین مذکور ہے،

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا		مجھ کو میرے ساتھیون نے ملامت کی،
الغنیمۃ، (ابوداؤد باب یقول)		تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا،

جب لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ان کی شکایت کی تو آپؐ نے

اُن کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلے اتنا

اتنا ثواب ملے گا، (ابوداؤد)

قرآن مجید مین غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اس کی طرف

انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی، جنگِ اُحد مین جب اس بنا پر شکست

ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت مین مصروف ہوگئے تو یہ آیت اُتری،

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ	تم مین سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے
مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ، (اٰل عمران - ۱۶)	اور کچھ آخرت کے،

جنگ بدر مین لوگون نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگون کو گرفتار کیا تو یہ آیت اُتری،

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيدُ الْاٰخِرَةَ، (انفال - ۹)	تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے،

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین مین جو شـ‍ہ مین واقع ہوا تھا، اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے مین مصروف ہوگئے، صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر مین ہے،

فاقبل المسلمون علی الغنائم واستقبلونا بالسهام،	تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافرون نے ہم کو تیرون پر رکھ لیا،

اس بنا پر موقع بموقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لئے کوئی نام کے لئے، کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے، کس کا جہاد خدا کی راہ مین سمجھا جائے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا،	جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو،

بالآخر آپ نے یہ فرمایا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت

(لہ بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا وصحیح مسلم کتاب الامارة "س")

قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے، پورا ثواب اسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہات نہ لگائے، صحیح مسلم مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہین،

ما من غازیة تغزو فی سبیل اللہ	جو غازی خدا کی راہ مین لڑتا ہے، اور
فیصیبون الغنیمة الا تعجلوا	مال غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب
ثلثی اجرهم من الاخرة ویبقی	کا دو ثلث یہین لے لیتا ہے اور آخرت مین
لهم الثلث وان لم یصیبوا	اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے
غنیمة تم لهم اجرهم[1]	البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو تمام ثواب ملیگا

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی دلون سے اتر گئی، اور جہاد سے صرف اعلاے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعہ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا،

حضرت واثلہ بن الاسقع ایک صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوے تو ان کے پاس سامان نہ تھا، مدینہ مین آواز دیتے پھرے کہ کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آے گا اس مین وہ برابر کا شریک ہوگا، ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم مین کئی اونٹ ہاتھ آئے، حضرت واثلہؓ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے اور کہا "یہ وہ اونٹ ہین جن کی نسبت مین نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس مین حصہ دار ہون گے" انھون نے کہا "ان کو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ مین نہین، بلکہ جہاد کے

---

(1) صحیح مسلم کتاب الامارہ باب بیان ثواب من غزا فغنم، ابوداؤد باب فی السریہ) "نس"

ثواب مین شرکت مقصود تھی[1])

دورانِ جنگ مین دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا خصوصاً جب کہ رسد ٹھُر جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہین ہوسکتا تھا تو ہر حال مین یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت کی اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا۔ ابوداؤد مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی، اتفاق سے بکریون کا ریوڑ نظر آیا، سب ٹوٹ پڑے اور بکریان لوٹ لین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیان اُبال کھارہی تھین آپ کے ہاتھ مین کمان تھی، آپ نے اُس سے ہانڈیان اُلٹ دین اور سارا گوشت خاک مین مل گیا، پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے[2]"

لڑائی عبادت بن گئی اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزہ کردیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلومون کو ظلم سے بچائے، جابر اور ظالم کمزور آدمیون پر دستِ ستم دراز نہ کرنے پائین،

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ	جن لوگون سے لوگ لڑائی کرتے ہین
ظُلِمُوا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ	اُن کو اس بناپر لڑنے کی اجازت دیگئی

[1] ابوداود، کتاب الجہاد جلد ثانی، (باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السہم) ص ۳ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی، (باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ) ص ۳

لَقَدِيْرُهُ الَّذِينَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ، (حج - ۶)	کہ اُن پر ظلم کیا گیا، اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے، وہ لوگ جو اپنے گھرون سے صرف اس بنا پر نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا خدا ہے

ملک مین جو ہمیشہ فتنہ وفساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن وامان سے بسر نہین کرسکتے تھے، جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کردے،

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ (انفال) اور اُن سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے،

جو لوگ خدا پر اور جزا وسزا پر اعتقاد نہین رکھتے اور اس وجہ سے اُن کے نزدیک ہر قسم کے ظلم وستم جائز تھے اور ان کو جائز وناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگون کو اُن کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ، (توبہ - ۴)	ان لوگون سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہین نہ قیامت پر، اور جن کامون کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے، اس کو حرام نہین سمجھتے،

جہاد مین فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہین قرار دیا گیا کہ فاتح دولت ومال اور حکومت کا لطف اٹھائین، بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگون کو عبادت وریاضت اور فقرا کی دستگیری کی تلقین کرین اور اچھی باتین پھیلائین اور برے کامون سے لوگون کو روک دین،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دین
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ	تو وہ نماز کے پابند ہون گے. زکوٰۃ ادا
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ	کرین گے، اچھی باتون کا حکم دین گے،
الْمُنْكَرِ، (حج-٦)	اور بری باتون سے روکین گے،

کسی ملک کی فتح سے جو دولت ومال ہاتھ آتا تھا وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا، جس کو وہ اپنے مصارفِ عیش مین استعمال کرتا تھا اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ	اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مالِ غنیمت ملے
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ	تو اس کا پانچواں[1] حصہ خدا کا ہے اور
وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	رسول کا اور رشتہ دارون کا اور
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ، (انفال-٥)	یتیمون کا اور غریبون کا اور مسافرون کا،

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہین،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ
فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ	ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال)	خدا کا نام لیتے جاؤ تم کامیاب ہو گے،

[1] اس پانچوین حصہ کے سوا باقی تمام مالِ غنیمت مجاہدین کا حق ہے،

نماز مین جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلیٰ کہتے ہین جہاد مین بھی یہی حکم تھا، حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہین کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جا رہے تھے صحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس قدر شور سے نہین کہنا چاہیے، کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو وہ بہرا نہین ہے" بعینہ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز مین پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا،

نکتہ، ابوداؤد مین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جہاد مین دستور تھا کہ چڑھائیان آتی تھین تو تکبیر کہتے تھے اور اُتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی، یعنی سر اٹھاتے ہین تو اللہ اکبر اور سجدہ مین جاتے ہین تو سبحان اللہ کہتے ہین، اس روایت مین اداے مطلب مین ذرا فرق آگیا ہے، جہاد کے اصول پر نماز نہین قائم کی گئی، بلکہ جہاد مین نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتداے اسلام سے وجود مین آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، بہر حال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونون مین ایسی مشابہت تھی کہ

لہ کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب ۲ہ ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول اذا سافر) جلد اول ۲۵ مطبوعہ مجتبائی اصل عبارت یہ ہے:- (وکان) النبی صلی اللہ علیہ وسلم وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علی ذلک،

ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے،

غرض یہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلاے کلمۃ اللہ، قیامِ امن، رفعِ مفاسد، نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت مین بدل دیا،

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز

جہاد کے معرکون مین آپکے ہاتھ مین گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا، لیکن اُس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا،

مین اُس وقت جب کہ معرکہ کارزار گرم ہی تیرون کا مینہ برس رہا ہی، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہی، ہاتھ اور پانون اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہین جس طرح موسم خزان مین پتے جھڑتے ہین، دشمن کی فوجین سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہین عین اس حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ دعا آسمان کی طرف بلند ہی جنگ آور باہم نبرد آزما ہین اور سر مبارک سجدۂ نیاز مین ہی،

معرکۂ بدر مین حضرت علیؓ عین شدتِ جنگ مین تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہی، فوجین تیرون کا مینہ برسا رہی ہین اور لڑائی کا فیصلہ نہین ہوتا، فاتحِ بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہی، اور دشمن کی طرف پھینکتا ہی، دفعۃً فوجون کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے،

حنین مین دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیون مین سے ایک بھی پہلو مین نہین، سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آرہے ہین، لیکن مرکزِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ایک پُر جلال آواز آرہی ہے،

انا النبی لا کذب — مین پیغمبر ہون، اور جھوٹا پیغمبر نہین ہون،

عین اُس وقت جب کہ صفین باہم معرکہ آرا ہین، ہر طرف تلوارین برس رہی ہین ہاتھ پانون

(صحیح بخاری ...)

کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہین، موت کی تصویرین ہر طرف نظر آرہی ہین، اتفاق سے نماز کا وقت آجاتا ہے، دفعۃً نماز کی صفین قائم ہو جاتی ہین، سپہ سالار امام نماز ہے، فوجین صفوفِ نماز ہین، رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائین بلند ہین، جوش و خروش، تہوّر و جانبازی، غیظ و غضب اب عجز و نیاز، تضرع و زاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے، صفین دو دو رکعتین ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہین، ان کے بجائے لڑنے والے نماز مین شامل ہو جاتے ہین، یہ دو رکعتین ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہین، اور مشغولینِ جنگ اگر بقیہ نمازین پوری کر لیتے ہین، لیکن یہ تبدیلیان فوجون مین ہوتی ہین، امام (رسول ؐ) اوّل سے آخر تک عبادتِ الٰہی مین مصروف ہے،

تعلیم و ارشاد، ہدایت و تلقین، تہذیب و تزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے، عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ مین چور ہین، مالِ غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزارون کی رقمین وصول ہو رہی ہین، ایک صحابی خوش خوش آتے ہین اور جوشِ مسرت مین کہتے ہین "یا رسول اللہ! آج مین نے مالِ غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا، کبھی نہین اٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے" (اوقیہ دس روپیہ کے برابر ہوتا ہے) آپؐ فرماتے ہین کہ "مین اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤن"؟ وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہین کیا؟ ارشاد ہوتا ہے۔ "نمازِ فرض کے بعد دو رکعتین[1]"

تمّ المجلد الاوّل من السیرۃ النبویۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

---

[1] ابو داؤد، باب التجارۃ فی الغزو،